اقبال شناسی میں خواتین کا کردار

مصنفہ

طاہرہ صدیقہ

ادارۂ فروغ اُردو۔لاہور۔۲۰۱۲ء

اقبال شناسی میں خواتین کا کردار

مصنفہ

طاہرہ صدیقہ

ادارۂ فروغ اُردو۔ لاہور۔ ۲۰۱۲ء

نام کتاب: اقبال شناسی میں خواتین کا کردار

مصنفہ: طاہرہ صدیقہ

بارِاوّل: ۲۰۱۲ء

ترتیب وتزئین: محمد نوید

[Copyediting & Text Designing]

سرورق: کوثر اقبال

برائے رابطہ: محمد جاوید طفیل، پرویز طفیل ادارۂ فروغ اُردو، لاہور۔

فون: +92-042-7226516/7353525/7311291

ای میل: info@nuqooshpress.com

قیمت: ۳۵۰/- روپے

مطبع: نقوش پرنٹنگ پریس، اُردو بازار، لاہور۔

انتساب

اپنے پیارے دادا ابو

کی

بے پایاں

محبتوں

کے

نام

فہرست

دیباچہ

اقبال بیسویں صدی کی نامور شخصیات میں سے ہیں کہ جن کی حیات ہی میں ان کے خیالات عوام وخواص میں مقبولیت حاصل کر کے عالمی سطح پر بھی اپنے جوہر دکھانے لگے تھے۔ اہل علم ودانش جس دلچسپی سے ان کے فکروفن کو سراہتے ہیں اس کا اندازہ ان کی شاعری اور فلسفے کے بارے میں آئے دن شائع ہوتے والے مقالات اور کتابوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اقبال کی حیات، نظریات اور خدمات پر دنیا کی اہم زبانوں میں جو تحقیقی کام ہوا ہے وہ ایک استثنا کا درجہ رکھتا ہے اور ایک الگ مقالے کا متقاضی ہے۔ اقبال پر تحقیق وتوضیح کا سلسلہ جاری ہے اور علمی اور فکری دنیا میں اقبال شناسی ایک عالمی روایت کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ اس طرح دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں جیسے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، اطالوی، روسی، چینی، جاپانی، ترکی، عربی اور فارسی وغیرہ میں اقبال پر کتب اور مقالات قلمبند کیے جا چکے ہیں۔

اقبال کی شاعری اور افکار محض اپنے عہد تک ہی محدود نہ تھے۔ انھوں نے ایسی صداقتوں کو بیان کیا جن کی اہمیت ہر دور میں برقرار رہتی ہے اور ہر دور میں برقرار رہے گی کیونکہ ان کا پیغام جغرافیائی حدود اور مذہبی عقائد کی قیود سے آزاد ہے۔ آج بین الاقوامی

سطح پر اقبال کو خراج تحسین پیش کر کے گویا اس کی عملی توثیق کی جا رہی ہے کہ واقعی اقبال نے لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند اک تازہ ولولہ دیا ہے۔ نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں بلکہ میں بلکہ مغرب اور دنیا کے کئی دیگر ممالک میں مختلف خاور شناسوں نے اقبال پر کئی حوالوں اور زاویوں سے کام کیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں مولوی احمد دین سے لے کر رفیع الدین ہاشمی اور برصغیر پاک و ہند سے باہر مغرب میں نکلسن سے لے کر این میری شمل تک اقبال شناسی کی روایت پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اقبال شناس حضرات کو ہی اقبال شناسی کے وسیع و بیکراں سمندر میں شناوری کا فخر حاصل نہیں خواتین نے بھی اس ضمن میں کافی کام کیا ہے۔

اس موضوع کے انتخاب اور اس پر کام کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اقبال شناسی کے میدان میں اقبال شناس حضرات کا بہت کام ملتا ہے اور ان کے کیے گئے کام کا انفرادی و اجتماعی جائزہ مختلف مقالات اور کتب میں لیا جا چکا ہے۔ مگر اقبال شناسی کے اس میدان میں خواتین کی اقبال شناسی کے حوالے سے کوئی کام اب تک منظرِ عام پر نہیں آیا اور نہ ہی چند معروف اقبال شناس خواتین کے انفرادی کام کی تحسین کے مجموعی طور پر اُن کی تحقیقی وتنقیدی خدمات کا جائزہ لیا گیا۔ چنانچہ یہ موضوع اقبال شناسی کے حوالے سے تحقیق وتنقید کا ایک نیا در وا کرتا ہے۔ چونکہ یہ اپنی طرز کا منفرد اور تازہ موضوع ہے لہٰذا یہ کتاب اقبال شناس خواتین کے حوالے سے ابتدائی سطح پر تعارفی نوعیت کے کام پر محیط ہے۔ جس میں جہاں تک ممکن ہو سکا اقبال شناس خواتین کے کیے گئے کام کو سامنے لانے کی مقدور بھر سعی کی گئی ہے۔ یہ موضوع چونکہ بہت وسیع ہے اور مزید تحقیقی اور تنقیدی کام کا متقاضی ہے لہٰذا اس حوالے سے بہت سا کام کرنا ابھی باقی ہے۔

اس مقالے میں غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اختصار سے خواتین کی اقبال شناسی کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالے میں کتابیات کو عالمی طرز تحقیق کے مطابق شکاگو مینول آف سٹائل (Chicago Manual of Style) کی روشنی میں کیا

گیا ہے۔ عربی، فارسی اور اُردو کے الفاظ کو رومن / لاطینی رسم الخط میں منتقل کرنے کے لیے لائبریری آف کانگرس کے طریق میں چند معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اپنایا ہے۔ اس عمل میں phonetics اور orthography دونوں پیش نظر رہے ہیں۔

ادارۂ فروغ اُردو، لاہور ایک تاریخ ساز ادارہ ہے۔ علم پروری اور کتاب دوستی اس ادارے کی روایات میں شامل ہے۔ اُردو زبان وادب کے حوالے سے ادارۂ فروغ اُردو کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔ اس مقالے کی اشاعت کے سلسلے میں ادارۂ فروغ اُردو کے علم دوست محمد جاوید طفیل صاحب نے نہ صرف دلچسپی لی بلکہ بھرپور معاونت بھی کی ہے۔

طاہرہ صدیقہ

۲۰۔اپریل ۲۰۱۲ء۔لاہور۔

سوانحی اقبال شناسی

داستانِ اقبال ۶

داستانِ اقبال سوانح عمری ہے۔اس سے پہلے اقبال کی سات آٹھ سوانح عمریاں ہی لکھی گئی ہیں مگر ان میں ترتیب، تدوین، تفحص اور تصدیق و تاثیر کا فقدان ہے البتہ زندہ رُود کو اقبال کی ایک معیاری اور مکمل سوانح عمری قرار دیا گیا ہے۔اس کی تین جلدیں بالترتیب ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۱ء، اور ۱۹۸۴ء میں منصۂ شہود پر آئی تھیں۔

آمنہ صدیقہ کی لکھی گئی سوانح عمری داستانِ اقبال خصوصی طور پر بچوں اور طلبہ وطالبات کے لیے لکھی گئی ہے۔مصنفہ لکھتی ہیں:

> آج حیاتِ اقبال کے موضوع پر کافی کتب دستیاب ہیں اور میں نے ان میں سے کچھ کتب کا مطالعہ کیا اور ان میں مواد اکٹھا کیا۔اندازِ تحریر ایسا رکھنے کی کوشش کی جیسے کوئی آپ کو کہانی سنا رہا ہو۔ ۷

مصنفہ نے اقبال کی حیات پر مشتمل کچھ کتاب کا مطالعہ کر کے اس کتاب کا مواد اکٹھا کیا مگر یہ وضاحت نہیں کی کہ کن کن کتب کا مطالعہ کیا اور مواد کہاں کہاں سے اکٹھا کیا۔البتہ کتاب کے آخر پر اُنھوں نے اُن کتب کی فہرست دی ہے۔جن سے اُنھوں نے اس کتاب کی تیاری میں مدد لی تھی، تاکہ طلبا و طالبات اگر چاہیں تو ان کتب کا تفصیلی مطالعہ کر سکیں۔ان کتب میں زندہ رُود، حیاتِ اقبال کا سفر، ذکرِ اقبال، روزِ گار فقیر، حیاتِ اقبال، حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں، تذکارِ اقبال، اوراقِ گم گشتہ، عروجِ اقبال، اقبال اور کشمیر، اقبالیات، اقبال درونِ خانہ، علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم اور دانائے راز شامل ہیں۔

کتاب کی ترتیب و خاکہ کی روشنی میں یہ سوانح عمری جو طالب علموں کے لیے لکھی گئی ہے۔بے حد سادہ، آسان اور دلچسپ ہے اور نوجوانوں کے لیے شوق انگیز ہے۔اس کتاب میں حیاتِ اقبال کے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔اور اس کتاب کے مطالعے کے بعد

اقبال شناسی میں خواتین کا کردار

اقبال کی زندگی کا ایک ایک پل از خود ذہن نشین ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

علامہ اقبال اور ان کے فرزندِ اکبر آفتاب اقبال ؎

مصنفہ نے اس کتاب میں اقبال کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال کی زندگی کا پورا احاطہ کیا ہے۔ آفتاب اقبال کی حیات، تخلیقات، سماجی اور ثقافتی مصروفیات اور اقبال کی صحبت میں بیٹھنے والوں سے مراسلت کے ضمن میں معلومات درج کی گئی ہیں۔ اس سے قبل مولانا حامد جلالی صاحب نے اپنی کتاب علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی میں کافی معلومات فراہم کی تھیں لیکن ان کی زندگی کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے تھے۔ اگر حامد جلالی کی یہ کتاب معرضِ وجود میں نہ آتی تو ۱۹۶۷ء کے بعد کتابوں میں آفتاب اقبال کا ذکر نہ ملتا۔ مصنفہ نے اس تناظر میں چند کتابوں سے آفتاب اقبال کی سوانح کا حال دیا ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً بیس سال کے دوران ان کی زندگی پر لکھنے والوں میں منیر احمد سلیچ نے مضمون ''اقبال کی پہلی شادی کا افسوسناک انجام، چند وجوہات'' لکھا اور ان کی یہ کوشش قابل ستائش ہے۔ یہ مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔ مصنفہ نے آفتاب اقبال کے دوست احباب اور ان کے ایک تحریری انٹرویو اور مضمون کو بھی شامل کتاب کیا ہے تاکہ ان کی زندگی کے سبھی گوشے عام لوگوں کے سامنے آئیں اور وہ ان کے صحیح مقام سے واقف ہو سکیں۔ مصنفہ نے ''حرفِ آغاز'' میں اس کتاب کے لکھنے کی وجوہات گنواتے ہوئے کچھ ماہرین اقبالیات کے خطوط کا ذکر کیا ہے اور انھیں شامل کتاب بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ سیّد مظفر حسین برنی نے انھیں اس کتاب کی تصنیف پر اُکسایا۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ''اقبالیات'' سے متعلق مضامین ہیں۔ زیادہ تر مضامین خود مصنفہ کے تحریر کردہ ہیں اور چند مضامین سیّد نور محمد قادری اور مشہور مصنف و صحافی سیّد قائم محمود کے ایک نایاب مراسلے صادق مطبوعہ ۱۹۵۶ء سے ایک مضمون ''لیڈی اقبال'' دیا گیا ہے۔ اقبال کے مرشد گرامی کے بارے میں بہت سے لوگوں نے تحقیق کی ہے لیکن اس سلسلے میں سیّد نور محمد قادری سرخیل کارواں ہیں۔ لہٰذا مصنفہ نے ان کی

تحقیق کی، کہانی نوع بہ نوع حالات کی روشنی میں بیان کی ہے۔

''لیڈی اقبال'' بیگم بلقیس عابد علی کا جاندار مضمون ہے۔ اس کے علاوہ مصنفہ نے ''چراغ تلے اندھیرا'' اور دیگر مضامین کے حوالے سے لکھا ہے:

> میرے مضامین مختصر سہی لیکن ان میں بڑی چونکا دینے والی باتیں موجود ہیں۔ شاید ان رازوں سے میں واحد باخبر عورت ہوں اور میں نے اپنے خاندان کی باتوں کو اپنے طور پر از خود بیان کر دیا ہے ورنہ اب آثار نظر آ رہے ہیں کہ لوگ اپنی منفعت کی خاطر من گھڑت اور لایعنی باتوں کو پھیلانا مفید سمجھتے ہیں۔ ؎

''بڑی بہو کا خاندان اقبال سے تعارف'' مصنفہ کا ایک ایسا مضمون ہے جس میں تقریباً اقبال کے سبھی قریبی عزیزوں سے ان کی وابستگی کے آغاز کا سراغ ملتا ہے۔

''خفتگانِ خاندانِ اقبال'' اقبال کے خاندان کے بچھڑے ہوئے افراد کے مدفن اور تاریخ وصال سے مکمل آگاہی کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ یہ ایک بڑا منفرد اور معلوماتی مضمون ہے کہ جس میں اتنے لوگوں کی فوتیدگیوں کا ایک جگہ اندراج کیا گیا ہے۔

مصنفہ نے اپنے دیگر مضامین خصوصاً ''علامہ اقبال کی شادیاں''، ''علامہ اقبال نے دوسری بیوی (سردار بیگم) کو طلاق کیوں دی؟''، مختار بیگم سے شادی کا واقعہ اور کریم بی بی کا کردار''، ''سردار بیگم سے دوسری شادی کیوں اور کیسے ہوئی؟'' اور ''بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی سے انتقام'' میں اقبال کی پہلی شادی کی ناکامی، ناکامی کے اسباب، شیخ عطا محمد کے اقبال کے ساتھ، اقبال اور ان کے فرزند آفتاب اقبال کے تعلقات کے ضمن میں کچھ غلط فہمیوں کی نشاندہی کر کے اصل حقائق کی وضاحت کی ہے تاکہ لوگ غلط معلومات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے درست معلومات کو ذہن نشین کریں۔

کتاب کے دوسرے حصے میں آفتاب اقبال کے حالات زندگی دیے گئے ہیں۔ اس سے قبل کتابی صورت میں آفتاب اقبال کی حیات کے بارے میں کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا مصنفہ نے اس خواہش کے تحت اسے ترتیب دیا ہے کہ آئندہ اور بہتر کتابیں

معرضِ وجود میں آئیں۔ اس حصے میں تقریباً آفتاب اقبال کی زندگی کے تمام مختلف گوشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

اس حصے میں آفتاب اقبال کی وفات، تدفین اور تعزیتی خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں۔ آفتاب اقبال مصنفہ یعنی اپنی اہلیہ کو بیرون ملک سے عموماً اُردو میں خطوط لکھا کرتے تھے، ان چیدہ چیدہ مضامین کو بھی شامل کتاب کیا گیا ہے۔ اس طرح '' آفتاب سورج کے ساتھ ساتھ'' (جو بڑا مفصل مضمون ہے) میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۸ء تک آفتاب اقبال پر چھپنے والے مضامین کو یکجا کیا گیا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ مولانا حامد جلالی کی کتاب علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی میں لاکھ نقص سہی لیکن اس کتاب کی اشاعت کے بعد آفتاب اقبال کے بارے میں کافی مواد کتابوں کی زینت بنا۔ اس کے علاوہ ایک اور مضمون ''اقبال کے چند عزیز'' بھی بڑا انوکھا مضمون ہے جس میں اقبال کی باقیات میں کچھ صاحب علم وفضل اور ماہرین فن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا تیسرا حصہ نوادرات سے متعلق ہے۔ اس میں نذرانۂ عقیدت بحضور علامہ، نادر تصاویر، ہائیڈل برگ میں اقبال کے گھر کی تصاویر وغیرہ شامل ہیں۔

یہ کتاب بنیادی طور پر حیات آفتاب اقبال کا احاطہ کرتی ہے لیکن آفتاب کی کرنوں کا منبع کہاں ہے اور کس طرح ان کرنوں سے روشنی پھیلی، اس پر بھی بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے۔

مشفق خواجہ ''دیباچے'' میں لکھتے ہیں کہ:

> یہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو معروف معنوں میں کسی مخصوص ترتیب وتنظیم کی حامل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کا نام کتاب کے تمام مطالب کا احاطہ نہیں کرتا کیونکہ یہ کتاب صرف آفتاب اقبال کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ اس میں متعدد ایسے موضوعات پر بھی لکھا گیا ہے جو ضمنی یا اضافی نوعیت کے ہیں۔ یہ مباحث اس کتاب میں شامل ہونے کے بجائے کسی الگ کتاب کی صورت میں شائع کردیے جاتے تو بھی بقیہ مطالب کتاب کی اہمیت کم نہ ہوتی۔ ترتیب وتنظیم کی اس مخصوص نوعیت کی وجہ یہ ہے کہ کتاب ایک ایسی شخصیت نے لکھی ہے جسے مصنف ہونے کا دعویٰ نہیں ہے اور اس مقصد کے تحت لکھی ہے کہ بعض ایسے ''حقائق'' کو بیان کیا جائے جس سے عام لوگ تو کیا، اقبال شناس

> بھی آگاہ نہیں ہیں۔ ۵

اقبال بڑی بہو کی نظر میں عظیم قومی ہیروز، صوفی قلندر، معمار، قوم اور قناعت پسند ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ اقبال کے معمولات زندگی کی جھلکیاں آفتاب اقبال کی زبانی سنائی گئی ہیں۔ حیات اقبال، حیات آفتاب کے بغیر مکمل نہیں۔ ہرچند کہ جاوید اقبال اور میزہ اقبال نے اقبال کی اولاد کی حیثیت سے زیادہ شہرت پائی لیکن آفتاب اقبال کے ذکر کے بغیر اقبال کی زندگی کی کہانی ادھوری بلکہ محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس مضمون کی اس لیے بھی بہت اہمیت ہے کہ اقبال کی وفات کے وقت جاوید اقبال ۱۲ برس اور آفتاب اقبال کی عمر ۳۹ برس تھی۔ لہٰذا انھوں نے اقبال کی زندگی کے حالات و واقعات کا زیادہ گہرائی اور بالغ نظری سے مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے مشاہدات کی روشنی میں بیان کی گئی یہ ت اقبال کی یہ جھلکیاں بہت مفید اور معلوماتی ہیں۔

اقبال کے سوانح نگاروں اور بعض اہل قلم کے اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال کو سمجھنے میں کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلے میں ہر طرح کی افواہوں کے رد میں یہ کتاب لکھی ہے اور باپ بیٹے کے تعلقات کی سچی اور صحیح تصویر پیش کی ہے۔ اگر دونوں کے مابین کوئی رنجش تھی بھی تو اس کی نشاندہی کرتے ہوئے تمام حالات کا جائزہ لیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی رنجشوں کا پایا جانا ہماری معاشرتی زندگی کے معمولات میں سے ہے اور اس سے غیر حقیقی نتائج اخذ کرلینا قطعی مناسب نہیں ہے۔

بعض اہل قلم نے اصل حقائق سے ناواقفیت کے سبب اس ضمن میں بہت سی غلط فہمیوں کو راہ دی ہے۔ اب مصنفہ کے بیانات کی روشنی میں اس معاملے کو ازسرنو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ مصنفہ نے اقبال کے خاندان کے سلسلے میں جو نئی معلومات پیش کی ہیں۔ وہ اقبال کے خاندان میں ایک عمر گزارنے کا حاصل ہیں۔ یہ وہ معلومات ہیں جو انھوں نے اہل خاندان سے حاصل کیں اور انھیں ایک عمر تک حافظے میں محفوظ رکھنے کے بعد صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا اور اس طرح ان قیمتی معلومات کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کی تصنیف وتالیف کی گئی

وجوہات ہیں مثلاً اقبال کی نجی زندگی منظر عام پر لانا، ان کی ازدواج کے متعلق مختلف
النوع قسم کے خیالات و اندازوں کا جواب دینا، بڑی بیگم (والدہ آفتاب اقبال) اور
ان کی اولاد خصوصاً آفتاب اقبال سے اقبال کے تعلقات و اختلافات میں مبالغہ آمیزی
پر قابو پانا وغیرہ۔ آفتاب اقبال پر بعض لوگوں کے لگائے گئے الزامات و اعتراضات کے
جوابات دیے گئے ہیں۔

مصنفہ نے کتاب کی معلومات کے حصول کی خاطر ۱۹۹۷ء میں سیالکوٹ کا دورہ کیا اور
وہاں موجود لوگوں سے براہ راست ملاقات کر کے درست معلومات حاصل کیں۔ اس
دورے کی تفصیل بھی شامل کتاب کی گئی ہے۔ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال کی یہ پہلی کتاب ہے
تاہم اپنے موضوع کا پورا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مصنفہ نے حق قلم ادا کرنے کی بھرپور کوشش
کی ہے اس میں نہ تو کسی کا مقام کم کرنا مقصود نظر آتا ہے اور نہ ہی کہیں مبالغہ آمیزی ہے۔
سوانح آفتاب اقبال کے ضمن میں تفصیلی حالات سپرد قلم کیے گئے ہیں چونکہ آفتاب
اقبال کا تذکرہ دراصل اقبال ہی کا تذکرہ ہے۔ اس لیے اس میں اقبال سے متعلق ساری
معلومات بالکل نئی اور تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔

"نوادرات" میں عنوان کی طرح انتہائی نادر اور نئے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔
خصوصاً اقبال کی وفات پر ریاست کپورتھلہ کے مہاراجہ کے بھتیجے اور آفتاب اقبال کے
دوست سردار کرم سنگھ اہلوواہلیہ کا انگریزی خطاب بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

علاوہ ازیں اس کتاب کو پڑھ کر اس تاثر کی بھی نفی ہوتی ہے جو بعض حلقوں کی طرف
سے آفتاب اقبال اور جاوید اقبال کی روایتی کشیدگی کے سلسلے میں پیدا کرنے کی کوشش کی
جاتی رہی ہے۔ کتاب میں شامل جاوید اقبال کا تعزیتی خط خود اس کی شہادت دیتا ہے۔

پھر مصنفہ نے اپنے فرزند آزاد اقبال کے بارے میں بھی ایک باب تحریر کیا ہے، جس
سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی تیسری نسل بھی شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتی ہے۔ آزاد اقبال
کی شاعری کے جو نمونے اس بات میں پیش کیے گئے ہیں ان میں بانگِ درا کی نظموں کے

انداز و اسلوب کو با آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اقبال کی اولاد میں
شاعری کی وراثت صرف ان کے پوتے آزاد اقبال کے حصہ میں ہی آئی ہے۔

اقبال کی بڑی بہو بیگم رشیدہ آفتاب اقبال نے اقبال کے بڑے صاحبزادے اور اپنے
شریک حیات بیرسٹر آفتاب اقبال کے حوالے سے اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب کے
نام سے ایک انتہائی خوبصورت اور معلوماتی کتاب تصنیف کی ہے۔ یہ قائدین ملت کی
زندگی، نظریات و خیالات و افکار و اعمال کھل کر بیان کرنے کی نہایت کامیاب کوشش ہے۔
اس کتاب میں شامل کچھ تحریریں اور تصاویر پہلی مرتبہ اسی کتاب میں شائع ہوئی ہیں۔ ان
نوادرات کی شمولیت سے اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔

اقبال کا بچپن [6]

فرزانہ یاسمین کی کتاب اقبال کا بچپن بتاتی ہے کہ اقبال کن مراحل سے گزر کر اقبال
بنے؟ ان کے گھریلو اور تعلیمی ماحول نے ان کی نشو و نما میں کیا حصہ لیا اور یہ کہ بچپن میں اس کی
ذہنی کیفیات اور دلچسپیاں کیا تھیں۔ یہ کیسے ہوا کہ سیالکوٹ کے ایک عام سے گھرانے میں
آنکھیں کھولنے والا بچہ قوم کی منزل مقصود بن کر ابھرا۔ وہ بچہ جو مولوی میر حسن کے پیچھے
پیدل چلتا ہوا اپنا سبق یاد کیا کرتا تھا، لاکھوں انسانوں کے ذہن و فکر کو صیقل کرنے کا باعث
کیسے بنا۔ مصنفہ نے اپنی تصنیف میں ان سوالات کے جوابات تلاش کیے ہیں اور اس کتاب
میں اس ننھے اقبال کا کھوج لگایا ہے جو کشمیری سیالکوٹ کے ایک معمولی سے گھر سے صبح
سویرے پیدل چل کر اپنے مکتب جاتا تھا، یہی ننھا بچہ جب شعور کو پہنچا تو کروڑوں انسانوں
کے لیے ایک آزاد اور خود مختار "گھر" پاکستان کی نشاندہی کی۔ وہ جسے بچپن میں کبوتر پالنے کا
شوق تھا، بڑا ہو کر اپنے بے بال و پر قوم کی آزاد فضاؤں میں پرواز کرنے کا سبق دینے لگا۔

مصنفہ کے نزدیک وہ اقبال جو قوم کا اقبال بنا، اس کا بچپن، ماحول ہمارے ماحول سے
زیادہ یا کچھ مختلف تو ہوگا۔ کچھ تو انفرادیت اس تربیت اور ماحول میں ہوگی جس نے اقبال سا
انسان معاشرے کو فراہم کیا۔ مصنفہ "پہلی بات" کے زیر عنوان لکھتی ہیں:

میں نے اس کتاب میں اسی دور، اسی ماحول اور اسی تربیت و فیضان کو مربوط انداز میں رقم کیا ہے، جس سے اقبال کا بچپن عبارت ہے اور جس نے اتنے بڑے انسان کی شخصی تشکیل میں حصہ لیا۔ میں نے اپنے عہد کے بچوں کو تاریخ کے اس حسین دور میں لے جانے کی سعی کی ہے جس سے گزر کر ننھا اقبال، علامہ اقبال بنا۔ ؎

اس مختصر سی کتاب کا عنوان مصنفہ نے اقبال کا بچپن رکھا ہے۔ مروج معانی میں بچپن عمر کا اولین اور ابتدائی دور سمجھا جاتا ہے لیکن انھوں نے اسے طالبعلمی کے دور تک شمار کیا ہے اور لفظ ''بچپن'' کو اصطلاحی طور پر اور زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔
مصنفہ نے اس کتاب میں ۱۴ عنوانات کے تحت اقبال کے دور طالبعلمی اور پھر انگلستان سے واپسی پر اپنی والدہ کی آغوش میں واپسی کے حالات بیان کیے ہیں۔
''ایک حسین خواب کی تعبیر'' کے عنوان کے تحت مصنفہ نے اقبال کی پیدائش سے قبل ان کے والد شیخ نور محمد کے خواب اور ان کے والدین کی برگزیدگی اور پاکبازی کا حال بیان کیا ہے کہ اقبال نے نیک دل اور ایماندار ماں باپ کی آغوش میں آنکھیں کھولیں اور رفتہ رفتہ اپنی عمر کی منزلیں طے کرنی شروع کیں۔
''ذہین طالبعلم'' کے زیر عنوان مصنفہ نے اقبال کی ابتدائی تعلیم اور ان کی غیر معمولی ذہانت کا حال بیان کیا ہے۔ اقبال نے ابتدائی تعلیم سیّد میر حسن کے مکتب سے حاصل کی جو ان کے گھر سے زیادہ دور نہ تھا۔ اس کے بعد سکاچ مشن سکول سے تعلیم حاصل کی ہے۔
''اقبال دیر ہی سے آتا ہے'' کے زیر عنوان مصنفہ نے اقبال کے دیر سے کلاس میں پہنچنے پر استاد کے استفسار پر برجستہ جواب کا واقعہ درج کیا تھا اور یہ بیان کیا ہے کہ لہجے کی برجستگی کے باوجود ادب اور سلیقہ موجود تھا اور یہ گھر کے صاف ستھرے ماحول اور سیّد میر حسن کے فیض اور تعلیم نے اقبال کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ مصنفہ نے اقبال کے مطالعہ کے شوق، خوبصورتی اور کبوتر پالنے اور ان کی اونچی پرواز کی پسندیدگی کا احوال بھی مختصراً بیان کیا ہے۔
مڈل کے امتحان کی کامیابی اقبال کی ترقی کی پہلی منزل تھی جو انھوں نے بڑی کامیابی سے

حاصل کی تھی۔ ''بوڑھے باپ کے آنسو'' میں اقبال پر ان کے والد کی صوفیانہ شخصیت کے اثرات اور سیّد میر حسن کی شفقت و محبت کو اقبال کے عظیم انسان بنانے میں اہم قرار دیا گیا ہے۔ مڈل کے بعد میٹرک کا امتحان انھوں نے ۱۸۹۳ء میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ یہ ان کی کامیابی کی ایک اور منزل تھی اب اعلیٰ تعلیم کا دروازہ ان پر کھل گیا تھا۔
''بیٹے کا باپ سے عہد'' کے زیر عنوان مصنفہ نے اقبال کے سکاچ مشن کالج میں ایف اے میں داخلے اور ان کی بطور مقرر، شاعر اور اچھی نثر لکھنے والے شہرت کے آغاز کا ذکر کیا ہے۔ اقبال کی شاعری کی ابتدا اور داغ دہلوی سے شاگردی کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر وہ واقعہ درج کیا گیا ہے کہ صوفی نور محمد کے یہ کہنے پر کہ میری محنت کا معاوضہ یہ ہے کہ پڑھ لکھ کر اسلام کی خدمت کرو، اقبال نے ان سے عہد کیا کہ وہ اپنے والد کی یہ خواہش ہر حال میں پوری کریں گے۔
''زندہ دلوں کے شہر میں'' کے زیر عنوان اقبال کے سیالکوٹ سے لاہور بغرض تعلیم آمد، اپنے دوست گلاب دین کے ہمراہ بھاٹی گیٹ میں رہائش، گورنمنٹ کالج میں داخلے اور پھر کالج کے ہوسٹل میں رہائش اور ان کی عادات و قابلیت و ذہانت کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ پھر بازار حکیماں کی ادبی انجمن کے مشاعرے میں شرکت کے بعد اقبال سخن فہم اور باذوق حلقوں میں اچھی طرح متعارف و مشہور ہو گئے۔ لاہور میں دو سال کی تعلیم کے بعد ۱۸۹۸ء میں بی اے کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا جو ان کی علمی ترقی میں ایک اور اضافہ کا باعث ہوا۔
''استاد اور ماں باپ کی خدمت میں'' کے تحت مصنفہ نے بیان کیا ہے کہ اقبال کی بی اے میں اعزازی کامیابی پر ان کے والدین اور استاد بہت خوش ہوئے۔ بی اے کا نتیجہ نکلنے کے چند دن بعد اقبال مزید تعلیم کی خاطر لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔
''فلسفہ کا طالب علم''، ''کچھ دن استاد کی حیثیت سے''، ''محبوب الٰہی کے مزار پر''، ''مشرق کا شاعر مغرب میں'' اور ''ماں کی آغوش میں'' ان عنوانات کے تحت مصنفہ نے پہلے

اقبال کی ذاتی دلچسپی کے باعث گورنمنٹ کالج میں فلسفے کے طالبعلم کی حیثیت سے مختصر حال بیان کیا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ کی رہنمائی اور معاونت کے باعث اقبال دور طالبعلمی میں ہی فلسفہ کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ فلسفے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ لاہور کی علمی اور سماجی سرگرمیوں میں بھی برابر حصہ لیتے رہے۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں شرکت سے وہ ایک بڑے قومی شاعر کی حیثیت سے متعارف ہوئے اور پورے ہندوستان میں ان کا نام گونج اٹھا۔ ۱۸۹۹ء میں ایم۔اے فلسفہ کا امتحان بھی اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس کے بعد اقبال پنجاب یونیورسٹی کے اورنٹیل کالج میں بطور میکلوڈ عربک ریڈر کے طور پر کام کرتے رہے۔ پھر گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے اسٹنٹ پروفیسر کے طور پر کام کیا۔ اپنی مشہور کتاب علم الاقتصاد لکھی۔ جس سے معاشی واقتصادی مسائل اور معاملات کے بارے میں ان کے خیالات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں اقبال کی شناسائی شبلی، حالی، عبدالقادر، گرامی، اکبر الہ آبادی، حسن نظامی اور نذیر احمد جیسے اکابرین سے ہوئی۔ یہ تمام افراد اقبال کو اپنی قابلیت اور اعلیٰ اوصاف کی بنا پر مسلمان قوم کے لیے ایک نعمت گردانتے تھے۔

پروفیسر آرنلڈ کی لندن روانگی کے بعد اقبال نے بھی بغرض تعلیم لندن روانگی کا قصد کیا پہلے دہلی آئے یہاں محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مزار پر حاضری دی اور اپنی مشہور نظم ''التجائے مسافر'' پڑھی۔ یہ نظم حضرت نظام الدین اولیا سے ان کی عقیدت اور سفر کے نیک مقصد میں بزرگوں کی دعاؤں اور فیضان کی طلب کا اظہار کرتی ہے۔ پھر مرزا غالب کے مزار پر حاضری کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۰۴ء کو بمبئی روانہ ہوئے جہاں سے انھیں بحری جہاز کے ذریعے لندن جانا تھا۔

اقبال نے پی ایچ ڈی کے لیے اپنے مقالے کی تیاری کے ساتھ ساتھ لنکنز ان میں بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے لیے بھی داخلہ لے لیا۔ انھوں نے اس زمانہ میں سخت محنت کی اور تحقیقی کام کے ساتھ ہی قانون کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فارغ اوقات وہ علم وادب سے

وابستہ افراد جسے سید علی بلگرامی، شیخ عبدالقادر، انصاری، عطیہ فیضی، پروفیسر آرنلڈ، میک ٹیگرٹ، نکلسن اور مس بیک کے ساتھ بسر کرتے تھے۔

اقبال کو میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری اپنے تحقیقی مقالے ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعات پر نومبر ۱۹۰۷ء میں ملی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد قانون کی ڈگری کے حصول کے بعد جولائی ۱۹۰۸ء میں واپسی پر پھر حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر حاضری دی۔ زندگی کے نئے تجربات، مغرب کی تاریخ، تہذیب وفلسفہ سے آگاہی اور اعلیٰ تعلیم سے مزین ہوکر اقبال وطن واپس آئے اور مس ایما ویگے ناست کو ایک خط تحریر کیا، جس میں انھوں نے وطن واپسی پر اپنے تاثرات رقم کیے اور خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ان کے والدین خصوصاً بہنیں اور والدہ ان کی واپسی پر بہت مسرور ہیں۔ فرزانہ یاسمین کی یہ کتاب بچوں اور نوجوان طلبا کے لیے لکھی گیا یک معلوماتی کتاب ہے۔

☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱۔ آمنہ صدیقہ کی کتاب داستانِ اقبال، القمر انٹر پرائزز، لاہور سے نومبر ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ آمنہ صدیقہ، داستانِ اقبال، (لاہور: القمر انٹر پرائزز، نومبر ۲۰۰۲ء) ۱۲۔

۳۔ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال (اقبال کی بڑی بہو) کی تصنیف، علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال، فیروز سنز پرنٹرز، کراچی سے اگست ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔

۴۔ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال، علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال (کراچی: فیروز سنز پرنٹرز، اگست ۱۹۹۹ء) ۳۵۔

۵۔ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال، علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال، ۶۔

۶۔ فرزانہ یاسمین کی ۸۸ صفحات پر مشتمل کتاب اقبال کا بچپن، ۱۹۸۳ء میں نیشنل بک ہاؤس، لاہور سے شائع ہوئی۔

۷۔ فرزانہ یاسمین، اقبال کا بچپن (لاہور: نیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۳ء) ۹۔

تنقید بر فکر وفنِ اقبال

علامہ اقبال کے تصوراتِ فنون لطیف (ایک محاکمہ):[1]

ارشد خانم نے اقبال کے تصوراتِ فنون لطیفہ کا تجزیہ بڑی عمدگی سے کرتے ہوئے اس نکتے کو اُجاگر کیا ہے کہ پاکستان کی ثقافت میں دینی احساس کو جذب کر کے جمالیاتی اقدار کو فروغ دینا چاہیے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی ۱۲ صفحات مُصنفہ، انور احمد اور روبینہ ترین کی آرا پر مبنی ہیں۔

پہلا باب ''موضوع سے متعلق اُصولی مباحث'' ہے۔ اس باب میں مقالے کے موضوع کو تناظر فراہم کرنے والے نکات پر بحث کرتے ہوئے ثقافت کی اصطلاحی تعریف، اجزا اور فنون لطیفہ اور ثقافت کے باہمی ربط کا ذکر کیا گیا ہے۔ اجمالی طور پر برصغیر پاک و ہند کے ثقافتی ورثے کے نظریہ ثقافت کے اساسی اُصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کے اُس خطبے کو ماخذ بنایا گیا ہے جس میں انھوں نے اسلامی ثقافت کی روح سے بحث کی ہے۔ اقبال اسلامی ثقافت کے تناظر میں ایک مثالی اسلامی ریاست کا خواب دیکھتے ہیں۔ مصنفہ کے نزدیک فنونِ لطیف کی حیثیت کسی بھی مفید علم سے کم نہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

> وہ فنکاروں کو نسل انسانی کا مُعلم اور پیغمبرانہ انقلاب کا نقیب سمجھتے ہیں۔ وہ فائن آرٹ کو تفریح و تسلی اور سستی افادیت کے لیے استعمال کرنے کے خلاف ہیں۔ اس کے برعکس انسانی خودی اور اس کی شخصیت کی تعمیر کا کام اس سے لینا چاہتے ہیں۔[2]

دوسرے باب ''اقبال کے تصوراتِ فنونِ لطیف'' (مکاتیب، ملفوظات، خطبات اور شذرات کی روشنی میں) میں مُصنفہ نے اقبال کے نظریۂ موسیقی کو نفسیاتی نظریہ قرار دیا ہے کیونکہ اس نظریے میں شخصیت کی نشو ونما پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا سوقیانہ اور عامیانہ جذبات کی عکاسی کرنے والی موسیقی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اقبال کے نزدیک فن عطیۂ خداوندی ہے جسے اس طرح ڈھالنا چاہیے کہ

معاشرہ بھی اس سے فیض یاب ہو سکے۔ فنون لطیف زندگی کی تعمیر، تطہیر اور تزئین کا نہایت ہی موثر اور معتبر وسیلہ ہے۔

فنون لطیف کی شاخ مصوری کے حوالے سے مُصنفہ نے اقبال کی تخلیقات سے جو نظریہ اخذ کیا ہے وہ بھی خالص اسلامی اور مقصدی ہے۔ اقبال کی رائے میں دورِ حاضر میں مذہبی تعلیمات کو جدید علوم و فنون کی مدد سے نفسیاتی اور فلسفیانہ انداز میں پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ آرٹ کی تمام شاخوں میں انسانیت کی فلاح کا پہلو مضمر ہونا چاہیے۔

اقبال رقص و سرور اور وجد و حال کی محفلوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ جسمانی رقص کے بجائے روحانی رقص کے قائل ہیں۔

سنگ تراشی یا فنِ تعمیر کے حوالے مُصنفہ نے اقبال کی تحریروں سے اُن کے نظریات بیان کیے ہیں۔ اقبال کے نزدیک آرٹ کا گہرا تعلق مذہب، اسلامی تمدن، قرآن حکیم کی وسیع تر گہرائی اور تہہ دار جمالیات سے ہے۔ لہٰذا عمارت سازی کی بنیادوں میں انھیں عشق کا استحکام دکھائی دیتا ہے۔ قطب الدین ایبک، شیر شاہ سوری اور شاہجہاں کی تعمیرات کو ''مردانِ آزاد'' کے فنِ تعمیر کا نام دیتے ہیں۔

اس طرح ڈرامے اور شاعری کے حوالے سے بھی اقبال کے نظریات کا جائزہ لینے کے بعد مصنفہ کا کہنا ہے کہ اقبال کے تنقیدی خیالات ان کی نظم و نثر میں جا بجا موجود ہیں۔ یہ خیالات ان کے فکری نظریات خصوصاً نظریہ خودی سے وابستہ ہیں۔ انھوں نے آرٹ اور فنون لطیف کی تمام شاخوں کے بارے میں اظہارِ خیال کے ساتھ ساتھ حسن کے تصورات بھی پیش کیے ہیں۔

تیسرے باب ''اقبال کے تصوراتِ فنون لطیف'' (اُردو اور فارسی شاعری کے آئینے میں) میں مُصنفہ نے اقبال کے آرٹ اور فنون لطیف سے متعلق مباحث اُن کی اُردو و فارسی شاعری کے حوالے سے تفصیلاً بیان کیے ہیں۔

چوتھے باب ''تصوراتِ اقبال کے اثرات پاکستانی معاشرے پر'' میں مُصنفہ نے

پاکستانی ثقافت کا تقابل دیگر ثقافتوں سے کیا اور اقبال کے نظریہ ثقافت اور تصورِ حیات کی روشنی میں پاکستان کے حالات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اس امر کی ضرورت ہے کہ فکرِ اقبال کی توضیح و تشریح مُلّائیت کے تابع نہ کی جائے فنونِ لطیف کے حوالے سے اقبال کے تصورِ حیات کو آج کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہیے تبھی اقبال کی مثالی ثقافت پروان چڑھ سکے گی جس میں مسلم ثقافت کی بنیاد انسانی آزادی، انسانی مساوات اور یکساں معاشی مواقع کی ضمانت پر رکھی گئی ہوگی۔

پانچواں اور آخری باب ''نتائج'' اس مقالے کا نچوڑ ہے۔ اس میں اقبال کے فنونِ لطیف سے متعلق نظریات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

اقبال نے آرٹ اور فنونِ لطیف کے حوالے سے جو بھی فلسفۂ حیات پیش کیا ہے وہ کہیں بھی اسلامی تعلیمات سے تصادم کا باعث نہیں بنتا۔ اسلامی نظریات نے اُن کے یہاں تنگ نظری پیدا نہیں کی بلکہ اُن کے شعور کو بیدار کیا ہے اور اُن کی معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی اقدار میں ہم آہنگی پیدا کر دی ہے۔ اقبال کی دیرینہ آرزو رہی ہے کہ فنونِ لطیف انسانی کردار کی تعمیر و تشکیل میں نمایاں کردار ادا کریں۔ لہٰذا اُنھوں نے اپنی نظم و نثر میں اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق فنونِ لطیف اور فنونِ مفیدہ کی افادیت کو واضح کیا ہے۔

آج غیر ملکی ثقافتی یلغار کے دور میں اسلام اور عیسائیت کے مابین ٹکراؤ کو شدید کرنے میں غیر ملکی عالمی تنظیمیں، انٹرنیٹ، کمپیوٹر اور نیٹ ورک اہم کردار کر رہے ہیں۔ ہم اجتہادِ فکر و عمل سے کام لینے کے بجائے یورپ کی نقالی کر رہے ہیں۔

مُصنفہ کا کہنا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں مذہب کے سامنے بنیادی سوال یہی اٹھتا ہے کہ سائنس کے معرکے میں مذہب کے پاس عالمی اور آفاقی سطح پر ہدایت موجود ہے یا نہیں۔ سائنس اور مذہب کے اس معرکے میں دراصل مسلمانوں کی اجتہادی صلاحیتوں کا امتحان ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام کے بنیادی تصورات میں تو اس بات کا تسلی بخش جواب موجود ہے لیکن ان عالمگیر اور آفاقی تصورات کا عملی شکل دے کر اسلامی ثقافت میں جاری و

ساری کرنا خالصتاً عہدِ حاضر کے مسلمانوں کا کام ہے مگر نہایت دُکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کے مسلمان کسی طرح بھی اس چیلنج پر پورے نہیں اُتر رہے کیونکہ مختلف اسلامی ممالک کی ثقافت میں دینی و دنیوی اُصولوں کا وہ امتزاج دکھائی نہیں دیتا جس کا اسلام خواہاں ہے۔ اسی لیے آج کے جدید سائنسی اور تکنیکی دور میں دنیا منتظر ہے کہ اگر مسلمانوں کے پاس ایسی ثقافت موجود ہے تو وہ اسے پیش کریں تاکہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔

اقبال اور عصری مسائل [۳]

کنیز فاطمہ یوسف نے اقبال اور عصری مسائل میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کو اس کے افکار کے حوالے سے نہ صرف پڑھا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ اس دور میں ان کے فکری رجحانات کہاں تک ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ مصنفہ نے پاکستان کے موجودہ دور میں مسائل کو بین الاقوامی تناظر کے حوالے سے جانچا اور خصوصاً عالمی طاقتوں رُوس اور امریکہ کے حوالے سے تیسری دنیا کے پسماندہ ممالک کے حالات کا جائزہ لیا ہے۔ امریکہ میں ہونے والے ۱۱ستمبر کے حادثہ کے حوالے سے مصنفہ نے بیان کیا ہے کہ اس کے اثرات تمام مسلمان ممالک پر پڑے ہیں۔ اگر ہم پاکستانی امریکہ کا ساتھ نہ دیں تو دہشت گرد کہلائیں گے اور اگر ساتھ دیں تو اپنے ہم قوم، ہم مذہب، ہم تہذیب ممالک اور ان میں بسنے والے عوام کے مجرم ٹھہریں گے۔ لہٰذا اس تذبذب کے عالم میں پاکستان کے لیے لازم ہے کہ اس واقعہ کا اپنے طور پر تجزیہ کرے اور اس واقعہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل اپنی عقل و دانش کی مدد سے نکالے۔

اقبال اور عصری مسائل کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ محمد حنیف رامے کے ''پیش لفظ'' اور مصنفہ کی ''تمہید'' کے بعد اسے بارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آخر میں حوالہ جات، کتابیات اور فرہنگ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

''پیش لفظ'' میں محمد حنیف رامے اقبال اور عصری مسائل کا اصل مقصد بیان کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسے فرد کی تصنیف ہے جس نے اس خطے کی تاریخ، جغرافیے،

سیاست، معاشرت اور معیشت کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کر رکھا ہے اور جسے یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ جن عظیم مقاصد کے حصول کی خاطر یہ ملک قائم کیا گیا تھا۔ آج ہمارے سیاست دان اور حکمران طبقہ ہی نہیں بلکہ ہماری نئی نسل بھی ان سے غافل ہو چکی ہے۔

انھوں نے خاتون ہونے کے ناطے پاکستان میں عورت کے مقام کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے گہرے تدبر اور تفکر سے ان چبھتے ہوئے سوالات کا بھی بھر پور جواب دیا ہے جو اپنا گریبان چاك کے آخر میں اقبال کے نام دوسرے خط کی صورت میں جاوید اقبال نے اٹھائے ہیں۔

اس کتاب کے لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ نوجوان نسل اقبال سے کچھ سیکھ سکے۔ اقبال کی یہ کوشش تھی کہ نوجوان ان کی تجویز کردہ راہ اختیار کر لیں تو وہ یقیناً ایک نیا جہاں پیدا کر لیں گے۔ صیہونیت نے علم، عقل اور دولت کے بل پر امریکی حکومت کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے اور دنیا کو اپنے افکار کا قیدی بنا رکھا ہے۔ کنیز فاطمہ اس ضمن میں نوجوان نسل سے استفسار کرتی ہیں کہ کیا پاکستانی نوجوان میں اس قید کا شعور رکھتے ہیں اور کیا وہ اس سے آزادی حاصل کرنے کی جدو جہد کا آغاز کریں گے، جس کے کئی محاذ ہوں گے؟

کنیز فاطمہ کے نزدیک اقبال کی شاعری نئے دور کی جدو جہد کے لیے نوجوان کی راہ کا تعین کرتی ہے۔ اس کتاب کو لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی قرار دیتی ہیں کہ شاید ہم اقبال کے افکار کی مدد سے علما کی راسخ العقیدیت سے آزاد ہو سکیں۔ آخر میں مصنفہ اس کتاب کے اُردو میں لکھے جانے کی دو وجوہات گنواتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انگریزی پڑھانے والے عموماً اقبال سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ اُردو ہماری قومی زبان ہے اور ان کی یہ کوشش اُردو زبان میں تحقیقی لٹریچر پیدا کرنے امر کی تصدیق کرتی ہے۔

''ابتدائیہ'' میں مصنفہ نے ایک بڑے اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اقبال کی تعلیمات علم و عرفان کا سمندر ہیں اور حکمت و معرفت کے انمول جواہر ریزے ان کی انگریزی نثر اُردو اور فارسی کے شعری مجموعات میں ایک انوکھے اسلوب میں مرتب ہیں۔

علم و حکمت کا یہ خزانہ دنیائے اسلام کے لیے بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی و معاشرتی تعمیر کے لیے بالخصوص بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر مسلمانوں نے اس سے فائدہ بہت کم اٹھایا ہے۔ پھر وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ اقبال کی تخلیق سے بہرہ ور ہونے کی سعی کا فقدان بذات خود ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس کی نشاندہی خود اقبال نے بھی کر دی تھی کہ صدیوں کی غلامی نے مسلمانوں سے خود آگہی اور تجدید کے تسلسل کو ختم کر دیا تھا۔

کنیز فاطمہ اقبال کے افکار سے صحیح معنوں میں بہرہ ور نہ ہو سکنے کے اسباب گنواتی ہیں کہ اقبال کے افکار کو ان کے ہمعصر دانشوروں نے عجیب طرز میں پیش کیا ہے۔ اس کی پہلی صورت یہ ہے کہ اقبال عظیم فلسفی تھا اور اس نے مشرق و مغرب کے فلسفے سے مستعار خیالات کو اپنی علمی کاوش کا حصہ بنا لیا تھا۔ اس لیے ان کا فارسی کلام اور انگریزی نثری مضامین مشکل ہیں لہٰذا عوام ان سے مستفید نہ ہو سکے۔ اقبال کے سیاسی افکار کو کبھی بھی کما حقہ پذیرائی نہ مل سکی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اقبال کے بحیثیت صوفی ہونے کے، ان کی صوفیانہ فکر و نظر کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا۔ یورپی دانشوروں نے اس طرز فکر کی بہت پذیرائی کی جن میں این میری شمل سر فہرست ہیں۔ کنیز فاطمہ اس ضمن میں یہ تصحیح کرنا ضروری سمجھتی ہیں کہ اقبال کا تصوف مروجہ تصوف جو عمل گریز اور خانقاہی سکون پرستی کی تعلیم دیتا ہے، سے بہت مختلف ہے۔ ان کا تصوف خود آگہی اور خودنگری کا پیغام دیتا ہے اور اصلاح ملت کی دعوت دیتا ہے۔ اس ضمن میں کنیز فاطمہ نے اقبال کے اشعار بھی بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اقبال کے افکار سے زندگی کو جلا دینے کے لیے لازم ہے کہ ان کی فکر کا جائزہ لیا جائے۔ وہ بڑے دکھ اور کرب کے ساتھ لکھتی ہیں:

> المیہ تو یہ ہے کہ ہماری نسل اقبال سے آشنا نہیں ہے...... اگر اقبال نشاۃ ثانیہ کا ایک اہم فرد تھا تو علمی اور عقلی طور پر نشاۃ ثانیہ کی نئی افتاد کے لیے اقبال آج بھی بنیاد بن سکتا ہے۔ اگر اسے سچائی اور آزاد خیالی سے پڑھا جائے تو اقبال ہمارے فکر و عمل کی بنیادیں مہیا کرے گا۔ ؎

دوسرے باب ''تاریخی پس منظر'' میں مصنفہ نے اسلامی انقلاب کی پہلی صدی سے

لے کر دولت عباسیہ، سپین میں مسلمانوں کی حکومت، دولت، عباسیہ ۷۵۶ء کے بعد، صلیبی جنگوں ۱۰۹۵ء۔ ۱۲۹۱، منگولوں کی یلغار اور پھر بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے زوال کے اسباب کا جائزہ لیا ہے۔ مصنفہ نے مسلمانوں کے زوال کے جو اسباب گنوائے ہیں ان میں موروثی بادشاہت کا قیام، وراثت کے اصولوں کا تسلسل سے پروان نہ چڑھنا، فرقہ واریت، قبائلی عصبیت، ابہام پرستی، قنوطیت، مثبت تبدیلیوں اور علم سے گریز شامل ہیں۔

مصنفہ نے مسلمانوں کے دوسرے کے عروج کے دور کا جائزہ لیا ہے۔ مسلمانوں کے اس عروج وزوال کے اس دور میں یورپ میں تین انقلاب نشاۃ ثانیہ، صنعتی انقلاب اور انقلاب فرانس آئے جنھوں نے تاریخ کا رخ بدل دیا۔ مصنفہ نے ان تینوں انقلابات کا تسلسل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ اُنھوں نے ہندوستانی تاریخ کمپنی کے دور، برطانوی دور حکومت، مذہبی تحریکوں کے ارتقا اور علما کی سیاست کا جائزہ پیش کیا ہے۔ پھر تحریک خلافت اور تحریک خلافت میں ناکامی کے اسباب گنوائے ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں کے بے معنی ہو کر رہ جانے کے سبب حالات کے پیش نظر سرکار برطانیہ نے آئین اصلاحات کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان اصلاحات کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو حکومت کرنے کے اسلوب سکھائے جائیں۔ مگر ان اصلاحات میں مسلمانوں کا احترام نہ کیا گیا۔ مصنفہ نے اس دور کی آئینی اصلاحات کا تجزیہ پیش کیا ہے

اس کے بعد ہندوستان کی سیاست میں قائداعظم محمد علی جناح کی آمد اور اس کے بعد کے تاریخی سیاسی پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ مسلمانوں نے کانگرسی حکومتوں سے نجات پر قائداعظم کے زیر ہدایت یوم نجات منایا۔ اس دن سے ہندوستان کی سیاست میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

کتاب کا تیسرے باب ''تہذیبی قدروں کا زوال'' میں مصنفہ نے مسلمانوں کی تہذیبی قدروں کے زوال پر روشنی ڈالی ہے۔ اقبال کو اپنے دور کا سب سے بڑا مجتہد قرار دیتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے اسلام کو ریاست، سیاست، ثقافت اور ایک تہذیب کے

حوالے سے پہچانا اور مسلمانوں کی کوتاہی کے اسباب کا گہرا مطالعہ کر کے مستقبل میں رہنمائی کی ابتدا کی۔ اسلامی تہذیب کے ارتقا کے لیے اقبال سیاسی آزادی کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ اقبال نے اپنی نظم ''ساقی نامہ'' میں دنیا کی سیاسی وسماجی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے مگر وہ اس پر افسردہ ہیں کہ مسلمان پر یہ حقائق واضح نہیں ہوئے، وہ ابھی تک ماضی میں اُلجھا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ نوآبادیاتی دور کی زبوں حالی کو بھی ماضی کی شان وشوکت میں بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس راکھ کے ڈھیر میں تخلیقی روح کی چنگاری کی نوید بھی اقبال نے سنائی تا کہ مسلمان غلامی سے آزادی، بربریت سے تہذیب وتمدن اور منافقت سے محبت اور اخوت کی جانب زندگی کے نئے سفر کا آغاز کریں۔

مصنفہ کا کہنا ہے کہ جہالت کے زیر اثر ہم نے علمیت کے بارے میں ایک افادیت پسندانہ نظریہ قائم کر لیا ہے۔ علم کے حصول میں فکری اور فنی ترقی کے بجائے افادیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ علم کی افادیت اور اہمیت سے بے نیاز مسلمان نے تقدیر پرستی میں پناہ لی۔ برصغیر میں برطانوی دور میں ملائیت کو بہت فروغ ملا۔ اس دور میں ایک طرف طبعیاتی سائنس اور معاشرتی سائنسی علوم ہیں جن میں حصول علم، تجرباتی اور تجزیاتی طریقوں پر مبنی ہے۔ مذہبی تعلیم، منطقی، استقرائی اور تجزیاتی بنیادوں پر استوار نہیں ہوئی۔ مذہبی اصولوں کی صداقت کے لیے بھی تحقیقی اور تجزیاتی بنیادوں کی ضرورت ہوتی ہے اقبال نے مسلمانوں کی توجہ اس طرف دلانے کے لیے کبھی ملا کے مزاج، فرقہ بندی کے نقصان اور اتحاد کی برکت سے محرومی کے نتائج کے والے بہت کچھ لکھا۔ اسی طرح باقی پہلوؤں صداقت، شجاعت اور عدالت وغیرہ پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر پاکستانی قوم کے تہذیبی زوال کے اسباب ریاستی وجاگیرداری جبر اور ملائیت کے جبر کو قرار دیا گیا ہے۔

اقبال خودی کے تصور کے خالق ہیں۔ اپنی فہم وادراک کی بنا پر انھوں نے یہ پہچان لیا تھا کہ علم کی دولت سے محروم مسلمان اسلامی ثقافت کے محرکات سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا انھوں نے فرد کو اپنے انفرادی جوہر کو پہچاننے اور گمان کی کیفیت سے نکل کر ایمان کی کیفیت میں

داخل ہونے کی تلقین کی۔ مصنفہ ایک بہت اہم نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> پاکستان کی آزادی کے ساتھ لازم تھا کہ اقبال کے پیغام سے تعمیر خودی اور اخلاقی اقدار کے فروغ کے لیے فکری راہیں تلاش کی جاتیں مگر اقبال کو ہم نے ایسے مقام پر پہنچا دیا کہ یا تو اسے رحمتہ اللہ کے لقب سے نواز کر اتنی عزت کی جائے کہ اسے تنقیدی اور تجزیاتی حوالے سے پڑھنا ناممکن ہو جائے یا اسے فلاسفر یا صوفی کہہ کر یہ ثابت کیا جائے کہ آج کے دور میں اس کی فکری اساس ہمارے لیے موزوں نہیں ہیں۔۵

اقبال برصغیر کے واحد مفکر ہیں کہ جنھوں نے یورپی عروج کے اسباب گنوائے ہوئے مسلمانوں پر ان کے منفی اثرات کو بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ مغربی تہذیب بھی زوال پذیر ہے۔ مصنفہ کہتی ہیں کہ اسلامی تہذیب مر رہی ہے۔ مسلمان کا سب سے بڑا امتحان یہ ہے کہ کیا وہ اس دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے تہذیبی ارتقا کو پھر سے استوار کر سکے گا یا پھر نوآبادیاتی دور کے گرداب میں محفوظ رہتے ہوئے تہذیبی اکائی طور پر ختم ہو جائے گی۔

کتاب کا چوتھا باب ''صنعتی انقلاب اور مسلمان'' میں اقبال کے منظوم کلام اور نثر کے مطالعے کے حوالے سے مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال نے کم از کم مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی کی تین حقیقتوں کا اندازہ لگا لیا تھا اولاً یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام مسلمانوں کے مسائل کا حل نہیں۔ اقبال نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی بدحالی سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار تھی۔ لہٰذا ان کی مشکلات کا حل اس نظام میں ممکن نہیں۔ دوسری حقیقت یہ تھی کہ ہندو سرمایہ دارانہ نظام میں انگریز کا ساتھی تھا اور اسے ہندوستان میں صنعت کاری اور تجارت پر کافی کنٹرول حاصل تھا۔ مسلمانوں کا پیشہ ابھی کاشتکاری تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد دنیا میں زراعت کے میدان میں بھی ترقی ہوئی مگر جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے کاشتکاروں کی حالت وہی تھی جو سکندر اعظم کے حملے کے وقت تھی۔ اقبال نے اس پسماندگی کی تصویر کشی بڑی دلسوزی سے کی ہے۔ وہ اس افلاس سے نجات کا پہلا قدم نوآبادتی نظام سے حصول کو قرار دیتے تھے گو انھیں اقتصادی نظام پیش کرنے کا موقع نہ ملا تاہم ان کی تحریروں میں ایک بہترین اقتصادی نظام کا خاکہ

ضرور ملتا ہے۔

تیسری حقیقت یہ تھی کہ مسلمان صنعتی انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے افکار و عوامل سے بالکل بیگانہ تھے۔ اقبال نے ذہنی غلامی کے خلاف مسلسل جہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اپنے پہلے لیکچر علم اور مذہبی تجربہ میں مفصل بحث کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ علم اور تجربے کے بغیر معاشرتی تبدیلی ناممکن ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک آفاقی اصول ہے کہ اگر کسی قوم کے افراد آزادیٔ فکر کے لائق نہیں تو وہ اپنی ثقافت کی تعمیر کے لائق بھی نہیں ہوتے۔

صنعتی انقلاب کے حوالے سے مصنفہ لکھتی ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ نوآبادیات کی دولت کو لوٹنے والی یورپی قومیں دولتمند ہو گئیں۔ یورپی اقوام کے مابین خام مال اور منڈیوں کے حصول کی کشمکش تیز ہو گئی۔ سب سے بڑی نوآبادیاتی سلطنت کا مالک برطانیہ تھا۔ یورپی بین الاقوامی مخاصمت پہلی جنگ عظیم کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ ۱۹۱۴ء میں شروع ہونے والی اس جنگ میں روس کی پے در پے شکستوں نے روسی شہنشاہیت کی بنیادیں ہلا دیں اور پھر ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب کامیاب ہو گیا جو ایک نئے دور کا آغاز تھا۔

پانچویں باب ''اشتراکی انقلاب اور مسلمان'' میں مصنفہ نظریہ اشتراکیت اور اس کی بنیادی کلید فاضل قدر اور تاریخ کی تشریح کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ سرمایہ داری نے اشتراکیت پر باقاعدہ نظر ثانی اور تجرباتی شورش شروع کر دی۔ ۱۹۴۹ء میں جب چین میں بھی اشتراکی انقلاب کامیاب ہوا تو دنیا کے بہت سے ممالک میں اشتراکیت کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا۔ مغرب نے اپنے نوآبادیاتی نظام کی تقویم کے لیے چار عوامل مذہب کا احیا، معاشرے میں بورژوا طبقے کی سرپرستی، نوآبادیاتی دور کے اداروں کی سرپرستی اور عوامی قوت کے شعور کی تذلیل کا متواتر دھیان رکھا جس کی مدد سے آج بھی یہ نظام قائم ہے۔

اقبال اشتراکیت کے عروج کے ساتھ یہ پہچان چکے تھے کہ اس کا سرمایہ دارانہ نظام سے ٹکراؤ لازمی ہے۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر مسلمان اس مخاصمت کی کشمکش سے آزاد ہو جائیں تو

ان کے لیے یہ سنہری موقع ہوگا کہ وہ اپنے معاشرتی نظام کو ترقی کرنے والی قوتوں کی مدد سے از سر نو تعمیر کر سکیں اسی سوچ کے تحت انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک آزاد ریاست کے قیام کا مشورہ دیا۔

اقبال نے اشتراکیت کی یہ حیثیت پہچانی کہ تین اعتبار سے اشتراکی فلسفہ انسانیت کے مرتبے کو سنوارتا ہے یعنی ملوکیت کا خاتمہ، انسانیت کی جاگیرداری اور سرمایہ داری دونوں سے معاشی آزادی کا حصول اور تیسرے رنگ ونسل کے امتیاز سے انسانیت کی تقسیم وتذلیل کی مخالفت۔ مصنفہ کسان کی آزادی کو پاکستانی معاشرے کی ترقی وارتقا کی جانب پہلا قدم قرار دیتی ہیں۔ اقبال کا پیغام یہ تھا کہ مسلمان اشتراکیت سے اسلام سے مطابقت رکھنے والے افکار کو چن لیں اس میں مسلمانوں کے لیے موقع ہے کہ وہ اپنی تہذیب کی بقا اور ترقی کی راہ کے حصول میں کامیاب ہو جائے۔ مصنفہ عالمی تناظر میں مسلمان قوم کا جائزہ لیتے ہوئے اسے ترقی یافتہ قوموں کے زیر بار اور ان کے معاشی، معاشرتی اور تخلیقی ترقیات کی جادوگری میں محصور قرار دیتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اقبال کے افکار سے مدد لی جائے تو پھر شاید ممکن ہے کہ تخلیق کار اقلیت یعنی مسلمان قوم از خود مربوط ہو کر مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ مگر پھر وہ مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جب پاکستان کے مسلمانوں نے اقبال کی فکر سے فیضیاب ہونے کی کوشش نہیں کی تو عرب و عجم کی دوسری مسلمان قومیں کیونکر اس حلقے میں آ سکتی ہیں کہ اقبال کی فکر سے مانوس ہونے کی کوشش کریں۔

کتاب کے چھٹے باب ''نظریہ ریاست'' میں نظریۂ ریاست اور پھر دوقومی نظریے پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنفہ نے اس باب میں یہ جائزہ لیا ہے کہ خودی کی تعلیم اقبال کے نظریہ ریاست کے لیے کہاں تک ضروری ہے۔ خودی کی تعمیر فرد کے کردار کی مضبوطی سے زیادہ ملت کے لیے بنیادی ستون مہیا کرتی ہے۔ خودی کے ارتقا میں مسلمان قوم کی انفرادیت جھلکتی ہے جو دوقومی نظریے کی بنیاد بن جاتی ہے لہٰذا ملت اور ریاست کی اتحاد

تعمیر اور ارتقا خودی کی استواری میں پنہاں ہے۔ پھر قومیت کی بنیاد وطنیت یا ایمان پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اقبال کے خیال میں وطنیت مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اقبال کا کہنا ہے:

> میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب کہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریے کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کا پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔ [۶]

اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک خودمختار، جدید، اسلامی، قومی ریاست کے خدوخال واضح کر دیے تھے۔ مسلمانوں کی اس ریاست کے نظریے کی بنیاد اور ارتقا کی جنگ انھوں نے اکیلے ہی لڑی۔ جیسے جیسے ہندوستان کی سیاست مختلف رجحانات پیش کرتی رہی، اقبال اس پر تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے متحد رہنے اور اپنا منفرد سیاسی پلان بنانے کی ترغیب دیتے رہے۔ یہ منفرد پروگرام ایک مسلم ریاست کی تعمیر میں مضمر تھا۔ مسلمانوں کو اس نظریے کی ترتیب بہت دیر کے بعد سمجھ میں آئی۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں سے انقلابی روش اختیار کرنے کی امید رکھتے تھے مگر ان کی وفات تک اس پر عمل نہ ہو سکا ان حالات میں اقبال جناح کی رہبری سے پر امید تھے کہ وہ مسلمانوں کی ڈولتی کشتی کو ان کی منزل مقصود تک پہنچا دیں گے۔

ساتویں باب ''تعمیر پاکستان'' میں مصنفہ نے نئی نوجوان نسل کو پاکستان بننے سے قبل ہندوستان کے سیاسی نقشے اور تعمیر پاکستان کے لیے کی گئی کوششوں سے آگاہ کیا ہے اور پھر قرارداد لاہور کا متن بھی دیا گیا ہے۔ مصنفہ نے یہ بتایا ہے کہ پاکستان کی ایک دو خطوں پر مشتمل ریاست کا انعقاد حقیقت کے بہت قریب تھا مگر مسلمان حسب عادت مجلسوں میں فیصلے کرنے کے بعد ان پر عمل کرنے میں سست روی کے عادی تھے تعمیر پاکستان کے حوالے سے

۱۹۴۷ء کے بعد فکری اور عملی سست روی کی وجہ سے پاکستان کو وہ ریاستی حدود نہیں مل سکیں جو اس خطے کی تاریخ اور جغرافیے کا تقاضا تھیں۔

انگلستان نو آبادیات کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھا لہٰذا یہی فیصلہ کیا گیا کہ نئے انتخابات کروائے جائیں اور اس کے نتیجے میں جو صورتحال پیدا ہو اس کے مطابق ہندوستان کے لیے ایک متفقہ آئین بنانے کی کوشش کی جائے۔ پھر مصنفہ نے تعمیر پاکستان کے سلسلے میں پیش آنیوالی مشکلات اور صوبوں کی تقسیم اور انتخاب کے حوالے سے تفصیلات فراہم کی ہیں۔ پھر آزادی کے حصول کے فوراً بعد کے مسائل اور مصائب کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

مصنفہ آخر میں پاکستانی قوم کا تجزیہ پیش کرتی ہیں کہ ہماری قوم نے آزادی کے حصول کے بعد حکومت پر قابض ہونے اور کرپشن میں ملوث ہونے کو اپنا مقصد حیات بنا لیا اور قائداعظم کے ارشادات کو فراموش کر دیا۔ ہماری قوم نے ایک ایسی راہ اختیار کی ہے جو ہمیں آزادی سے واپس نو آبادیاتی نظام واقتدار کی طرف لے جا رہی ہے۔

کتاب کا آٹھویں باب ''ٹیکنیکی دور کی سیاست' میں مصنفہ نے ترقی یافتہ قوموں کی برتری اور ترقی کا راز جدید ٹیکنالوجی کی قوت میں پنہاں قرار دیا ہے۔ مغربی سرمایہ دار اور ترقی یافتہ قوتوں نے غریب، پسماندہ اور ترقی پذیر اقوام کو دو طریقوں ٹیکنالوجی کی برتری قائم رکھتے ہوئے اور قوت ادراک کی محدودیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے زیر دام رکھا۔ ٹیکنالوجی اور قوت کے ذخائر کے اعتبار سے امریکہ اور روس کا موازنہ کیا گیا ہے جو کہ ترقی پذیر ممالک کی بے بسی کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے۔ معدنی تیل کے بحران کے حوالے سے تفصیلات دی گئی ہیں۔ جب نو آبادیاتی علاقوں میں آزادی کی تحریکوں کے نتیجے میں اس علاقے میں بھی قومی ریاستیں بننے لگیں تو ان کی آزادی پر کنٹرول کی ضرورت شدت اختیار کر گئی۔ اس ضرورت کو سب سے پہلے برطانیہ نے محسوس کیا۔ برطانوی سیاسی اکابرین کا تجزیہ تھا کہ مشرق وسطیٰ کی ریاستوں کو اپنے دائرۂ اختیار میں رکھنے کے لیے ایک ایسی طاقت کی ضرورت ہے جو ٹیکنالوجی اور سیاسی ترقی کی وجہ سے مسلمان ترقی پذیر ممالک پر حاوی ہو۔ یہ

طاقت اسرائیل کی ریاست کے قیام کی شکل میں سامنے آئی اور اس کا قیام ایک نئے نو آبادیاتی دور کا آغاز ثابت ہوا۔ اسرائیل کے قیام کو مسلمانوں نے ایک دھوکے سے تعبیر کیا اور اقبال نے بھی اسے نو آبادیاتی دور کی طوالت کی کڑی سمجھا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ تو سپر پاور کی حیثیت سے ختم ہو گیا مگر امریکہ نے اسرائیل کی اعانت کے پردے میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ مشرق وسطیٰ کی سیاست اور معیشت دونوں بین الاقوامی سرمایہ داری نظام کے شکنجے میں ہیں۔ البتہ مشرق وسطیٰ کے تین ممالک ترکی، مصر اور پاکستان ایسے ہیں کہ جن کی آبادی زیادہ ہے اور کسی حد تک معاشی اور عسکری تربیت سے بھی واقف ہیں۔

مصنفہ اس دور کی قوت کے اعتبار سے دیکھتے ہوئے صیہونی قوت کی فکری اور تنظیمی اداروں کی مدد سے یورپ اور امریکہ کی دولت، پریس اور تعلیمی اداروں میں تعلیم و تحقیق پر بھی ان کی اجارہ داری قرار دیتی ہیں۔ وہ نئی صدی کو معاشی تقابلیت کا دور قرار دیتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ ٹیکنالوجی میں برتری کے ساتھ معاشی فیصلوں پر کنٹرول بھی سرمایہ دار ممالک کے لیے ایک اہم طریقہ کار ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے امریکہ تجارت کے کنٹرول پر حاوی ہے۔

مصنفہ ضروری قرار دیتی ہیں کہ غریب اور پسماندہ اقوام نئے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی پیچیدہ ترکیبوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اگر آزادی عزیز ہے تو اس دور کے اقتصادی تقاضوں کو سمجھنے اور سرمایہ دارانہ نظام میں اپنی بقا کی تدابیر پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

کتاب کے نویں باب ''عصری مسائل'' میں پاکستان کے کل نو مسائل بیان کیے ہیں ان کا خیال ہے کہ اس دور کے حالات کا صحیح تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ان مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے جو اس وقت پاکستانی قوم کو درپیش ہیں۔

مصنفہ نے پاکستان کو درپیش جن نو مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے ان میں سے آٹھ

مسائل سیاسی ، معاشرتی اور عسکری نوعیت کے ہیں۔ ان میں ہیشلوم ، جمہوریت ، اچھی حکومت، اسلامیانے کا مسلک، معاشی ترقی، گلوبیت، تہذیبوں کا تصادم اور پاکستان کا تحفظ شامل ہیں۔نواں مسئلہ عورت کے مقام کے بارے میں ہے جو کہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔

مصنفہ پاکستان کے تحفظ کے لیے پاکستان کے ارباب اختیار کے ۔لیے لازمی قرار دیتی ہیں کہ وہ عوام کے ساتھ بُعد کم کر کے قومی اور بین الاقوامی حکمت عملی تیار کریں اور ہر لحہ اس میں حالات کے مطابق موزوں تبدیلی کرنے کی اہمیت کو اجاگر کریں کیونکہ پاکستان دو توسیع پسند عسکری قوت کی حامل ریاستوں اسرائیل اور بھارت میں گھرا ہوا ہے۔

عورت کے مقام کا مسئلہ معاشرتی مسئلہ ہے مگر اپنی نوعیت کے اعتبار سے کسی طور دوسرے مسائل سے کم نہیں ہے۔ پاکستانی معاشرے میں عورت کا مقام اس لیے متنازع فیہ مسئلہ ہے کہ ارباب اختیار اسے دو مختلف نقطہ نظر یعنی اسلامی اور ثقافتی یا روایتی حوالوں سے دیکھتے ہیں۔مصنفہ نے پاکستانی عورت کو درپیش مسائل و مشکلات کی طرف اشارے کیے ہیں جو معاشرتی اور قانونی انصاف کے متقاضی ہیں۔ساتھ ہی پاکستانی معاشرے میں عورت کے مقام کے تعین اور معاشرے میں مثبت تبدیلی کے رجحان کی پیدائش کے چند اسباب بھی گنوائے ہیں۔ان میں معاشی ترقی، تعلیم اور اسلامی قانون سازی کے عمل کی تیزی نمایاں ہیں۔ثقافتی طور پر دیکھا جائے تو پاکستان میں عورت کے مسائل آج بھی روایات کے مطابق حل کیے جاتے ہیں اور قانون عورت کی کوئی مدد نہیں کرتا۔جدیدیت نے آج کی پارلیمنٹ میں عورتوں کو ایک موثر سیاسی مقام دے دیا ہے۔مصنفہ اس ضمن میں سوال اٹھاتی ہیں کہ کیا مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں ممبر خواتین جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت کے قوانین کو تبدیل کروانے کی کوشش کریں گی اور کیا وہ نئے معاشرے کی تعمیر میں عورت کی حرمت استوار کروانے میں معاشی اور ثقافتی اقدار میں تبدیلی لا سکیں گی؟ یہ ان کے اور عورت کے مستقبل کی تعمیر کے لیے نہایت اہم فکری زاویے ہیں۔

دسواں باب اجتہاد کی اہمیت کے بارے میں ہے۔مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اجتہاد کو خیر

باد کہنے کے نتیجے میں سب سے پہلے مسلمانوں میں مثبت عمل کی کمی آئی اور پھر فکری انتشار نے مسلمانوں کی فراست کو نقصان پہنچایا اور مسلمان اجتماعی فکر و عمل سے دور ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے زوال اور مغربی تہذیب کے عروج نے ساتھ ساتھ تکمیل کے مدارج طے کیے ہیں چونکہ زوال کی بنیاد اجتہاد ہے لہٰذا مصنفہ نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے کہ مسلمانوں نے اجتہاد سے منہ کیوں موڑا۔

مصنفہ بتاتی ہیں کہ ابھی ہمارے علما اور دانشوروں میں یہ حوصلہ پیدا نہیں ہو سکا کہ اسلام کی موجودہ فکری اساس کا تنقیدی جائزہ لے سکیں مگر اجتہاد کے لیے اس تعلیم و تربیت کی ضرورت وقت کا اہم تقاضا ہے۔ پاکستان کے سیاسی رہنماؤں نے ترکی اور مصر کی طرح اپنے فکری رہنماؤں کے تدبر سے فائدہ نہیں اٹھایا، چنانچہ سیاسی استحکام کی منزل تک نہیں پہنچ سکے۔

گیارہویں باب ''نظام تعلیم'' میں مصنفہ نے پاکستان کے نظام تعلیم کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔یہ جائزہ اقبال کے نظام تعلیم کی روشنی میں پاکستان میں رائج نظام تعلیم کا جائزہ ہے۔

مصنفہ پاکستان میں رائج نظام تعلیم کی کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے تعلیم کے عمل کے مختلف مراحل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ پہلا مرحلہ آزادیٔ فکر ہے۔اقبال یقین رکھتے ہیں کہ انفرادیت کی نشوونما انسان کے خفتہ جوہر کو تخلیق کا حسن بخشتی ہے۔اس آزادیٔ فکر کا مطلب بے راہروی نہیں بلکہ ایسی آزادی ہے جو فہم و فراست کے لیے انتخاب کا دائرہ وسیع کرتی ہے۔اس کے بعد تحقیق، تخلیق، ماحول، عرفان، سائنس، اساتذہ، تعلیمی قطبین، نظریہ پاکستان، ریاست اور نظام تعلیم کا بیان اور ان کے حوالے سے درپیش چند مسائل اٹھائے گئے ہیں۔

کتاب کا بارہویں اور آخری باب ''جادۂ منزل'' میں عالمی تناظر کے حوالے سے مصنفہ تمام عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کو اقبال کے افکار کی اشد ضرورت پر زور دیتی ہیں۔ مصنفہ نے مسلمانوں کے مستقبل کی تعمیر کے لیے اقبال کے پانچ فکری

دائروں خودی کی سرفرازی، تحصیل علم، جدید ریاست کا قیام، ثقافتی مستعاریت اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کی باری باری وضاحت کی ہے۔

مصنفہ کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے لیے بس ایک ہی راہ ہے کہ وہ اقبال کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اتحاد امت کی راہ استوار کرلیں۔ اس ضمن میں وہ یورپی یونین کی مثال دیتے ہوئے سوال کرتی ہیں کہ کیا پاکستان اس مقصد کی برآوری کا آغاز کرنے کی جرأت کرے گا۔

مصنفہ نے اقبال کے اشعار کی مدد سے پاکستان کو درپیش عصری مسائل کا جائزہ اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے اقبال کو عصری مسائل کے حوالے سے پیش کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں اس دور کا مفکر بھی اقبال ہی ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بالعموم اور پاک و ہند کے مسلمانوں کے بارے میں بالخصوص اپنی خداداد ذہانت اور گہرے مطالعے کی مدد سے منفرد نظریات ترتیب دیے جو پانچ سو سال کی غلامی سے نجات اور مستقبل میں مسلمانوں کے ارتقا کی بنیاد بن سکتے تھے۔

اقبال کے خواب کی معمولی سی تعبیر جو ہم اب تک حاصل کر پائے ہیں وہ پاکستان کے قیام کی ہے۔ ابھی اقبال کا مکمل خواب پورا نہیں ہوا۔ وہ پرانی نسل سے مایوس ہو کر خود کو نئی نسل اور مستقبل کا شاعر کہتے تھے۔ ان کے کلام میں مایوسی اور ناامیدی نہیں ملتی۔ لہٰذا ان کے افکار کی روشنی میں ہمیں پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لیے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہر لحظہ کوشاں رہنا ہوگا۔ یہ ایک فکر انگیز تصنیف ہے۔

تضمیناتِ اقبال ؒ

مصنفہ نے اس مقالے کو اقبال کے صرف اُردو کلام تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کے سارے فارسی کلام کو بھی پیش نظر رکھ کر ایک جامع جائزہ مرتب کیا ہے۔ مصنفہ نے فن تضمین کی تعریفوں اور ان کی تنقیحات سے لے کر اس کی اقسام اور اس کی ضرورت و اہمیت پر عمدہ بحث کی ہے۔ اقبال کی تضمینات پر بحث کرتے ہوئے بھرپور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اقبال تضمینات کے باب میں بھی مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ تضمین کی مدد سے نئے معنوی

ابعاد اور نئی فکری جہات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مصنفہ کا اسلوب تشریحی و توضیحی ہے اور انھوں نے تفہیم شعر کی کئی سطحوں کو اجاگر کیا ہے۔

مصنفہ نے اقبال کے تضمین کردہ اشعار کو من و عن قبول نہیں کیا بلکہ انھیں اصل متون میں ڈھونڈا اور ان کا تقابل کیا ہے۔ متعدد ایسے تضمین کردہ اشعار بھی تھے جو متداول دواوین میں نہ ملے لہٰذا انھوں نے تذکروں اور بیاضوں کی مدد سے متعدد تضمین شدہ شعروں کو ڈھونڈ نکالا اور ان کے تخلیق کرنے والوں کی نشاندہی کی۔ کئی اشعار ایسے بھی ملے جو اقبال کے ہاں متصرف صورتوں میں تھے۔ اکثر جگہ احساس ہوتا ہے کہ اقبال نے ان میں جزوی تصرف کر کے انھیں معاصر صورتحال سے اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ تضمین شدہ شعر نئی صورتحال سے کاملاً ہم آہنگ ہو گیا ہے اور نتیجتاً فکر و خیال کے کئی گوشے منور ہو گئے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں کچھ ماہرینِ اقبال کے اس تصنیف کے بارے میں تاثرات بھی درج کیے گئے ہیں۔ ان ماہرینِ اقبال میں خواجہ محمد زکریا، خورشید رضوی اور سید محمد اکرم اکرام کی آرا شامل ہیں۔ خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں کہ مصنفہ نے:

> اپنے مقالے میں بنیادی مآخذ کی مدد سے پہلے تضمین کے فن کی خصوصیات کو واضح کیا۔ پھر اقبال کے اُردو اور فارسی کلام سے جملہ تضمینات کو بڑی کاوش سے یکجا کیا اور مختلف زمرات میں تقسیم کر کے دقتِ نظر سے مطالعے کے نتائج کو بڑے واضح انداز میں تحریر کیا۔ بصیرہ عنبرین کی یہ تحقیقی و تنقیدی تصنیف بلاشبہ اقبالیات کے ذخیرے میں ایک اچھا اضافہ قرار پائے گی۔ ۸

تضمین کا فن بہت اہم ہے کیونکہ یہ ذہنوں اور زمانوں کے امتزاج کا مظہر ہے اور تکرار میں تنوع کا آئینہ دار ہے۔ اقبال کی تضمینات اس اعتبار سے اور بھی اہم ہیں کہ ایک طرف تو وہ اقبال کی وسعت مطالعہ اور کاوش انتخاب کا پتا دیتے ہوئے ان کے دل و دماغ کے عقبی دیار سے روشناس کراتی ہیں اور دوسری طرف اقبال کے تخلیقی لمس سے خود تضمین دمک اٹھتی ہے اور بسا اوقات کسی پرانے سکے کا یکسر اچھوتا رخ دکھا دیتی ہے۔ خورشید رضوی اس تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

بصیرہ عنبرین نے زیرِ نظر تصنیف میں خود فنِ تضمین، اس کے لغوی و اصطلاحی پس منظر، انواع و اشکال اور اسالیب و روایات کا عمومی جائزہ لینے کے بعد خاص اقبال کی تضمینات کے حوالے سے نہایت قابلِ قدر کام کیا ہے اور حتی الامکان کلامِ اقبال (اُردو/ فارسی) میں تضمین کیے گئے تمام اشعار اور مصرعوں کی اصل صورت اور اصل شعرا کی نشاندہی کر کے میدانِ تحقیق میں ایک مفید خدمت انجام دی ہے۔ [۹]

خورشید رضوی کے نزدیک یہ علمی اور تحقیقی کاوش محض اعداد و شمار کا مجموعہ نہیں بلکہ تجزیاتی و فکری سطح پر بھی مصنفہ کی بالغ نظری کی غماز ہے۔ انھوں نے تضمینات اقبال کو صرف اصل سے پیوست نہیں کیا بلکہ اقبال کے ہاں عمل تضمین کے نفسیاتی محرکات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بجا طور پر یہ واضح کیا ہے کہ اقبال کی تضمینات میں ان کا تنقیدی شعور بھی شامل ہے گو انھوں نے تضمین کے لیے معروف و غیر معروف کی قید نہیں لگائی تاہم ہر کس و ناکس کے اشعار اپنے کلام میں پیوند نہیں کیے اور صرف ان شعروں کو تضمین کے لیے چنا جو ان کے نظریۂ شعر سے مطابقت رکھتے تھے۔

اقبال کے فکر و فن پر اگرچہ خاصا کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے لیکن ابھی بھی ان کے کلام کی متعدد جہتیں ایسی ہیں کہ جن پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ انھی موضوعات میں سے ایک غیر معروف موضوع تضمینات اقبال ہے۔

فارسی ادب کے متعلق اقبال کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ انھوں نے معروف اور غیر معروف شعرا کے فارسی دواوین سے اپنے اعلیٰ ذوق کے مطابق بعض اشعار انتخاب کیے اور انھیں اپنے اُردو اور فارسی کلام میں غیر معمولی مہارت کے ساتھ تضمین کیا جس کی مثال شعر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انھوں نے ان اشعار کو نئے نئے معانی عطا کیے اور ان کی روشنی میں بہت سے عصری حقائق کو واضح کیا۔ عظمتِ رفتہ کی بازیابی اور کھوئے ہوؤں کی جستجو ان کا ایک اہم مقصد رہا۔ چنانچہ انھوں نے جہاں شعرائے متقدمین کے اشعار تضمین کر کے اپنے نظریات کو مستحکم کیا وہاں ان اشعار سے عظیم شعرا کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو بھی

متعارف کرایا تاکہ نئی نوجوان نسل ان سے آگاہ ہو اور قومی روایات کا تسلسل برقرار رہے۔ اقبال نے اُردو کلام میں فارسی اشعار کی تضمین سے فارسی زبان و ادب کے احیا اور استحکام کی بھی کوشش کی اور یوں اُردو زبان کا ادبی اور فنی مرتبہ بلند کیا۔

یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل ''فنِ تضمین'' میں مصنفہ نے فنِ تضمین کے تعارف اور اس کے محرکات کی وضاحت نہایت تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تضمین کے فن کی اقسام اور اشکال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے مصنفہ لکھتی ہیں:

اگرچہ تضمین کو بعض صورتوں میں معیوب بھی خیال کیا گیا مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فنِ تضمین کے مناسب، موثر اور برمحل استعمال سے کلام صوری و معنوی ہر دو حوالے سے بلند ہو جاتا ہے بلکہ تضمین کا فن اس اعتبار سے بے مثال فن ہے کہ یہ دو زمانوں اور دو کیفیات کو ملا دیتا ہے۔ [۱۰]

باب کے آخر میں حواشی و حوالہ جات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

باب دوم میں مصنفہ نے اقبال کے اُردو کلام کی تضمینات کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ اگرچہ اُردو شاعری میں اقبال سے قبل تضمین نگاری کی روایت موجود تھی مگر اقبال نے اسے نیا، متنوع اور مستحکم انداز بخشا۔ اقبال نے فارسی زبان کے انحطاط کے دور میں اسے نئی تازگی اور روئیدگی بخشی۔ ان کے ہاں زیادہ تر تضامین بھی شعرائے فارسی کے کلام پر ہیں جو ان کی فارسی شعر و ادب سے والہانہ شفتگی کا ثبوت بھی ہیں اور ان کے عمیق اور وسیع مطالعے کی دلیل بھی ہیں۔ مصنفہ اقبال کے اُردو کلام کی تضمینات کی گوناگوں خصوصیات کے پیشِ نظر انھیں وسعتِ علم اور نکتہ آفرینی کی عمدہ مثالیں قرار دیتی ہیں۔ اس باب کے آخر میں حواشی و حوالہ جات کا اہتمام کیا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا اور آخری باب ''علامہ اقبال کے فارسی کلام کی تضمینات'' ہے اور آخر میں حواشی و حوالہ جات درج ہیں۔

اقبال نے اُردو کلام کے علاوہ فارسی کلام میں بھی بعض مقامات پر خود اپنے کلام کو تضمین

کر کے وسعت معنوی کا اہتمام کیا ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے اقبال کے فارسی کلام کی تضمینات کا جائزہ پیش کیا ہے۔

مصنفہ کے کلام اقبال کے فارسی جائزہ سے ایک اور بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ اقبال نے فارسی شعر کے مختلف سبکوں سے تعلق رکھنے والے شعرا مثلاً ''سبکِ خراسانی'' (منوچہری، ناصر خسرو اور عطار وغیرہ)''، ''سبکِ عراقی'' (رومی، عراقی، سعدی، امیر خسرو، بوعلی قلندر، محمود شبستری، حافظ شیرازی اور جامی)، ''سبکِ ہندی'' (عرفی، نظیری، غنی کاشمیری اور غالب) اور لطف اللہ بیگ آزر اور قرۃ العین طاہرہ کے اشعار پر بھی تضمین کیں تاہم ان کی برتری یہ ہے کہ وہ کسی خاص ''سبک'' میں جذب نہ ہوئے۔ اُن کا اپنا ایک منفرد انداز بیان ہے جسے ''سبکِ اقبال'' کا نام دیا گیا ہے۔ بلاشبہ اقبال کی یہ تضمینات ان کے اس منفرد انداز بیان کی آئینہ دار اور ان کی ذہانت، وسعت مطالعہ اور قدرت کلام پر دلالت کرتی ہیں۔ کتاب کا آخری حصہ کتابیات اُردو و فارسی، لغات اور رسائل جن سے اس کے لکھنے میں مدد لی گئی، پر مشتمل ہے۔

یہ کاوش اقبال شناسی کے میدان میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ مصنفہ نے اقبال شناسی کے حوالہ سے ایک بالکل مختلف اور غیر معروف موضوع پر نہایت عمدگی کے ساتھ کام کیا۔ اس موضوع پر مصنفہ سے قبل سوائے چند مضامین کے باقاعدہ کوئی تحقیقی و تنقیدی نوعیت کا کام نہیں ہوا تھا۔

اقبال کا شعری و فکری مطالعہ [11]

اقبالیات پر علمی اور فکری سطح پر لکھنے والی خواتین میں پروفیسر شاہدہ یوسف کا اضافہ اقبال کی شاعری، فلسفے اور مختلف سیاسی تصورات کے حوالے سے نہایت قابل تعریف ہے۔ اس کتاب میں مصنفہ کے مندرجہ ذیل گیارہ مضامین شامل ہیں۔ ''اقبال کی شاعری کی صوتی فضا''، ''جدید علوم کی اسلامائزیشن فکرِ اقبال کے تناظر میں''، ''اقبال کی شخصیت کی ایک اہم کلید''، ''اقبال کا انٹرنیشنل میرٹ''، ''ادب میں انحطاطی رویوں کے خلاف اقبال کا

اجتہاد''، ''آزادیٔ کشمیر کے سلسلے میں اقبال کا جہاد''، ''اقبال کے فلسفہ تمدن کے جوہری عناصر''، ''اقبال کا ذوقِ محاربت''، ''گاہ بحیلہ می برد گاہ بزور می کشد''، ''عصر حاضر میں اقبال کے خطبہ ششم کی اطلاقیت'' اور ''مثالی معاشرے کے قیام میں اقبال کے تصورِ ملکیت زمین کی اہمیت'' ہیں۔

مصنفہ اپنے مضمون ''اقبال کی شاعری کی صوتی فضا'' میں بیان کرتی ہیں کہ ان کی شاعری کی فضا میں انسان کے ذوقِ ارتقا کا جوش و خروش، اصوات و الفاظ کا زیر و بم، قوافی ردیف کی موسیقیت اور غنائیت، اسلوب و آہنگ کا معجزانہ بہاؤ اور آہنگ میں حجازی اور اسلامی روایات تکمیل پذیر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ ان کی شاعری کی صوتی فضا صرف غنایت، موسیقی اور نغمہ و آہنگ کے کوائف ہی اپنے اندر نہیں رکھتی بلکہ ایک زوال یافتہ قوم کے ایوانوں میں سورہ اسرافیل کی طرح گونج رہی ہے۔ اسلامی تاریخ کے جد و جہد ارتقا کا ہر مرحلہ، نفس انسانی کے سارے بھید، عہد گزشتہ اور آیندہ عہد کی گہری معنویت کا احساس اور تہذیب و ثقافت کا ہر رخ مظاہر فطرت کی ہر جہت اس فضا کو وقیع اور معتبر بناتی ہے۔

اپنے مضمون ''اقبال کی شخصیت کی ایک اہم کلید'' میں مصنفہ شذراتِ فکرِ اقبال کو اقبال کی ذہنی و قلبی واردات اور ان کے تفکر کے انوکھے پہلو کی یادگار قرار دیتی ہیں۔ ان کے نزدیک اقبال کی شخصیت کی تفہیم اور شرح و وضاحت میں جس طرح ان کی شعری و نثری تصانیف یا ان کے مکاتیب و مقالات محققین کو ایک فکری اساس فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح شذراتِ فکرِ اقبال کے نام سے مرتب کی جانے والی یادداشتیں اقبالیاتی ادب میں ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ اقبال کی شخصیت کے چند ایسے زاویوں کو سامنے لاتی ہیں جو اس سے پہلے یا مابعد کے ادوار میں اس انداز سے سامنے نہیں آئے۔

''اقبال کا انٹرنیشنل میرٹ'' میں مصنفہ اقبال کے شعری وجدان کی جامعیت، اسالیب اظہار اور شعور و تخلیق کے تنوع اور طرز ادا کی طرفگی پر گرفت کو عالمی ادب کے صف اول کے مشاہیر میں ان کے مقام و مرتبے کے تعین کی دلیل قرار دیا ہے۔

''ادب میں انحطاطی رویوں کے خلاف اقبال کا اجتہاد'' میں مصنفہ اقبال کو ان کے آفاقی تصورات اور زندگی اور اس کے خمیر سے اٹھنے والی صداقتوں کی وجہ سے کسی ایک صدی یا کسی ایک زمانے کا شاعر نہیں سمجھتیں بلکہ کہتی ہیں کہ ان کی شاعری کی ہر موج سے انسان کے اجتماعی لاشعور کی صداقتیں بے نقاب ہوتی ہیں۔ انھوں نے اپنے تصورات ادب وفن سے اپنے تصورات خودی و بے خودی کو اس طرح ہم رشتہ کر دیا ہے کہ ان پر بنی نوع انسان کے ایک خلاق تمدن کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

اقبال کے تصورات خودی و بے خودی میں تخلیقیت اور اس کی اساس قرآنی حکمت وبصیرت ہے۔

'' آزادی کشمیر کے سلسلے میں اقبال کا فکری جہاد'' میں مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ کشمیر کی تحریک آزادی میں اقبال نے اپنی ناقدانہ بصیرت، حکمت عملی اور کشمیری مسلمانوں کی حالت زار پر دردمندی کے ذریعے مسلمانوں کو ایک نئی آگہی اور نیا شعور بخشا۔ اقبال کی اس ضمن میں خدمات کو اس باب میں سراہا گیا ہے۔

مضمون ''اقبال کے فلسفہ تمدن کے جوہری عناصر'' میں مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال نے اپنے مذہبی تدبر وفکر سے اسلامی تمدن کے مسخ شدہ خدوخال کی تنقیح وتطہیر کی اور اسے از سرنو اسلام کے اساسی اصولوں پر استوار کیا۔

اقبال کے فلسفہ تمدن میں فرد اور جماعت کا ربط محض ایک نظریاتی فریب نہیں بلکہ ایک متوازن اور عملی حقیقت ہے جس سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر تخلیق وارتقا کا سفر جاری رہتا ہے۔ عزیز احمد اس ضمن میں اپنی تصنیف اقبال نئی تشکیل میں لکھتے ہیں:

> موج فرد کا رفر ہے اور ربط امواج سے دریا کا وجود ہے مگر دریا کے باہر موج کا تصور ناممکن ہے، جس طرح اجتماع سے باہر خودی کی کوئی اقتصادی حیثیت نہیں۔[۱۲]

مصنفہ کے نزدیک اقبال کا فلسفہ تمدن امت مسلمہ کے ذہنی وقلبی عوارض کا علاج اور ان کی محرومی ومحکومی اور انحطاط وزوال کا مداوا ہے۔

''اقبال کا ذوق محاربت'' کے حوالے سے مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے نزدیک خطر پسندی بھی قوت اور صلاحیت وجزالت کے مظاہر میں ہے۔ اس لیے یہ خطر پسندی زندگی کی آبرو بڑھاتی ہے اور خدا کے اس کائناتی منصوبہ میں تسخیر وارتقا کے عمل کو جاری رکھنے کا ذریعہ ہے۔

مضمون ''گاہ بحلیہ می برد گاہ بزور می کشد'' یعنی اقبال کے تصورِ عشق کی جہوت وابعاد پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ کی ذات والا صفات اقبال کے وفور شوق کا مرز ومحور تھی۔ جز وکل کے اس راز داں سے ان کی قلبی وابستگی نے ان پر عشق کی رمزیں آسان کر دی تھیں۔ اقبال تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں پانچویں خطبے میں حقیقت محمدی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> پیغمبر اسلام کی ذات گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم وجدید کے درمیان ایک واسطے کی ہے۔ بہ اعتبار اپنے سرچشمہ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے، لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم وحکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے۔[۱۳]

مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے نزدیک عشق کا نصب العین اپنے مقام ومنصب کی بازیافت ہے اور ذات حق کو تمام پردوں اور حجابات کے بغیر دیکھنا زندگی کا منتہائے مقصود ہے۔ ان کے نزدیک اقبال نے عشق کو عقل پر اس لیے بھی ترجیح دی ہے کہ عشق کی کارکردگی عقیدہ ویقین کی وحدت ویک رنگی پر منحصر ہے، عشق پیکار حیات کا دلدادہ ہے اور تعیش اور تساہل اس کی شریعت میں حرام ہیں۔

''عصر حاضر میں اقبال کے خطبہ ششم کی اطلاقیت'' کے ضمن میں مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے خطبے کی عملی افادیت کو ثابت کرنے کے لیے نوآبادیاتی Colonial System کے تحت ورثے میں پائے ہوئے تمدنی اور تعزیراتی قوانین کی تنقیح میں اس خطبے کے فکری اجزا سے رہنمائی وبصیرت کی جاسکتی ہے۔ طرز تمدن اور ٹیکسیشن اور محصولات کے نظام کو نئے خطوط پر استوار کیا جاسکتا ہے نیز نجی اور ملکی سطح پر عمرانی اور معاشی معاہدوں کی حدود وقیود معین کی

جا سکتی ہیں۔ عورت کو اُس کی خواہش کے مطابق بوقت نکاح تنسیخ نکاح کا حق تفویض کیا جا سکتا ہے۔ ان معاملات وسائل میں اجتہاد سے اقبال کے خطبہ ''الاجتہاد فی الاسلام'' کی عملی افادیت کو موجودہ عہد میں ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب میں شامل مصنفہ کا گیارہواں اور آخری مضمون ''مثالی معاشرے کے قیام میں اقبال کے تصور ملکیت زمین کی اہمیت'' ہے۔ اس مضمون میں مصنفہ نے ملکیت زمین کے بارے میں اقبال کے افکار کا سرچشمہ، اخذ و اکتساب قرآن مجید کو قرار دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک زمین محض ایک جغرافیائی Geographical اور حیاتیاتی Biological حقیقت ہی نہیں بلکہ انسان کی تگ و تاز کی ایک نامیاتی سچائی بھی ہے۔ ان کے نزدیک زمین کی ملکیت کا سوال ایک ہمہ جہتی سوال ہے جس کے اندر مذہبی جہت کے علاوہ سیاسی، تہذیبی اور سماجی جہتیں بھی ہیں۔ اقبال کا تصور ملکیت زمین یا زمین کی ملکیت کے بارے میں افکار مارکسی اور اشتمالی تعبیرات کے حامل نظر آتے ہیں۔ اقبال نے مشرق و مغرب کے منابع سے اپنی فکر میں بہت سے عناصر جمع کیے ہیں۔

شاہدہ یوسف کی اس کتاب کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کسی پیشہ ور نقاد کی تحریروں پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہ ادبی تخلیق اقبال کے ایک ذہین قاری کی ہے۔ اسی لیے یہ کتاب اقبال کے فکر و فن پر شائع ہونے والی دوسری بے شمار کتابوں سے مثبت طور پر مختلف ہے۔ مصنفہ نے جس سلیقے سے اقبال کے شعری اور فکری منظرنامے کے خدوخال اُجاگر کیے ہیں۔ اسے دیکھتے ہوئے اس اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے کہ ہماری نئی نسلیں اقبال کو پڑھنے اور اسے صحیح معنوں میں سمجھنے کی بے حساب صلاحیتیں رکھتی ہیں۔ اس کا ثبوت مصنفہ کی یہ کاوش ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے فنون میں اس کتاب پر اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

> اس کتاب میں اقبال کی جذباتی قصیدہ خوانی نہیں کی گئی بلکہ مدلل اور منطقی انداز میں، حوالوں کے ساتھ اس عظیم مفکر شاعر کی تحسین کی گئی ہے، چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ اقبال کا شعری و فکری مطالعہ اقبالیات کے اندھادھند انباروں میں ایک اور کتاب کے اضافے کے بجائے اقبال کی

> تفہیم کا ایک منفرد شہ پارہ ہے۔[۱۴]

شاہدہ یوسف کی تحریر سادہ، دلنشین اور مدلل ہے۔ وہ اظہار و ابلاغ پر پوری طرح قادر ہیں۔ مصنفہ نے مقالات میں حواشی و حوالہ جات کا اہتمام بھی کیا ہے۔

اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ [۱۵]

زیب النساء کی اس سے قبل دو کتابیں اقبال اور بچوں کا ادب اور نگارشاتِ اقبال منظر عام پر آچکی ہیں۔ اقبال کی اُردو نثر پر ایم اے کا ایک مقالہ بہ عنوان اقبال کی اُردو نثر کا تنقیدی جائزہ ۱۹۷۳ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ عبادت بریلوی کی کتاب اقبال کی اُردو نثر بھی ۱۹۷۷ء میں منظر عام پر آئی تھی۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

> اس کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ اس موضوع پر کام کرنے کی گنجائش موجود ہے، چنانچہ میں نے اس موضوع پر کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ میرا زیرِ نظر مقالہ مکمل ہوا تو اس کے بعد کچھ مزید نثری کتابیں منظر عام پر آئیں، مثلاً کلیات، مکاتیبِ اقبال (جلد دوم اور سوم) مکاتیبِ سر محمد اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی اور نگارشاتِ اقبال چنانچہ انھیں پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اپنے ایم اے کے مقالے میں متعدد اضافے اور ترامیم کیں ...... بایں ہمہ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتی کہ میری یہ کتاب اپنے موضوع پر ہر لحاظ سے جامع و مانع ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ میں نے اسے جامع بنانے کی مقدور بھر کوشش کی ہے تا کہ اقبال کی اُردو نثر سے متعلق جملہ مباحث سامنے آسکیں اور اقبال کی نثر کی اہمیت اُجاگر ہو سکے۔ [۱۶]

مصنفہ نے اس کتاب میں اقبال کی نثری تصانیف کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ ان نثری تصانیف میں علم الاقتصاد، تاریخِ تصوف، اُردو مضامین، اُردو خطوط اور مصنفہ کے خود مرتبہ کردہ اقبال کی متفرق نثری تحریریں جو کتاب نگارشاتِ اقبال کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں، شامل ہیں۔ پھر مصنفہ نے اقبال کے نثری اسلوب پر بحث کی ہے اور مختلف حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال صرف ایک عظیم شاعر ہی نہیں ایک صاحب طرز نثر

نگار بھی ہیں اور ان کی نثری تحریریں بھی شاعری کی طرح ان کی شخصیت اور ذاتی خیالات و جذبات پر روشنی ڈالتی ہیں۔

مصنفہ نے اقبال کی پہلی نثری تصنیف علم الاقتصاد کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ بحیثیت نثر نگار اقبال کو زیادہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ نثر لکھنا ایک اکتسابی فعل ہے اور اقبال نے اسے بہ امر، مجبوری انجام دیا۔ اقبال ذاتی طور پر بھی نثر نگاری کی طرف سے بے نیاز رہے، اس لیے نثر میں جو کچھ تحریر کیا اسے یا تو درخور اعتنا جانا یا پھر ضائع کر دیا۔ باوجود اس کے کہ اقبال نثر میں اظہارِ خیال سے کتراتے رہے، تاہم انھوں نے جو لکھا وہ مدلل، جامع اور مفصل ہے۔ وہ زیر بحث موضوع کو مقدور بھر دلائل سے واضح کرتے رہے اور قارئین کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ ان کی شاعری کے مقابلے میں ان کی نثر نگاری کی حیثیت ضمنی ہے۔ مصنفہ اس ضمن میں لکھتی ہیں:

یہ حیثیت بھی اس لائق ہے کہ شاعری کی طرح اسے بھی وقعت و اہمیت کی نظر سے دیکھا جائے...... انھوں نے بہت سے ایسے موضوعات پر نثر میں قلم اٹھایا، جو قبل ازیں وہ شعر میں بیان کر چکے تھے۔ ان کی نثر، شعر کی تفہیم میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے اور ان کے افکار اور شخصیت کے مخفی گوشوں کو جانچنے اور پرکھنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علامہ کی اس ضمنی حیثیت پر بھی بھرپور توجہ دی جائے تاکہ اقبال شناسی کا حق بہتر طور پر ادا ہو سکے۔ [۱۷]

اقبال کی نثر ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ عبادت بریلوی اقبال کی نثر کو ان کی شخصیت کا صحیح آئینہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس میں بھی وہ سب کچھ موجود ہے جو اُن کی شاعری میں ہے۔ ان کے افکار و خیالات اور نظریات و تصورات ان کی نثر میں بھی پوری طرح واضح ہوتے ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان سب کی تفصیل اور جزئیات ہمیں ان کی نثر ہی میں ملتی ہے۔ چونکہ نثر میں تحلیل و تجزیہ کی نسبتاً زیادہ گنجائش ہوتی ہے اس لیے اقبال کا متفکرانہ انداز اور تجزیاتی مزاج ان کی نثر ہی میں اپنے آپ کو پوری طرح رونما کرتا ہے۔ پھر ان کی نثر میں موضوعات کا جو تنوع ہے، فکر کی گہرائی ہے، خیال کی بلندی ہے، اظہار کی جو

جمال آفرینی ہے، وہ اس کو خاصے کی چیز بنا دیتی ہے۔ اقبال کی متفکرانہ اور شاعرانہ عظمت سے صحیح طور پر آشنا ہونے کے لیے یہ نثر ایک بہت بڑا ذریعہ بلکہ سہارا ہے۔ [۱۸]

نثر نگار کی حیثیت سے اقبال نے جو کچھ لکھا، وہ زیب النساء کی کتاب اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ کا موضوع ہے۔

۱۳ مئی ۱۸۹۹ء کو اقبال اورینٹل کالج لاہور میں میکلوڈ عریبک ریڈر مقرر ہوئے۔ ریڈر شپ کے فرائض منصبی میں فارسی، اور اقتصادیات کی تدریس کے علاوہ مختلف علوم و فنون کی بعض کتابوں کی تالیف اور ان کا ترجمہ شامل تھا۔ اورینٹل کالج کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۰۱ء (۸، جون ۱۹۰۲ء) کے مطابق اقبال نے مندرجہ ذیل تراجم اور تالیفات مرتب کیں

(۱) تاریخ کے موضوع پر Stabbs کی تصنیف "Early Plantagenents" کی اُردو میں تلخیص اور اس کا ترجمہ۔
(۲) علم الاقتصاد کے موضوع پر Walker کی تصنیف "Palitical Economy" کی اُردو میں تلخیص اور اس کا ترجمہ۔
(۳) علم الاقتصاد پر ایک نئی تصنیف (زیر ترتیب)

مصنفہ نے علم الاقتصاد کی سال اشاعت کے سلسلہ میں متضاد بیانات کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے رفیع الدین ہاشمی کی رائے کو مستند قرار دیا ہے۔ انھوں نے تعین سن کے لیے مختلف حقائق یکجا کیے ہیں اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ کتاب دسمبر ۱۹۰۴ء تک شائع ہو چکی تھی۔ رفیع الدین ہاشمی کے فراہم کردہ حقائق اور دلائل کے مطابق

مخزن کے شمارہ اپریل ۱۹۰۴ء میں علم الاقتصاد کا آخری حصہ بعنوان ''آبادی'' اس نوٹ کے ساتھ چھپا: کتاب زیرِ طبع ہے، (ص ا) گویا کتاب ۱۹۰۴ء کے اوائل میں مکمل ہوئی، اور کتابت کے لیے دے دی گئی، اور ایک باب مخزن میں اشاعت کے لیے بھیج دیا گیا۔ غالب قیاس یہ ہے کہ فروری کے آخری یا مارچ کے ابتدائی ایام میں تکمیل ہوئی، کیونکہ اسی صورت میں آخری باب کی مخزن کے شمارہ اپریل میں شمولیت ممکن ہوئی...... گویا مخزن اپریل ۱۹۰۴ء سے علم الاقتصاد کی طباعت و کتابت کا اعلان کیا گیا اور دسمبر ۱۹۰۴ء کے مخزن میں کتاب شائع ہونے کا اعلان اس طرح چھپا: ہم ناظرین کو بڑی خوشی سے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ یہ قابلِ قدر کتاب جس کا ایک باب

مخزن میں شائع ہو چکا ہے، چھپ کر تیار ہوگئی ہے۔ ۱۹

علم الاقتصاد کے اصل سال اشاعت کا تعین کرنے کے بعد مصنفہ نے اس کتاب کے پس منظر پر بحث تحقیقی حوالوں سے کی ہے اور تین محرکات اولاً علم اقتصاد کا مطالعہ، دوم آرنلڈ کی تحریک اور سوم منصبی ضرورت، کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اقبال کو یہ کتاب لکھنے پر آمادہ کیا۔

مصنفہ نے اقبال کی اس کتاب علم الاقتصاد کا مکمل تعارف پیش کیا ہے۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا۔ یہ خط نستعلیق میں ہے اور اس پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔ سرورق پر مصنف کا نام ''شیخ محمد اقبال ایم اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور'' درج ہے اور انتساب ''ڈبلیو بل اسکوئر ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کے نام'' ہے۔ دیباچے میں اقبال نے پروفیسر آرنلڈ، لالہ جیا رام صاحب، اپنے ہم جماعت مسٹر فضل حسین اور شبلی نعمانی کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مولانا شبلی نے کتاب کے بعض حصوں میں زبان کی درستی و اصلاح کی، گویا زبان کے معاملے میں کتاب کو شبلی جیسے عالم فاضل شخص کی سند حاصل ہے۔

علم الاقتصاد پانچ حصوں اور بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں علم الاقتصاد کی ماہیت اور دولت کی تعریف کی گئی ہے اور باقی چار حصوں میں معاشیات کے چار بنیادی شعبوں سے تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔ اقبال نے ان موضوعات پر نہ صرف افکار و نظریات کو پیش کیا ہے، بلکہ ان پر تنقید بھی کی ہے اور اپنی ذاتی رائے بھی دی ہے۔ اقبال نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت میں دلچسپی ظاہر نہ کی لہٰذا اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔ اولین ایڈیشن کم یاب ہے۔ ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور ایک اقبال میوزیم لاہور میں ہے۔

علم الاقتصاد سے قبل بھی معاشیات کے موضوع پر کتب موجود تھیں مگر تمام انگریزی کتابوں کا براہ راست ترجمہ ہیں سوائے رسالہ علم انتظام مدن کے جو آزادانہ غور و فکر کی بنا

پر طبع زاد تالیف کے قریب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا علم الاقتصاد اولیت کی حامل نہ ہونے کے باوجود اپنی ایک علیحدہ اور نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

اقبال کی زندگی میں کسی ادارے کی طرف سے بھی اس کی اشاعت کی تحریک نہیں ہوئی۔ ستاون یا اٹھاون سال کے بعد اقبال اکادمی، کراچی کے زیر اہتمام اس کی دوسری اشاعت عمل میں آئی۔

علم الاقتصاد کے اولین ایڈیشن کی طرح دوسرے ایڈیشن پر بھی سال اشاعت درج نہیں ہے۔ لیکن یہ مسئلہ ممتاز حسن کے ''پیش لفظ'' کو پڑھ کر حل ہو جاتا ہے، کیونکہ ''پیش لفظ'' کے اختتام پر ۱۰ جون ۱۹۶۱ء درج کیا گیا ہے۔ پہلا ایڈیشن خط نستعلیق میں تھا جبکہ دوسرا ایڈیشن خط نسخ میں ہے۔ اس ایڈیشن میں خود اقبال نے دیباچے کے علاوہ ممتاز حسن کا پیش لفظ اور انور اقبال قریشی کا مقدمہ شامل ہیں۔ مصنفہ اقبال اکادمی کراچی کی اس کوشش کو مستحسن قرار دیتی ہیں کیونکہ اس ایڈیشن میں طبع اوّل کے متن کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔

تیسری مرتبہ علم الاقتصاد تقریباً سولہ سال بعد اقبال اکادمی، لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ غلطی سے ''بار اوّل'' لکھ دیا گیا ہے۔ سرورق کے دوسرے صفحے پر مصنف کے مکمل تعارف میں تبدیلی کی گئی ہے یعنی ''شیخ محمد اقبال اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور'' کے بجائے صرف ''شیخ محمد اقبال'' درج ہے۔ مصنفہ اس ترمیم کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بتاتی ہیں کہ اس ترمیم کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اقبال نے با اہتمام اپنے نام کے ساتھ ''اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور'' لکھا تھا مصنفہ کے خیال میں اس تعارف کا درج کیا جانا ضروری تھا کیونکہ اسی تعارف کی بنا پر علم الاقتصاد کے سنہ اشاعت کا تعین کیا جاتا رہا ہے۔ اس ایڈیشن کے صفحات کے نمبر شمار میں تبدیلی کی گئی ہے۔ علم الاقتصاد چوتھی مرتبہ ۱۹۹۱ء میں آئینہ ادب، لاہور سے شائع ہوئی۔ کتاب پر بار چہارم کے بجائے بار دوم لکھا گیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک یہ نسخہ ۱۹۷۷ء کے نسخہ کی نقل ہے اور اس میں متن، حواشی اور تعلیقات کی ذیل میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ آئینہ ادب لاہور نے علم

الاقتصاد کو چونکہ نئے سرے سے نہیں چھاپا لہٰذا متن کے جائزے میں اس کا موازنہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ جو تصرفات اور اغلاط اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء کے نسخے میں ہیں، وہ ۱۹۹۱ء کے نسخے میں جوں کی توں موجود ہیں۔

مصنفہ نے تحقیقی انداز سے اقبال اکادمی کے دونوں نسخوں (۱۹۷۷ء، ۱۹۶۱ء) کا موازنہ علم الاقتصاد کے اوّلین نسخے سے کیا ہے اور متن کا مطالعہ کرتے ہوئے کتابت اور املا کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ طبع اوّل میں بہت سے الفاظ قدیم یا متروک املا کے مطابق ہیں، اقبال اکادمی کے دونوں نسخوں میں انھیں جدید اُردو املا کے مطابق لکھا گیا ہے۔

طبع دوم اور سوم میں بیسیوں مقامات پر اصل متن میں تصحیح اور تصرفات کیے گئے ہیں لیکن ان اصلاحات و ترامیم کی صرف چند مقامات پر وضاحت کی گئی ہے۔ اصل متن کے کئی الفاظ محذوف کر دیے گئے ہیں، بعض جگہ متعدد الفاظ کا اضافہ ہے، کئی مقامات پر دو، ایک یا آدھ جملہ حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت نہ حاشیے میں ملتی ہے اور نہ قلابین میں محذوف جملے دیے گئے ہیں۔ اقبال اکادمی کے دونوں نسخوں میں حواشی میں جن تصرفات و اصلاحات کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے کچھ تو مناسب ہیں لیکن ترامیم کی بعض نوعیتیں غور طلب ہیں۔

مصنفہ نے خالص تحقیقی طریقہ کار کے مطابق پہلے طبع اوّل و دوم اور پھر طبع اوّل اور دوم و سوم کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور اس ضمن میں مثالیں بھی صفحہ نمبر کے ساتھ درج کی ہیں۔ طبع اوّل میں سوائے چند ایک مقامات کے، اضافت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ جبکہ طبع دوم اور سوم میں محض چند ایک مقامات کے، اضافت کا بالکل خیال نہیں رکھا گیا، جس سے عبارت کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ:

> علم الاقتصاد کو دوبارہ زیادہ بہتر طریقے سے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ ''بہتر اشاعت'' میں موجودہ اور صحیح تر املا کا اہتمام کیا جائے اور اس کی وضاحت حواشی، قلابین یا قوسین میں ضرور کر دی جائے۔ [20]

اس کے بعد مصنفہ یہ سوال اٹھاتی ہیں کہ علم الاقتصاد ترجمہ ہے یا طبع زاد تصنیف

ہے۔ اقبال نے خود طبع اوّل کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ:

> یہ واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی خاص انگریزی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کے مضامین مختلف مشہور اور مستند کتب سے اخذ کیے گئے ہیں اور بعض جگہ میں نے اپنی ذاتی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ [21]

اس وضاحت سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ مختلف کتب سے استفادہ تو کیا گیا ہے، مگر اپنی آرا کا بھی اظہار کیا گیا ہے، گویا آزادانہ پیرائے میں اقتصادیات کے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ پھر مصنفہ محمد حمزہ فاروقی کے حوالے سے یہ لکھتی ہیں کہ وہ بھی اس بات سے متفق ہیں کہ جہاں تک مواد کا تعلق ہے، یہ کسی ایک کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس میں اس دور کے مقبول و متداول نظریات آ گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبال نے الفریڈ مارشل (Agfered Marshal)، واکر (Walker)، ایڈ سمتھ (Adam Smith)، اور جے۔ ایس۔ مل (J. S. Mill) اور پروفیسر ٹاوسگ (Toussig) کے نظریات سے اقبال بہت متاثر تھے۔

مصنفہ محمد حمزہ فاروقی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتیں کہ اقبال نے حوالوں کی طرف توجہ نہیں دی کیونکہ علم الاقتصاد میں ایڈم سمتھ، مالتھس اور جے۔ ایس۔ مل کا ذکر ایک دو مقامات پر ضرور آیا ہے۔

بحث کو سمیٹتے ہوئے مصنفہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ علم الاقتصاد ایک طبع زاد کتاب ہے۔ اگرچہ بعض انگریز مصنفین کی کتب کے اثرات اس میں موجود ہیں۔ لیکن پوری کتاب کو ترجمے کی ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر اقبال چاہتے تو واکر کی پولیٹکل اکانوی کے ملخص ترجمے کو شائع کروا دیتے اور علیٰحدہ سے علم الاقتصاد نہ لکھتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے تھے اور سادہ و آسان زبان میں ان تجاویز کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو انھوں نے اقتصادی حالت کی بہتری کے لیے متعین کی تھیں۔

مصنفہ نے علم الاقتصاد کی اہمیت کو کئی زاویوں سے اجاگر کیا ہے۔ اقبال نے جس دور

میں یہ کتاب لکھی، اس وقت اُردو میں اس موضوع پر کوئی باقاعدہ تصنیف موجود نہ تھی۔ بعض
انگریزی کتب کے اُردو میں تراجم کیے گئے تھے لیکن یہ تراجم طبع زاد کی ذیل میں نہیں آتے۔
بیسویں صدی کے آغاز میں اُردو ایک عملی زبان کی حیثیت سے کچھ ایسی ترقی یافتہ نہ تھی
اور معاشیات جیسے سائنسی فن پر اُردو زبان میں کچھ لکھنا خاصا مشکل کام تھا، پھر بھی اقبال نے
یہ کتاب اُردو میں لکھی۔ اُنھوں نے علم الاقتصاد میں معاشیات کے اہم شعبوں سے بحث
کی ہے۔ مثلاً پیدائش دولت، تبادلہ دولت، پیداوار دولت کے حصہ دار وغیرہ پر سیر حاصل
گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب اقبال کی نوجوانی کی تصنیف ہے مگر نوجوان اقبال اپنے دور کے
معاشی حالات سے بخوبی واقف تھے۔

پانچویں باب میں اقبال نے آبادی کا ذکر کیا ہے کہ وہ کسی ملک کی معیشت پر کس طرح
اثر انداز ہوتی ہے۔ مسئلہ ملکیت زمین، زرعی لگان، جدید اشیا کی پیداوار اور صرف دولت
وغیرہ پر اظہار رائے کیا گیا ہے۔ اقبال ملک میں مفلسی، غربت، بیروزگاری، جرائم اور
اخلاقی اقدار کے خاتمے کی وجہ بڑھتی ہوئی آبادی کو قرار دیتے ہیں۔

اقبال جاگیردارانہ نظام کے شدت سے مخالف تھے۔ انھیں ساہوکار، زمیندار اور
کارخانہ دار کے مقابلے میں مزدور اور کاشتکار سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے۔ اس ہمدردی کا
اظہار انھوں نے اپنے بعد کے کلام خضرِ راہ، پیامِ مشرق اور جاوید نامہ میں بھی کیا
ہے۔ سلیم اختر علم الاقتصاد کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> علم الاقتصاد میں کئی دیگر معاشی مسائل پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے، اگرچہ موجودہ دور میں علم معاشیات نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے، لیکن بہت سے بنیادی مسائل آج بھی وہی ہیں، جن کی نشاندہی اقبال نے کی ہے۔ یہ کتاب اقبال کے اقتصادی تصورات سمجھنے میں بہت ممد ثابت ہو سکتی ہے۔ بالخصوص وہ اقتصادی تصورات جو ایک حد کے بعد ملکی سیاست پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں (اور ہوتے ہیں)۔ ۲۲

اقبال نے علم الاقتصاد میں بہت سی ایسی اصطلاحات استعمال ہیں، جو آج بھی

مستعمل ہیں۔ ان میں سے بعض اصطلاحات انھوں نے خود وضع کی ہیں اور بعض مصر کے
عربی اخباروں سے لی ہیں۔ جہاں جہاں کسی اُردو لفظ کو اپنی طرف سے کوئی نیا مفہوم دیا ہے
ساتھ ہی اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی علم الاقتصاد
موجود قواعد زبان اور جدید اسلوب کے قریب ترین ہے۔ کہیں کہیں املا قدیم قاعدے کے
مطابق ہے کیونکہ اس دور میں اُردو زبان علمی اعتبار سے اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی کہ اس میں
مستند علمی کتاب لکھی جا سکے۔ اس کے باوجود اقبال نے معاشی مسائل نہایت آسان اور سلیس
زبان میں بیان کیے ہیں۔ اپنی بات کی وضاحت میں سادہ اور آسان اور عام فہم مثالیں دی
ہیں۔ سید نذیر نیازی علم الاقتصاد کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> علم الاقتصاد کا انداز بیان بڑا اسلجھا ہوا، صاف اور سلیس ہے، زبان سر تا سر علمی۔ ۲۳

مصنفہ عبادت بریلوی، رفیع الدین ہاشمی، انور اقبال قریشی اور سید نذیر نیازی کی
علم الاقتصاد کی اہمیت پر مبنی آرا کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتی ہیں کہ اگرچہ علم
معاشیات میں خاصی پیش رفت ہو چکی ہے۔ آج بھی علم الاقتصاد کی پہلی علمی تصنیف کے
طور پر ایک اور معاشی کتاب کے طور پر بھی، دلچسپی سے پڑھی جا سکتی ہے۔ اقبال کی پہلی علمی
تصنیف کے طور پر اس کی اہمیت بدستور باقی رہے گی۔

اقبال کی نثری تصنیف علم الاقتصاد کے تعارف اور تنقیدی و تحقیقی جائزے پر مشتمل
۴۰ صفحات اور دو صفحات پر حواشی و حوالہ جات ہیں۔ مصنفہ کا یہ چونکہ مقالہ تھا، جسے انھوں
نے کتابی شکل میں ڈھالا ہے لہٰذا اس میں حوالہ جات کی بہت کثرت نظر آتی ہے۔ انھوں
نے تحقیقی انداز اختیار کرتے ہوئے تحقیقی حوالوں کی مدد سے اقبال کی نثری تصنیف علم
الاقتصاد کے تعارف و اہمیت، ماخذات اور متنازعہ مسائل ہے جیسے درست سنہ اشاعت
اور ترجمہ یا طبع زاد تصنیف، کو حل کیا ہے۔

اقبال کی نثری تصنیف تاریخ تصوف جسے پروفیسر صابر کلوروی نے مرتب کیا ہے، کا
تنقیدی و تحقیقی جائزہ اور جملہ مباحث بھی شامل کتاب کے گئے ہیں۔

۱۹۸۳ء میں پروفیسر صابر کلوروی کو اپنی تحقیق کے سلسلے میں میوزیم کے کاغذات تک عبدالجبار شاکر کے توسط سے رسائی ہوئی تو انھوں نے انکشاف کیا کہ تصوف سے متعلق ایک دو ابواب تا حال محفوظ ہیں۔ پروفیسر صابر کلوروی نے انھیں مرتب کر کے حواشی کے ساتھ تاریخ تصوف کے نام سے شائع کرا دیا۔

مصنفہ نے اس کتاب کا مکمل تعارف کروایا ہے۔ تاریخ تصوف ۱۹۸۵ء میں مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور سے شائع ہوئی۔ ص ۴ پر اقبال کے تین خطوط کے اقتباسات درج کیے گئے ہیں۔ جاوید اقبال کے خط کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے۔ جو انھوں نے صابر کلوروی کو لاہور ہائیکورٹ سے ۳۰ جنوری ۱۹۸۵ء میں لکھا تھا۔ عرض مرتب اور دیباچہ بہ عنوان ''پیش گفتار'' محمد ریاض کا تحریر کردہ ہے۔ مرتبہ نے اصل متن سے پہلے اس کا پس منظر پر تفصیلاً پیش کیا ہے۔ پس منظر میں مرتب نے وضاحت کی ہے کہ اقبال کو تاریخ تصوف لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

تاریخ تصوف امتن کتاب ص ۲۷ سے شروع ہوتا ہے، ہر باب کے اختتام پر مرتب نے حواشی کا اہتمام کیا ہے۔ حسین بن منصور حلاج کے حالات و افکار بھی درج کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ شامل کیا گیا ہے، جو انگریزی اشارات پر مشتمل ہے۔ جو تاریخ تصوف کی تیاری میں اقبال نے زیر مطالعہ انگریزی زبان میں لکھی گئی کتب پر تحریر کیے تھے۔ آخر میں مرتب نے ایک اشاریہ بھی ترتیب دیا ہے۔ اشاریے میں صرف اصل متن کے حوالے شامل کیے گئے ہیں۔

صابر کلوروی نے ان تمام اشارات کو پانچ ابواب میں تقسیم کر دیا ہے، اور جن امور کی طرف اقبال نے صرف اشارہ کیا ہے تو انھیں حواشی میں ذرا تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ تاریخ تصوف کی تدوین میں ان کی زیادہ تر توجہ تصوف میں غیر اسلامی عناصر پر مرکوز رہی تھی، اس مقصد کے لیے انھوں نے صوفی شعرا کے ہاں اس عنصر کا کھوج لگانے کے لیے فارسی اشعار کا انتخاب بھی کیا تھا، مرتب نے ان اشعار کا ترجمہ حواشی میں افادہ عام کے لیے شامل کر دیا ہے۔

پس منظر میں مرتب پروفیسر صابر کلوروی نے ان محرکات کی نشاندہی کی ہے جنھوں نے اقبال کو اس کتاب کے لکھنے کی طرف راغب کیا۔ اقبال نے اپنی فارسی مثنوی اسرارِ خودی میں عجمی تصوف کے دو اہم نمائندوں افلاطون یونانی اور حافظ شیرازی پر برملا تنقید کی، کیونکہ وہ غیر اسلامی تصوف یعنی عجمی تصوف کے خلاف تھے، اور حافظ اور افلاطون پر بھی تنقید اس لیے کی کہ یہ دونوں نظریہ ''وحدت الوجود'' کے قائل تھے۔ اقبال کے نزدیک یہ نظریہ جامد و ساکن ہے۔ اس نظریے کے ردعمل کے طور پر انھوں نے ''خودی'' کا ایک حرکی اور علمی نظریہ پیش کیا۔

اقبال نے اسرارِ خودی کے دیباچے میں غیر اسلامی تصوف کو ہدف ملامت بنایا اور خودی کے استحکام پر زور دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مثنوی میں ۳۴ اشعار کا ایک بند شامل کیا، جس میں حافظ کی شاعری کے زہریلے اثرات سے خبردار کیا اور اس کے مسلک کو ''گوسفندی مسلک'' قرار دیا۔ اقبال کی اس مثنوی کے باقاعدہ جواب لکھے گئے اور ان پر بہت سے اعتراضات کیے گئے۔ حافظ کے مرید ذوقی شاہ، خواجہ حسن نظامی، پیرزادہ مظفر احمد فضلی اور حکیم فیروزالدین احمد طغرائی نے حافظ کی حمایت میں مضامین لکھے۔ جبکہ مولوی محمود علی اور حافظ اسلم جیراجپوری نے اقبال کی مثنوی کی حمایت میں مضامین لکھے۔

اقبال نے اپنے مضامین اور بعض خطوط میں اپنے موقف کی وضاحت کے ساتھ معترضین کا مدلل جواب دیا۔ اس سلسلے میں پہلا مضمون ''اسرارِ خودی اور تصوف'' تھا۔ جو وکیل ۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے وضاحت کی کہ وہ تصوف کے خلاف نہیں ہیں۔ صرف ان صوفیا کے خلاف ہیں، جنھوں نے آنحضورؐ کے نام پر بیعت کر کے دانستہ یا نادانستہ ایسے مسائل کی تعلیم دی جو دین اسلام سے متصادم تھے۔

اسرارِ خودی کا دیباچہ جو مختصر ہونے کی وجہ سے بڑے مغالطوں کا سبب بن رہا تھا، وہ بھی خارج کر دیا گیا۔ خواجہ حسن نظامی اور اقبال کے درمیان قلمی جنگ کا اختتام اکبر الہ آبادی کی مصالحتی کوششوں سے ہوا، اور اقبال نے پوری یکسوئی کے ساتھ مثنوی کا دوسرا

حصہ لکھنا شروع کیا جو اپریل ۱۹۰۸ء میں رموز بیخودی کے نام سے شائع ہوا۔ یہ وہ پس منظر تھا جس میں اقبال نے تاریخ تصوف لکھنا شروع کی۔ اس کتاب کی تصنیف کے دو محرکات ہیں ایک تو یہ کہ شدت کے ساتھ اور وسیع پیمانے پر اسرارِ خودی کی مخالفت سے اقبال نے تصوف کے مسئلے پر لوگوں کی حساسیت اور اس بارے میں ان کے ذہنوں میں متعدد غلط فہمیوں کو بھانپتے ہوئے اس مسئلے پر اپنے خیالات کو نسبتاً زیادہ وضاحت کے ساتھ اور علمی انداز میں پیش کرنے کا ارادہ کیا۔

اس کتاب کی تصنیف کا دوسرا محرک مولوی محمد علی کا وہ مضمون تھا جو ۷ فروری ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا تھا، جس میں انھوں نے اقبال کو مشورہ دیا تھا کہ انھیں وحدت الوجود کا ذکر کرنا تھا تو نثر میں کسی مستقل مضمون یا کتاب کی شکل میں پیش کرتے۔ چنانچہ اقبال نے تصوف کی تاریخ پر نثر میں ایک دو ابواب قلمبند کیے۔ مرتب نے اقبال کے خطوط کے حوالوں کی مدد سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ اقبال نے ۱۹۱۶ء کے اوائل میں تاریخِ تصوف لکھنی شروع کی تھی۔

مصنفہ نے تاریخ تصوف کے متن کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اقبال اس تصنیف کی تکمیل نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو نکات اور حواشی یکجا کیے وہ صابر کلوروی نے مرتب کر کے چھاپ دیے تا کہ تصوف کے بارے میں اقبال کے تصورات کا اندازہ ہو سکے۔ اُنھوں نے نہایت محنت اور جانفشانی سے ان صفحات کو مرتب کیا ہے۔ تاہم کتاب کی چند اغلاط اور متن کی اغلاط کھٹکتی ہیں۔ کتابت بھی خوبصورت نہیں ہے۔

مصنفہ نے کتاب کے صفحات کا اصل متن سے موازنہ کر کے بعض اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ مرتب نے بعض مقامات پر ایک آدھ لفظ بڑھا دیا ہے۔ اگرچہ یہ اضافہ درست بھی ہے مگر حاشیے میں ان کی وضاحت کر دینا ضروری تھا تا کہ صحت متن سے متعلق شبہے کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ مصنفہ نے ایک مختصر سے گوشوارے کی مدد سے کتابت کی بعض اغلاط کی نشاندہی کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتابت کی اغلاط متن خوانی میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ متن کے جائزے کے بعد مصنفہ نے تاریخ تصوف کی اہمیت کے حوالے سے یہ

بتایا ہے کہ اقبال نے تاریخ تصوف کے ایک دو ابواب تحریر کیے اور بوجوہ اس کتاب کو مکمل نہ کر سکے۔ یہ ایک دو ابواب زیادہ تفصیلی نہیں ہیں، مگر ان سے تصوف سے متعلق اقبال کے نظریات با آسانی سمجھے جا سکتے ہیں۔

پہلے باب میں اقبال نے تصوف کا مفہوم، اس کی ابتدا، مختلف اقوام پر اس کے اثرات سے بحث کی ہے۔ تصوف کے مفہوم اور مسلمانوں میں تحریک تصوف کی ابتدا کے متعلق لکھتے ہیں:

> علم باطن، جس کو اسلامی اصطلاح میں تصوف بھی کہتے ہیں ایک نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب چیز ہے۔ اس کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے غرائب نے اقوام عالم کے بعض بہترین دل و دماغ رکھنے والے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا ہے اور عوام کے تخیلات پر ایک گہرا اثر ڈالا ہے، کیونکہ اگر ان تمام علوم کو جن کا مجموعی نام علم باطن ہے۔ ایک کرہ سے مثال دی جائے تو اس کا قطب شمالی اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ موشگافی ہے اور اس کا قطب جنوبی ذلیل ترین توہم پرستی ہے۔ [۲۳]

اسرارِ خودی کی اشاعت کے بعد اقبال پر شدید اعتراضات کیے گئے، یہ اعتراضات مختلف نوعیت کے تھے۔ بعض علما نے یہ کہا کہ وہ صوفی تحریک کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اقبال نے مدلل انداز میں ان اعتراضات کے جوابات تحریر کیے اور باب اوّل میں وضاحت کی کہ وہ غیر اسلامی یعنی عجمی تصوف کے خلاف ہیں اور صحیح اسلامی تصوف ان کے نزدیک کیا ہے۔

تاریخِ تصوف کا دوسرا باب بہ عنوان "تصوف کے ارتقا پر ایک تاریخی تبصرہ میں اقبال نے ابتدا میں لفظ صوفی اور تصوف کی وضاحت کی ہے اور پھر تصوف کے ارتقا کا ذکر کیا ہے۔ اس باب کی تیاری میں اقبال نے عربی کتب سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ اس باب میں عربی اشعار اور عربی اقتباسات نظر آتے ہیں۔ اقبال نے ساتھ ہی ان کا مفہوم بھی تحریر کر دیا ہے تا کہ عربی اشعار و اقتباسات سے الجھن پیدا نہ ہو۔

تیسرا باب نوٹس کی شکل میں موجود ہے۔ ان اشارات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اس باب میں منصور حلاج کے عقائد کو زیر بحث لانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے

انھوں نے کتاب الطواسین سے متعدد حوالے نقل کیے ہیں۔ اس کے علاوہ منصور کے حالات اور عقائد کے ضمن میں بعض معاصرانہ شہادتیں بھی بہم پہنچائی گئی ہیں۔ ابن الجوزی اور پروفیسر براؤن کی تحقیقات سے بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

تاریخ تصوف کے ان ''ایک دو ابواب'' کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔ عبارت کو ثقیل، گنجلک اور بھاری بھرکم صوفیانہ اصطلاحات سے بوجھل نہیں بنایا گیا۔ خیالات میں ایک بہاؤ اور روانی موجود ہے۔ انداز بیان مختلف مقامات پر وضاحتی اور تشریحی نوعیت کا ہے۔

مصنفہ کے نزدیک اقبال اپنے اس کام کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، ایک تو مواد کی کمی اور کتابوں کی عدم فراہمی، دوسرے اقبال کی مخصوص افتادِ طبع بھی اس کام کی تکمیل میں حارج تھی، تیسرے پروفیسر نکلسن کی کتاب اسلامی شاعری اور تصوف کی اشاعت سے اقبال نے محسوس کیا کہ یہ کتاب وہی کام انجام دے سکتی ہے جو میں انجام دینا چاہتا تھا۔ نتیجتاً ان وجوہ سے تاریخ تصوف کی تکمیل نہ ہو سکی۔ مصنفہ نے اقبال کے نثری مجموعوں کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

جس زمانے میں اقبال نے اپنی پہلی باقاعدہ نثری تصنیف علم الاقتصاد لکھنے کا آغاز کیا، عین اسی زمانے یعنی ۱۹۰۱ء۔۱۹۰۲ء میں انھوں نے مضمون نویسی بھی شروع کر دی تھی۔ ان کا پہلا مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' مخزن کے شمارہ جنوری ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا اور یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء تک وقفے وقفے کے ساتھ جاری رہا۔ اس دوران میں انھوں نے متعدد موضوعات پر مضامین تحریر کیے۔

اقبال کی نثری تخلیقات پر زیادہ کام اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ اقبال نے خود اپنے نثری سرمائے کو کوئی خاص اہمیت دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی میں کئی شعری مجموعے شائع ہوئے مگر ان کا کوئی نثری مجموعہ منظر عام پر نہ آیا۔ اقبال کے نثری مجموعوں کی اشاعت کا خیال سب سے پہلے احمد یہ پریس حیدر آباد دکن کے تصدق حسین تاج کو آیا، انھوں نے مضامینِ اقبال کے نام سے ۱۹۴۴ء میں اقبال کا پہلا نثری مجموعہ مرتب کر کے چھاپا اور اس

طرح یہ سلسلہ چل نکلا۔ مصنفہ نے پہلے مضامینِ اقبال طبع اوّل اور پھر طبع دوم کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

یہ مجموعہ مضامین اقبال کے شعری مجموعوں کی تقطیع پر شائع ہوا۔ سرورق اور فہرست کے دو اوراق شمار نہیں کیے گئے۔ اس کتاب کا دیباچہ غلام دستگیر رشید نے ''صبح امید'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ غلام دستگیر رشید نے اپنے دیباچے میں اقبال کے اسلوب پر شاعرانہ انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ اکثر مضامین پر تمہیدی نوٹ باریک قلم سے درج کیے گئے ہیں، جن سے اصل مضامین اور تمہید میں فرق واضح ہو گیا ہے۔

مضامینِ اقبال میں اقبال کے چودہ نثر پارے شامل ہیں۔ ان میں سے نصف انگریزی مضامین کے اُردو تراجم ہیں اور نصف اُردو مضامین ہیں۔ یہ مضامین ''زبان اُردو'' ''اُردو زبان''، ''اُردو زبان پنجاب میں''، ''قومی زندگی''، ''دیباچہ مثنوی اسرار خودی''، ''دیباچہ مثنوی رموزِ بیخودی''، ''دیباچہ پیامِ مشرق''، ''فلسفۂ سخت کوشی''، ''جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ''، ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر''، ''خطبہ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ الہ آباد، دسمبر ۱۹۳۰ء''، جغرافیائی حدود اور مسلمان''، ''دیباچہ مرقع چغتائی'' اور تقریر انجمن ادبی کابل ہیں۔

اس طرح مضامینِ اقبال میں نثر پاروں کی کل تعداد چودہ بنتی ہے، مگر اُردو نثر پارے تعداد میں صرف آٹھ ہیں جن میں سے تین دیباچے (اسرارِ خودی، رموزِ بیخودی اور پیامِ مشرق) اور ایک تقریر ہے۔ یہ مضامین نہیں ہیں لہٰذا اُردو مضامین ''زبان اُردو''، ''اُردو زبان پنجاب میں''، ''قومی زندگی'' اور ''جغرافیائی حدود اور مسلمان'' کی تعداد صرف چار رہ جاتی ہے، جبکہ اصل تعداد خاصی زیادہ ہے۔ جیسا کہ بعد میں مقالاتِ اقبال کی اشاعت سے ثابت ہوتا ہے۔

مصنفہ مضامینِ اقبال طبع اوّل کے حوالے سے بتایا کہ مرتب کو کل چودہ نثری تحریریں دستیاب ہو سکیں، اس لیے انھوں نے وہی پیش کر دیں۔ حالانکہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ تھوڑی

سی تگ و دو کر کے اقبال کے مزید مضامین حاصل کر سکتے تھے۔ اس زمانہ میں شائقین اقبال کی بڑی تعداد بقید حیات تھی اور اقبال کے قریبی دوست احباب سے بھی استفادہ کیا جا سکتا تھا، لیکن مرتب نے اس سہولت سے استفادہ نہ کیا، جس کی وجہ سے وہ نہ تو اقبال کے مضامین زیادہ تعداد میں حاصل کر سکے اور نہ حاصل شدہ مضامین اور نثر پاروں کے ماخذ اور سنین کا تعین کر سکے۔ بہر حال مجموعی طور پر وہ تصدق حسین تاج کی اس کاوش کو قابل تحسین گردانتی ہیں کہ انھوں نے اقبال کے مضامین ایک مجموعے کی صورت میں چھاپنے میں پہل کی ہے۔

مضامینِ اقبال کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں تصدق حسین تاج کے صاحبزادے اقبال حسین کی دلچسپی سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں پہلے ایڈیشن کے چودہ مضامین اور تین نئے نثر پاروں کا اضافہ کیا گیا۔ اس میں تصدق حسین تاج کا ''پیش لفظ'' اور غلام دستگیر رشید کا دیباچہ شامل ہے۔ اس ایڈیشن میں اقبال کی حالات زندگی کے سلسلے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں اور ماخذ اُردو انسائیکلوپیڈیا بتایا گیا ہے۔

اس ایڈیشن میں اضافہ شدہ نثر پارے ''اقبال کے ایک غیر مطبوعہ انگریزی خطبہ کا اُردو ترجمہ، خطبہ صدارت اور ''حیات بعد موت کا اسلامی نظریہ'' ہیں۔

اس طرح مضامین اقبال میں دوسری اشاعت کے بعد نثر پاروں کی کل تعداد سترہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اُردو نثر پاروں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا، کیونکہ نئی تحریروں میں سے دو انگریزی نثر پاروں کے تراجم ہیں۔ صرف ایک تحریر ''خطبہ صدارت'' اُردو کی ہے۔ اس طرح اُردو مضامین کے حوالے سے مضامینِ اقبال (طبع اوّل، دوم) میں اُردو مضامین کی تعداد پانچ بنتی ہے۔ اس کے بعد مصنفہ نے مقالاتِ اقبال (طبع اوّل، دوم) کا تعارف پیش کیا ہے۔

مضامینِ اقبال کی اشاعت کے بعد ۱۹۶۳ء میں سیّد عبدالواحد معینی نے مقالاتِ اقبال کے نام سے اقبال کے مضامین شائع کیے۔

سیّد عبداللہ کا مقدمہ بعنوان ''جسارت'' اور مرتب کا ''پیش لفظ'' شامل ہیں۔ آخر میں

تین صفحات کا صحت نامہ درج ہے۔

سیّد عبداللہ نے مقدمہ میں اقبال کی نثر نگاری کی مختلف خصوصیات بتانے کے بعد یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے مضامین کا آغاز ۱۹۰۲ء سے ہوا، لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ پہلا مضمون کون سا لکھا گیا ہے: مرتب نے پیش لفظ میں اقبال کی شخصیت اور فکر میں ان کے نثری مضامین کی اہمیت پر بحث کی ہے اور مقالاتِ اقبال میں شامل مقالات کے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔

اس مجموعہ مضامین میں شامل بیشتر تحریریں قبل ازیں مضامینِ اقبال میں شائع ہو چکی ہیں۔ مقالاتِ اقبال طبع اوّل میں اضافہ شدہ مضامین ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' ۱۹۰۲ء، اقبال کے دو خطوط ایڈیٹر وطن کے نام ۱۹۰۵ء، ''خلافت اسلامیہ'' ۱۹۰۸ء، ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' ۱۹۱۰ء، ''پین اسلام ازم'' ۱۹۱۱ء، ایک دلچسپ مکالمہ ۱۹۱۴ء (تصوف کے موضوع پر)، ''اسرار خودی اور تصوف'' ۱۹۱۶ء سر اسرار خودی ۱۹۱۶ء ''تصوف وجودیہ'' ۱۹۱۶ء ''جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ'' ۱۹۱۷ء، محفل میلاد النبیؐ (تقریر)، تقاریظ بر تصانیف جناب فوق مرحوم ۱۹۲۴ء، اراکین انجمن حمایت اسلام کے نام (تقریر)، ''اسلام اور علوم جدیدہ، خطبہ عید الفطر ۱۹۳۲، شامل ہیں۔

اس طرح مقالاتِ اقبال کے اوّلین ایڈیشن میں مضامینِ اقبال کی نسبت نثر پاروں کی تعداد خاصی زیادہ ہے، اگر چہ ان اضافہ شدہ نثر پاروں میں سے با قاعدہ اُردو مضامین زیادہ نہیں ہیں، کیونکہ ان میں بیشتر انگریزی مضامین کے تراجم، تقاریر اور خطبات ہیں۔ گویا اضافہ شدہ تیرہ نثر پاروں میں سے اُردو مضامین صرف چھ ہیں۔

مقالاتِ اقبال طبع دوم ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ اس اشاعت پر مرتبین کی حیثیت سے سیّد عبدالواحد اور محمد عبداللہ قریشی کے نام درج ہیں۔ آخری تین صفحات پر مشتمل ''صحت نامہ'' کو حذف کر دیا گیا ہے۔ مقالاتِ اقبال کی دوسری اشاعت میں تقریباً نو نثر پاروں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مرتبین نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ محمد عبداللہ قریشی نے مقالاتِ

اقبال کی اس اشاعت میں کس حد تک معاونت کی ہے۔ اضافہ شدہ نو مضامین ''علم ظاہر و باطن'' ۱۹۱۶ء ''اسلام اور تصرف'' ۱۹۱۷ء، ''اسلام ایک اخلاقی تصور کی حیثیت میں''، ''شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' ۱۹۲۸ء حکمائے اسلام کے عمیق مطالعے کی دعوت (صدارتی خطبہ) ۱۹۲۸ء حکمرانی کا خداداد حق'' ۱۹۲۸ء، ''لسان العصر اکبر کے کلام میں ہیگل کا رنگ'' (انگریزی مضمون کا اُردو ترجمہ)، ''افغانستان جدید'' (اُردو ترجمہ) اور اسلام کا مطالعہ زمانہ حال کی روشنی میں (سیّد محمد سعید الدین جعفری کو ۱۹۳۳ء ۱۴ نومبر لکھا گیا خط اس ایڈیشن میں شامل ہیں۔ مقالاتِ اقبال کی دوسری اشاعت میں اضافہ شدہ نو نثر پاروں میں سے اصلاً اُردو مضمون صرف ایک ''پیش لفظ یا خط کی صورت میں ہیں، یا پھر کسی انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ یا تلخیص ہیں۔ اس جائزے سے پتا چلتا ہے کہ مقالاتِ اقبال (طبع اوّل، دوم) میں اصلاً اُردو مضامین کی تعداد سات ہے۔

مصنفہ نے عبدالواحد معینی کے طبع اوّل کے دیباچہ میں تحریر کردہ بات کہ انگریزی مضامین کے اصل متن دستیاب ہونے پر تراجم متن سے خارج کر دیے جائیں گے پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں سات انگریزی مضامین کے تراجم اور ایک خط شامل ہے، لیکن ان تراجم کی شمولیت کی وجوہ کہیں تحریر نہیں کی گئیں۔ حالانکہ یہ بے حد ضروری تھا۔ مصنفہ تحقیقی انداز سے کام لیتے ہوئے انکشاف کرتی ہیں کہ:

> محمد عبداللہ قریشی نے ''حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت'' اور ''علم ظاہر و باطن'' وغیرہ مضامین انوارِ اقبال سے نقل کیے ہیں، کیونکہ بشیر احمد ڈار نے ان مضامین پر جو تمہیدی نوٹ لکھتے ہیں، محمد عبداللہ قریشی نے انھیں جوں کا توں نقل کرلیا ہے، مگر قوسین میں انوارِ اقبال کے بجائے مرتب نے اپنا حوالہ دیا ہے۔ یہ علمی دیانت کے منافی ہے، جس کا ازالہ ہونا چاہیے۔ [۲۵]

محمد عبداللہ قریشی نے اس اشاعت میں اضافہ شدہ نثر پاروں کے ماخذ کا تذکرہ نہیں کیا اور متن میں بھی تصرفات کیے گئے ہیں۔ ضروری حواشی اور توضیحات کا اضافہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مرتب نے کسی مقام پر بھی اس کی وضاحت نہیں کی۔

انوارِ اقبال بنیادی طور پر مضامین کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس میں اقبال کی متفرق تحریریں شامل ہیں، مثلاً خطوط، تقاریظ، مضامین، تقاریر اور بیانات وغیرہ۔ اس مجموعہ نثر میں خطوط کی تعداد زیادہ ہے۔ اس مجموعہ نثر میں شامل مضامین اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاصے اہم ہیں۔ ان مضامین میں ''سودیشی تحریک اور مسلمان'' (زمانہ، کانپور کے ایڈیٹر کے سوالنامے کے نتیجے میں اقبال کا جواب ہے جو انھوں نے کیمرج سے بھیجا تھا۔ مئی ۱۹۰۶ء کے شمارے میں شائع ہوا)، ''اقبال سے مجید ملک کی ملاقات کا حال'' (اس میں مجید ملک نے اقبال سے ملاقات کا خیال بیان کیا ہے، لہٰذا یہ اقبال کا تحریری نثر پارہ نہ ہونے کی بنا پر مضامین کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔)، مذہب اور سیاست کا تعلق (یہ بھی با قاعدہ مضمون نہیں ہے)، اقبال کی تقریر، ''نبوت پر نوٹ''، ''حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت''، ''علم ظاہر و علم باطن'' اور مسلمانوں کا امتحان (محمد دین فوق کے اسلامی تصوف سے متعلق سوالات کے جوابات) شامل ہیں۔

اس طرح انوارِ اقبال میں اُردو مضامین کی تعداد چار ہے۔ یعنی ''سودیشی تحریک''، ''نبوت پر نوٹ''، ''علم ظاہر و علم باطن'' اور ''مسلمانوں کا امتحان''۔

اقبال کے نثری افکار [۲۶] میں خلیق انجم کے پیش لفظ اور عرض مرتب شامل ہیں۔ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں اُردو مضامین اور دوسرے حصے میں انگریزی مضامین کے تراجم کو پیش کیا گیا ہے۔ مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کرتے وقت مرتب نے کچھ زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا، کیونکہ حصہ اوّل میں تین تحریریں انگریزی تحریروں کے تراجم ہیں۔ اگر انھیں اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً ان تین تحریروں کو بھی حصہ دوم میں شامل کرتے۔

مصنفہ نے خالص تحقیقی طریقہ کار اور حوالہ جات کی مدد سے اس کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ کتابت اور دیگر اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ مرتب نے اس مجموعہ میں شامل مضامین کے ماخذ مقالاتِ اقبال، انوارِ اقبال اور گفتارِ اقبال کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ

بیشتر نثر پارے مذکورہ مجموعوں سے اخذ کیے گئے ہیں اور حوالہ جات کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔

اقبال کے اُردو مضامین کے حوالہ سے اس مجموعے کا جائزہ لیا جائے تو اس مجموعے میں اقبال کا کوئی نو دریافت نثر پارہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اقبال کے نثری افکار میں کوئی مضمون ایسا نہیں جو اصلاً اُردو نثری مضمون ہو اور وہ پہلی بار اس مجموعے میں شائع ہوا ہو۔

اقبال کی نثری تحریروں کے تمام مجموعوں کا جائزہ لینے پر اقبال کے اُردو مضامین کی تعداد سترہ بنتی ہے۔

مصنفہ نے دو مضامین ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' اور ''اُردو زبان پنجاب میں'' کے اصل متون سے تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جو ترامیم یا تصرفات مضامینِ اقبال کے متن میں نظر آتی ہیں، وہی جوں کی توں مقالاتِ اقبال (طبع اوّل، دوم) اور اقبال کی نثری افکار میں دہرادی گئی ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مقالات اقبال اور اقبال کے نثری افکار کے مرتبین نے ثانوی ذرائع سے استفادہ کیا ہے۔

اقبال کے جن اُردو مضامین کے متن دستیاب ہوئے مصنفہ نے ان کا جائزہ پیش کیا اور مصنفہ کے پیش کردہ جائزے سے اس امر کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف مجموعہ ہائے مضامین میں اصل متن کے برخلاف متعدد تبدیلیاں کی گئی ہیں اور صحت متن کا خیال نہیں رکھا گیا۔

مصنفہ نے ''علامہ اقبال کے اُردو مضامین کی اہمیت'' کے عنوان کے تحت اقبال کے سترہ اُردو مضامین کو ان کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ان کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے اقبال کے ان اُردو مضامین کو چار مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلے ملی و عمرانی مسائل پر مشتمل مضامین ''بچوں کی تعلیم و تربیت''، ''قومی زندگی''، ''سودیشی تحریک اور مسلمان''، ''شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ''، ''خطبہ صدارت''، ''خطبہ عید الفطر'' ۱۹۲۲ء''، ''نبوت پر نوٹ'' اور ''جغرافیائی حدود اور مسلمان'' ۱۹۳۸ء پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ عمرانی مسائل میں اقبال تعلیم کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ اس ضمن

میں ان کا مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' بہت اہم ہے۔ ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' ایک ٹیکنیکی موضوع ہے۔ جس میں بچے کی نفسیات کو مدنظر رکھ کر اس کی تعلیم و تربیت کے مختلف امور سے بحث کرتے ہوئے اقبال نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے دس گیارہ علمی اصول وضع کیے ہیں۔ اگرچہ یہ علمی موضوع ہے مگر اندازِ بیان سادہ اور دلچسپ ہے۔ اقبال کے اس مضمون میں جابجا گفتگو اور مکالے کا پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ اکثر جگہ انداز تشریحی اور مدرسانہ نوعیت کا ہے، مگر ناگوار نہیں گزرتا۔

''قومی زندگی'' ایک جذباتی انداز کا مضمون ہے، مگر مصنف نے جذبات و تخیل کی رو میں بہہ کر حقیقی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا۔ ان حقیقی اور تلخ حقائق کو دردمندانہ پیرائے میں سادگی و سلاست اور روانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کا نقشہ فکری انداز میں کھینچا ہے۔ قدیم و جدید اقوام کی ترقی کے اسباب کا ذکر کرنے کے بعد وہ ہندوستان کی مایوس کن حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ قوم اپنی زندگی اور عظمت کے باوجود اپنی معمولی معمولی ضروریات کے لیے اقوام غیر کی محتاج ہے۔ اسلوبیاتی سطح پر یہ مقالہ اپنے دامن میں بہت سی فنی خصوصیات سمیٹے ہوئے ہے۔ جذبے اور فکر کی آمیزش نے اس مضمون کے اسلوب میں سلاست اور روانی پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا یہ مقالہ گہرے ملی و عمرانی مسائل کے ساتھ ساتھ اسلوبیاتی خصوصیات بھی رکھتا ہے۔

''سودیشی تحریک اور مسلمان'' اقبال کا ایک فکری اور حقیقت پسندانہ نوعیت کا مضمون ہے۔ اس تحریک کے سلسلہ میں انھوں نے جوش سے نہیں، ہوش سے کام لیتے ہوئے اس کی افادیت اور نقصان پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے۔ مصنفہ نے اس مضمون میں موجود اقبال کے اہم نکات کو اجمالاً پیش کیا ہے۔ اقبال نے سودیشی تحریک کو عملی صورت دینے کے لیے کچھ آرا فراہم کی ہیں۔ علاوہ ازیں اس تحریک کی کامیابی کے لیے سرمائے کی فراہمی کے مسئلے کے بارے میں بھی اہم تجاویز پیش کی ہیں۔

مضمون ''شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' اقبال کے عورتوں کے بارے میں

تصورات سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اقبال آزادیِ نسواں کے خلاف تھے کیونکہ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ عورتوں کے مسائل کے حل کے لیے اسلامی قانون کی عدالتیں قائم کرنے کی تجویز سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں عورتوں کے مسائل سے گہری دلچسپی تھی۔ اقبال نے ۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور کی صدارت کی تھی۔ اس موقع پر دیا گیا ایک طویل اور تجزیاتی خطبہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاصا اہم ہے۔
''خطبہ عید الفطر'' میں اقبال نے اس اسلامی تہوار کو منانے کی غرض و غایت پر پرتاثیر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس خطبے میں اقبال نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے صرف اقتصادی پہلو پر ہی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ ''نبوت پر نوٹ'' اور ''جغرافیائی حدود اور مسلمان'' بھی اقبال کے بہت اہم مضامین ہیں۔

ملی و عمرانی مضامین کا جائزہ لینے کے بعد مصنفہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قومی زندگی کے مختلف موضوعات کو پیش کرنے کے لیے اقبال نے جو نثر لکھی وہ اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں کسی قسم کا اُلجھاؤ اور ابہام نہیں ہے۔ ان تمام مضامین میں صاف گوئی، بے خوفی اور بے باکی کی خصوصیات ہیں۔ اقبال نے قومی و ملی اور فلسفیانہ موضوعات کو جس انداز میں پیش کیا ہے وہ اردو مضمون نگاری کی روایت میں خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد لسانیات پر مبنی مضامین، زبان اُردو اور ''اُردو زبان پنجاب میں'' کا جائزہ لے کر ان کی اہمیت پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اقبال کے یہ مضامین انھیں ماہر لسانیات اور ایک اچھا نقاد ثابت کرتے ہیں۔

اقبال کا پہلا مضمون وانٹ برجنٹ کے مضمون کا ترجمہ ہے جو اقبال نے شوق اور دلچسپی سے کیا۔ اس مضمون میں جو خیالات پیش کیے گئے ہیں، اگرچہ اقبال کے ذاتی نہیں مگر اس مضمون کے ترجمے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس موضوع کے ساتھ خاص دلچسپی ہے۔ اقبال کا یہ مضمون اسلوب کی خوبصورتی کی بنا پر طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔ ''اُردو زبان پنجاب میں'' اس مضمون سے زبان اور لسانی معاملات پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ اقبال

پر اعتراضات کیے جاتے تھے کہ وہ زبان و بیان کی نزاکتوں کا خیال نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بہت سے الفاظ گرامر کی رو سے درست نہیں۔ جب یہ اعتراضات حد سے بڑھ گئے تو اقبال نے یہ مضمون لکھا جس سے ان کے خیالات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔
اقبال نے علم اللسان کا ماہر نہ ہوتے ہوئے بھی تبدیلی زبان کے عمل سے آگہی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اس مضمون میں اقبال نے اعتراضات کے جو جواب دیے ہیں۔ ان سے اس موضوع پر اقبال کے علم، شعور اور بصیرت کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو انداز اختیار کیا ہے، اس سے تہذیب و شائستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے مصنفہ اقبال کے اس مضمون کو اہمیت کا حاصل قرار دیتی ہیں، جبکہ اس سے زبان کے بارے میں اقبال کے خیالات کا اظہار واضح انداز میں ہوتا ہے۔

پھر مصنفہ نے تصوف اور اسرارِ خودی...... اہمیت و تبصرہ کے زیرِ عنوان اقبال کے تصوف پر مبنی مضامین ''مسلمانوں کا امتحان'' جنوری ۱۹۱۳ء، ایک دلچسپ مکالمہ ۱۹۱۴ء ''اسرارِ خودی اور تصوف''، سرِ اسرارِ خودی، علم ظاہر و علم باطن، تصوف وجودیہ کا جائزہ لیا ہے۔

اقبال نے ''مسلمانوں کا امتحان'' کے عنوان کے تحت تربیت خودی کے دوسرے مرحلے ضبطِ نفس کو ایک مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ اقبال نے اپنی اس مختصر مگر جامع تحریر میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، وصدقات کا ذکر کیا ہے، دقیق اور ثقیل الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ سادہ و دلنشین انداز میں اپنے افکار کا اظہار کیا ہے۔ ''ایک دلچسپ مکالمہ'' بھی تصوف کے موضوع پر ہے۔ اس سے تصوف کے بارے میں اقبال کے بہت سے افکار و خیالات کی وضاحت ہوتی ہے۔

اقبال نے اسرارِ خودی میں ادب اور تصوف کے بارے میں اپنے موقف کے بیان کے ساتھ حافظ کی شاعری کو مسلمانوں کے ذوقِ عمل کے لیے تباہ کن قرار دیا۔ اس پر بہت اعتراضات اٹھائے گئے۔ انھوں نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے نثری مضامین لکھے۔ ''اسرارِ خودی اور تصوف'' اس سلسلے کا پہلا مضمون ہے۔ دوسرا مضمون ''سرِ اسرارِ خودی''

خواجہ حسن نظامی کے چند اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس مضمون سے اسلام اور تصوف کے موضوع پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

تیسرے مضمون ''علم ظاہر و علم باطن'' میں بھی اسرارِ خودی کے معترضین کے جوابات تحریر کیے گئے ہیں۔ ''تصوف وجودیہ'' میں نبی کریمؐ کی اس پیشین گوئی پر بحث کی گئی ہے کہ تین قرنوں کے بعد میری امت میں سمن کا ظہور ہوگا۔ اس مضمون میں اقبال نے ''سمن'' لفظ کی وضاحت جس تحقیقی انداز میں کی ہے وہ اپنی جگہ بے حد اہم ہے۔ اس کے بعد متفرق موضوعات کے حوالے سے ایک نثری مضمون ''اسلام اور علوم جدیدہ'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ نثری تحریر اگرچہ مختصر ہے، مگر اس مختصر سی تحریر سے اسلام اور علوم جدیدہ کے مابین تعلق کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

کتاب کے چوتھے حصے میں اُردو خطوط کے عنوان کے تحت مصنفہ نے اقبال کے اب تک شائع شدہ ۱۶ اُردو خطوط کے مجموعوں کا تذکرہ کیا ہے اور پھر باری باری ان خطوط کے مجموعوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ مصنفہ نے خالص تحقیقی انداز میں حوالوں کے ساتھ اقبال کے اُردو خطوط کے مجموعوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے، جو کہ قابلِ تحسین ہے۔ ان خطوط کے مجموعوں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہوئے مصنفہ نے باری باری ہر مجموعے کی پہلی بار طباعت، صفحات کی تعداد، دوبارہ اشاعت، خطوط کی تعداد وغیرہ کے حوالے سے مفید معلومات نہایت باریکی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ بعض جگہوں پر خطوط پر غلط تاریخوں کے اندراج کی نشاندہی بھی کی ہے۔ بعض جگہوں پر خطوط پر غلط تاریخ کے اندراج کی نشاندہی بھی ہے۔ کتابت واملا کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں تک ہو سکا مصنفہ نے اقبال کے خطوط کے اصل متن اور ان مجموعوں کے متن کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے اور پھر اقبال کے خطوط کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی ہے۔

مصنفہ نے اقبال کے اُردو خطوط کے مجموعوں شادِ اقبال ۲۷ اور اقبال بنام شاد ۲۸ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے ان کا مختصراً تعارف کچھ اس طرح ہے:

اقبال نے اپنی زندگی میں ہزاروں خطوط لکھے لیکن ان کی زندگی میں ان کے خطوط کا کوئی مجموعہ منظرِ عام پر نہ آسکا کیونکہ اقبال اپنے خطوط کی اشاعت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں اوّلیت کا شرف محی الدین زور کو حاصل ہے، جنھوں نے شادِ اقبال کے زیرِ عنوان اقبال کے ۴۹ اور شاد کے ۵۲ خطوط مرتب کر کے شائع کیے۔

اس خطوط کے مجموعے میں محی الدین زور کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں انھوں نے اقبال اور ان کے دوست مہاراجہ سرکشن پرشاد کے باہمی تعلقات اور شاد کی علم دوستی و علم پروری کا تذکرہ کیا ہے۔ تمام خطوط کو تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل خطوط سے اقبال کی شخصیت کے بہت سے پہلو آشکار ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں بعض خطوط پر غلط تاریخوں کے اندراج اور کتابت کی اغلاط کی مصنفہ نے نشاندہی کی ہے۔

اقبال بنام شاد یہ مجموعہ شادِ اقبال کی ہی اشاعت مکرر ہے۔ اس میں اقبال کے ۱۹ دسمبر ۱۹۱۹ء اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے درمیانی زمانے کے ۴ اور ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۶ء کے درمیانی زمانے کے ۴۶، کل ۵۰ مزید خطوط شامل کیے ہیں جو اس سے قبل صحیفہ ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکے تھے۔

مصنفہ نے شاد بنام اقبال میں جگہ جگہ رفیع الدین ہاشمی کے حوالے درج کیے ہیں اور خود ان خطوط کے مجموعوں پر تحقیقی انداز میں روشنی ڈالنے کے بجائے زیادہ تر رفیع الدین ہاشمی کے حوالوں کے ذریعے بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔

عبداللہ قریشی نے صحیفہ میں شامل اپنے طویل مقدمے کو بعینہٖ نقل کر دیا ہے اور سرورق پر محی الدین زور کا نام نہیں دیا حالانکہ یہ ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اقبال کے خطوط کے اوّلین مرتب کا حوالہ دیتے۔ اپنے طویل مقدمے میں بھی انھوں نے شادِ اقبال کے مرتب کے مقدمے سے استفادہ کیا ہے مگر اس کا حوالہ کہیں نہیں دیا۔

اس مجموعے میں کتابت کی زیادہ اغلاط نظر نہیں آتیں۔ عبداللہ قریشی (مرتبہ) نے اگرچہ خاصی دقتِ نظر سے اس مجموعے کو مرتب کیا ہے مگر کہیں کہیں ان سے لغزشیں سرزد ہوئی

ہیں جیسے بعض مقامات پر تعلیقات کی طوالت کی بنا پر اصل خط پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ اور تعلیقات کی طوالت کے باوجود کئی اہم اور مطلوبہ شخصیات کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ تاہم مجموعی طور پر یہ مجموعہ اہم ہے۔

اس کے علاوہ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطا اللہ (حصہ اوّل ۱۹۴۴ء، حصہ دوم ۱۹۵۱ء)، مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین مرحوم (طبع اوّل ۱۹۵۴ء، دوم ۱۹۸۶ء) مکتوباتِ اقبال مرتبہ سیّد نذیر نیازی (اوّل ستمبر ۱۹۵۷ء، دوم اکتوبر ۱۹۷۷) انوارِ اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار (اوّل مارچ ۱۹۶۷ء، دوم ۱۹۷۷ء) مکاتیبِ اقبال بنام گرامی مرتبہ محمد عبداللہ قریشی (اوّل اپریل ۱۹۶۹ء، دوم جون ۱۹۸۱ء)، خطوطِ اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی (اوّل ۱۹۷۶ء، دوم ۱۹۷۷ء) خطوط اقبال بنام بیگم گرامی مرتبہ سیّد حمید اللہ شاہ ہاشمی (اوّل جنوری ۱۹۷۸ء) اقبال ...... جہان دیگر مرتبہ محمد فرید الحق (اوّل ۸ جولائی ۱۹۸۳ء) کلیات مکاتیبِ اقبال (جلد اوّل ۱۹۸۹ء طبع دوم ۱۹۹۱ء، جلد دوم ۱۹۹۱ء سوم ۱۹۹۳ء) مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی اور مکاتیب سر محمد اقبال بنام سید سلیمان ندوی (۱۹۹۲ء) مرتبہ سید شفقت رضوی شامل ہیں۔

رفیع الدین ہاشمی کے مرتبہ مجموعہ خطوطِ اقبال میں اقبال کے ایک سو گیارہ خطوط شامل ہیں، جن میں سے اُردو کے ۹۱، انگریزی کے ۱۹ اور عربی کا ایک خط شامل ہے۔ اس مجموعے کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ اس میں اقبال کے ۹ اُردو اور انگریزی خطوط کی عکسی نقول بھی شامل ہیں۔ رفیع الدین ہاشمی (مرتبہ) نے صحت متن کی اہمیت پر زور دیا ہے اور مثالوں کے ذریعے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> میں نے اوّل تو خطوط کی عکسی نقول مہیا کرنے کی کوشش کی اور جس قدر خطوں کی عکسی نقول مل سکیں، اسے سامنے رکھ کر، خطوط کے متون نقل کرنے میں حتی الامکان پوری احتیاط سے کام لیا یہاں تک کہ حضرت علامہ کا اصل املا بھی جوں کا توں برقرار رکھا ہے.......... پھر جن خطوط کی عکسی نقول دستیاب نہیں ہو سکیں، دوسرے ذرائع سے امکانی حد تک ان کا صحیح متن دریافت کرنے کی سعی کی

> گئی، اس کے باوجود کئی خطوط کے دو دو متن ملے چنانچہ نسبتاً زیادہ قابل ترجیح متن اختیار کر کے اختلافات کی نشاندہی حواشی میں کر دی گئی۔ [۲۹]

مصنفہ اُردو اکادمی، دہلی کی طرف سے شائع کردہ کلیات مکاتیبِ اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی، کی تین جلدوں کا تفصیلی تعارف اور تجزیہ کرنے کے بعد لکھتی ہیں کہ تحقیق کا کام حد درجہ محنت، جانفشانی اور عرق ریزی کا طلب ہوتا ہے کلیات مکاتیبِ اقبال کے تفصیلی و تنقیدی جائزے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کلیات کاملاً معیاری نہیں ہے۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

> کلیات مکاتیبِ اقبال کی اب تک جتنی جلدیں منظر عام پر آئی ہیں وہ اگر ایک لحاظ سے اہم ہیں تو دوسری طرف ان میں موجود تصرفات و اغلاط کو دیکھتے ہوئے از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت کا احساس دوچند ہو جاتا ہے۔ تاہم سیّد مظفر حسین برنی اس حوالے سے لائق ستائش ہیں کہ انھوں نے مشکل اور وسیع کام کو سمیٹ کر اقبالیان کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔ [۳۰]

مصنفہ نے مختلف حوالہ جات کی مدد سے اقبال کے خطوط کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> علامہ کے خطوط تین لحاظ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں:
>
> ۱۔ ان کے شعری افکار کی توضیح و تشریح کے لیے۔
>
> ۲۔ ان کے خیالات کے تدریجی ارتقا اور پس منظر کی وضاحت کے لیے۔
>
> ۳۔ ان کے سوانحی حالات، کردار و شخصیت کو سمجھنے کے لیے۔ [۳۱]

اقبال کے خطوط سوانحی، جذباتی اور فکری اہمیت سے قطع نظر اسلوب کی خوبصورتی اور نثر کی شگفتگی سے بھرپور ہیں۔ اور ان خطوط سے اقبال کی ایک مستند سوانح مرتب کی جا سکتی ہے۔

کتاب کے پانچویں حصے میں مصنفہ نے اپنی کتاب نگارشاتِ اقبال کا تعارف پیش کیا ہے۔ یہ کتاب اقبال کی متفرق نثری تحریروں پر مشتمل ہے اور مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا دیباچہ رفیع الدین ہاشمی نے تحریر کیا ہے۔ مقدمے میں مصنفہ نے اقبال کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اقبال کی تحریروں میں سے

مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

کتاب کے چھٹے حصے میں اقبال کے نثری اسلوب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس حصے میں مصنفہ نے سیّد عبداللہ، خواجہ محمد زکریا، عبادت بریلوی، خود اقبال کی آرا اور مثالوں کے ذریعے ان کی علمی نثر کے اسلوب کو آسان'' سہل، دلچسپ اور جلالی جمالی صفات کا حامل بتایا ہے۔

آخر میں مصنفہ یہ نتیجہ نکالتی ہیں کہ اقبال کی تمام نثری تحریریں کسی نہ کسی زاویے سے ان کی شخصیت، فن، ذکر وفکر اور خیالات ونظریات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ بعض نثر پاروں کی ادبی دنیا میں زیادہ اہمیت نہ بھی ہو مگر وہ چونکہ اقبال کے قلم سے نکلے ہیں۔ اس لیے ان تبرکات کی اپنی ایک افادیت واہمیت ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زیب النساء بیگم کی تصنیف اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ اقبال کی تمام اُردو نثر کے مکمل تعارف وتجزیہ کا احاطہ کرتی ہے۔

اقبال — مسلم فکر کا ارتقاء [۳۲]

تاریخی نوعیت کی اس کتاب میں مسلم فلسفیانہ افکار کی تاریخ کو اقبال کے حوالے سے لکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ اقبال مختلف مسلم فلسفیانہ تحریکوں اور مفکرین کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کتاب میں موجودہ تاریخ ان بیانات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے جو اقبال کی دونوں نثری تصانیف یعنی ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا اور اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیلِ نو میں ملتے ہیں۔

اس کتاب میں سب مسلم مفکرین پر تبصرہ موجود نہیں، صرف ان مفکرین کو شامل کیا گیا ہے جن کا ذکر اقبال کی دونوں تصانیف میں ملتا ہے۔ بعض ایسے فلسفی جن کی عموماً فلسفے کی تاریخ میں اہمیت بھی ہے اور ذکر بھی کیا جاتا ہے لیکن انھیں اس کتاب میں نظر انداز کیا گیا ہے مثلاً الکندی، الفارابی، ابن طفیل وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب اقبال کے حوالے سے مرتب کی گئی ہے۔ اقبال مسلم افکار کی تاریخ میں ایک خصوصی وحدت اور منطق دیکھتے ہیں اور اسی نقطۂ نظر سے مفکرین کا حوالہ دیتے ہوئے بعض پر تفصیلی اور بعض پر سرسری گفتگو کرتے ہیں

اور چند ایک کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہیں۔

کتاب کے مشمولات پر نگاہ دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم افکار پر بحث حصہ دوم میں پانچ ابواب کی شکل میں کی گئی ہے، جن کے عنوان فکری تحریکوں سے منسوب ہیں۔ یعنی نو افلاطونی ارسطاطالیت جس میں ابن مسکویہ اور بوعلی سینا کا تذکرہ موجود ہے۔ دوسرے باب کا عنوان اسلامی عقلیت پسندی ہے جس کے تحت معتزلہ اور پھر اشاعرہ کی شکل میں ان کے ردِعمل کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔ چوتھے باب میں حقیقت پسندی اور مثالیت کی بحث اٹھائی گئی ہے۔ پانچویں باب میں تصوف کی ابتدا، قرآنی جواز اور مابعد الطبیعات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور چھٹے باب میں بعد کے ایرانی افکار کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس تصنیف کا موضوع اس بات کا متقاضی تھا کہ اس میں مابعد الطبیعات کو بنیاد تقسیم بنایا جائے۔ مصنفہ نے اقبال کے نقطۂ نظر سے مسلم افکار کی انفرادیت اور تسلسل کو دریافت کرنے کی غرض سے مسلم حکما کو عقلیت پسند، متکلمین، اسنادی متکلمین، صوفیا اور عقلیت پسند مفکرین میں تقسیم کیا ہے۔

اس تقسیم کے علاوہ اس کتاب کی ابتدا میں ایک نسبتاً طویل باب بعنوان'' اقبال اور یونانی فلسفہ'' شامل کیا گیا ہے۔ اس کا سبب یونانی افکار کا مسلم فلسفے اور فکر سے ایک خصوصی اور منفرد تعلق ہے جس کا تذکرہ اقبال بھی اپنی دونوں نثری تصانیف میں جابجا کرتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک طرف کو مسلم افکار اور یونانی فلسفے کے باہمی تعلق کا جائزہ لیا جائے اور دوسری طرف اقبال کے نقطۂ نظر سے اس تعلق کا تجزیہ کیا جائے۔ لہٰذا مصنفہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس کتاب کا اوّلین باب اقبال اور یونانی فلسفے کے لیے مختص کیا ہے۔

البیرونی، عراقی، ابن تیمیہ اور ابن خلدون کو ایک علیحدہ گروہ کی شکل دی گئی ہے۔ یہ بنیادی طور پر فلسفی نہیں تھے لیکن اس کے باوجود اس جائزے میں مصنفہ نے انھیں نظر انداز نہیں کیا کیونکہ اقبال ان کا ذکر کرتے ہیں اور کے مجموعی ارتقا میں ان کے کردار کو تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب کے آخری باب بعنوان حاصل بحث میں ساری تاریخی تحقیق وتفتیش کا نچوڑ پیش

کیا گیا ہے جو اس باطنی تسلسل و ارتقا کی نشاندہی کرتا ہے جو اقبال کو مسلم فلسفے اور افکار کی تاریخ میں مجموعی طور پر جاری وساری دکھائی دیتا ہے۔

پہلے باب ''یونانی فلسفہ'' میں مصنفہ نے اقبال کے مسلمان حکما کی سوچ پر یونانی اثرات کے تجزیے کا جائزہ دو زاویوں انفرادی اور عمومی سے لیا ہے۔ مصنفہ نے انفرادی اور عمومی زاویوں سے مطالعے کے نتائج، ان کی ہم آہنگی اور مقدمات کی صحت کو پرکھا ہے اور آخر میں یہ نتیجہ مرتب کیا ہے کہ مجموعی طور پر اقبال یونانی فکر کو کس رنگ میں دیکھتے ہیں۔ مصنفہ نے اقبال کے نقطۂ نظر کے مطابق اولاً سقراط، افلاطون اور ارسطو کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کی جانب اقبال کے رویے کو بیان کیا ہے وہ لکھتی ہیں:

> لاہو را قبال سقراط، افلاطون اور ارسطو کے علاوہ ابتدائی یونانی مفکرین کا ذکر بھی ''اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو'' میں کرتے ہیں۔ ان میں ہیراکلائیٹس، زینو اور ڈیموکرائیٹس کے نام شامل ہیں۔ مگر ان کے افکار کے لیے بھی اقبال مائل بہ کرم نہیں ہیں۔ ۴۳

مصنفہ نے اقبال کے یونانی فلسفے کے بارے میں رویے کے مختلف پہلوؤں کا جو تجزیہ کیا ہے اس کا لب ولباب یہ ہے کہ اقبال عمومی طور پر یونانی فلسفے کو ایک خاص رجحان کا غماز اس لیے سمجھتے تھے کہ اس کا غالب رنگ (سوائے ابتدائی اور ارسطو کے دور میں کسی حد تک) داخلیت پسندی، درون بینی اور مکمل طور پر عقلیت پسندی کا ہے اور یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ تمام رویے قرآن کی روح کے عین منافی ہیں جو داخل کے علاوہ خارج، انسان کے علاوہ کائنات، داخلی تجربے اور تفکر کے شانہ بشانہ حواسی ادراک اور مشاہدے پر زور دیتی ہے۔ اس طرح اقبال یونانی ذہن کی گہرائی اور عظمت کے معترف ہوتے ہوئے بھی مجموعی طور پر یونانی فکر سے کوئی خاص یگانگت محسوس نہیں کرتے، بلکہ اسے قرآن کے اصل پیغام کو مسخ کرنے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

حصہ دوم کے عنوان متکلمین کو دو ابواب '' معتزلہ (عقلیت پسند متکلمین) '' اور ''اشاعرہ'' میں منقسم کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں مصنفہ نے معتزلہ کی تاریخ اور ان کے

مختلف نظریات کو اقبال کی تصنیف ایران میں ما بعد الطبیعات کا ارتقاء کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اقبال کی دونوں تصانیف سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مجموعی طور پر معتزلہ کے نظریات کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اقبال معتزلہ کو ایک طرف عقلیت پسند اور دوسری طرف مادیت کا علمبردار تصور کرتے ہیں۔

اس باب سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اقبال کے نزدیک معتزلہ مسلمانوں کا وہ مکتبِ فکر ہے جس کے نظریات میں سے کچھ سچائی کے حامل تھے اور انھوں نے بعد میں ظاہر ہونے والے مکتبہ ہائے فکر پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ مگر مجموعی طور پر وہ چند بنیادی کوتاہیوں کی بنا پر مسلمان ذہن کو منفعیت، تشکیک اور انتشار کی جانب لے گئے اور اس کا ایک بہت بڑا سبب ان کا یونانی فلسفے اور قرآنی تعلیمات کے تناقص کو نظر انداز کرنا تھا۔

تیسرے باب ''اشاعرہ'' میں اقبال کے اشاعرہ کے متعلق نظریات وتصورات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقبال کے نقطہ نظر سے اشاعرہ کے نظریۂ جواہر کی اہمیت نہ صرف ماضی میں تھی جب وہ یونانی افکار کے خلاف ردِعمل کا اظہار تھا، بلکہ حال اور مستقبل میں بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو کے لیے اشاعرہ کی جوہریت وہ روش متعین کرتی ہے جس پر جدید فزکس کی روشنی میں کام ہونا چاہیے۔

> اشاعرہ کا نظریہ یونانیوں کے نظریہ جوہر کے خلاف ایک شدید ردعمل تھا اور اس سے میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہوا۔ اس نظریے کے مطابق اشاعرہ نے زمان ومکان اور حرکت کے بارے میں بھی انقلابی خیالات کا اظہار کیا۔ ۴۴

''اشاعرہ'' کے نقطۂ نظر کے مطابق اس کائنات میں رونما ہونے والے ہر واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کی فعلیت کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ اس لحاظ سے ''اشاعرہ'' کا نظریہ جواہر کائنات کے بارے میں ایک جداگانہ تصور کی اساس فراہم کرتا ہے۔ اقبال نے اپنے خطبات میں اشاعرہ کے فکر کے اس پہلو پر بطور خاص تحقیق کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اقبال کا موقف یہ ہے کہ اشاعرہ کی سوچ میں کئی خامیاں ہیں اور وہ ان خامیوں کا ذکر

کھل کر کرتے ہیں، لیکن وہ ان کے نظریۂ جوہریت کو اسلامی فکر کی تشکیل نو کے لیے بے حد اہم تصور کرتے ہیں کیونکہ یہ نظریہ نہ صرف جدید سائنسی نظریات سے بے حد مماثلت کا حامل ہے بلکہ قرآن کی روح کا صحیح عکاس بھی ہے۔ جوریت کے علاوہ اقبال کو اشاعرہ کا نظریہ تخلیق مرغوب دکھائی دیتا ہے جو ایک طرف قرآنی تصورات سے ہم آہنگ ہے اور دوسری طرف یونان کے بے جا اثر و نفوذ سے مسلمان ذہنی کی رہائی کی علامت ہے۔ اسی لیے اقبال کی رائے میں مذہبی فکر کی تشکیل نو کو یہی روش اختیار کرنی چاہیے اور اسی سمت میں آگے بڑھنا چاہیے۔ مصنفہ اقبال اور اشاعرہ کی قدر مشترک یعنی مذہبی شعور اور مذہبی فکر کو ہم آہنگ کرنے کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک فرق واضح کرتی ہیں کہ ''اشاعرہ'' کا نصب العین محض روایتی مذہبی عقائد کا تحفظ ہے جبکہ اقبال مذہبی فکر کی تشکیل نو کے خواہاں ہیں۔

حصہ سوئم ''تصوف اور صوفیا'' کو دو ابواب ''تصوف'' اور ''تصوف کی مابعد الطبیعات'' میں بانٹا گیا ہے۔

چوتھے باب میں اقبال کے تصوف کے بارے میں نظریات اور پانچویں باب میں طویل بحث کے بعد اس نتیجے کا بیان ہے کہ اقبال تصوف کی علمی خوبیوں کے قائل ہیں، لیکن بطور تاریخی قوت اور معاشرتی رویے کے اس کے بدنتائج اقبال کی نظر میں ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک صوفیانہ تجربہ محض علمی نوعیت کا حامل نہیں، اس کا مقصد صرف ادراکی بصیرت نہیں بلکہ عملی ہے۔ پھر ابن مسکویہ، ابن سینا، الغزالی، ابن رشد، البیرونی، عراقی، ابن تیمیہ اور ابن خلدون کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال انھیں کس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔

مصنفہ نے آخری باب ''حاصل بحث'' میں ساری کتاب کی تاریخی تحقیق و تفتیش کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ اقبال یونانی افکار کو دنیائے اسلام کے لیے ایک توانا تہذیبی قوت قرار دیتے ہیں مگر قرآنی روح اور کلاسیکل سوچ کے درمیان بعد کی وجہ سے وہ اس کے اثرات کو کئی لحاظ سے مایوس کن بھی تصور کرتے ہیں۔

اقبال ''اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو'' کے پہلے خطبے میں غزالی کی اس کوشش پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہ وہ مذہب کی عمارت کو فلسفیانہ تشکیک کی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں تشکیک بطور ایک مذہبی بنیاد کے غیر محفوظ تصور کرنی چاہیے۔ اقبال غزالی کے سب سے بڑے مد مقابل ابن رشد کے لیے بھی کسی قسم کی گرمجوشی کا اظہار نہیں کرتے۔ ان سے اقبال کو گلہ ہے کہ وہ ایک ایسے فلسفۂ حیات کو پروان چڑھانے کا باعث بنا جو انسان کی اپنی ذات، خدا اور کائنات کے سلسلے میں انتشار ذہنی کو جنم دیتا ہے۔

اقبال کے نزدیک ''اشاعرہ'' میں سے کچھ جو زیادہ تعمیری تھے صحیح راستے پر گامزن تھے اور انھوں نے کئی جدید تصورات کو وقت سے پہلے پیش بھی کیا۔ مگر مجموعی طور پر اس تحریک کا مقصد یونانی جدلیات کے طریق کار کے توسط سے محض روایت پسند آرا کو تحفظ بہم پہنچانا تھا۔ ان کی رائے میں معتزلہ میں سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ وہ علم کی صحیح نوعیت تک نہیں پہنچ سکے۔ اقبال کے نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے ہاں جوہریت کی نشو و نما اس بغاوت کی پہلی نشانی ہے جو بتدریج یونانی فلسفے کے خلاف ظاہر ہوئی۔

اقبال ''اشاعرہ'' کے نظام فکر میں مادی جواہر اور زمانی جواہر کو ایک دوسرے سے بالکل جدا قرار دیتے ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کے نامیاتی تعلق کو تسلیم نہیں کرتے۔ البیرونی کے تفاعل کے جدید حسابی (ریاضیاتی) تصور کا جائزہ لیتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں حساب و ریاضی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ارتقائے حیات کا تصور بتدریج وجود میں آنے لگا۔ جاحظ نے سب سے پہلے پرندوں کی زندگی میں ہجرت سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا۔ بعد میں ابن مسکویہ نے جو البیرونی کا ہمعصر تھا اس نظریے کو باقاعدہ شکل دی۔ مصنفہ کی اس ساری بحث سے عیاں ہے کہ اقبال کے نزدیک مسلم افکار کے تمام راستے کائنات کے متحرک تصور کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس تصور کو ابن مسکویہ کے نظریہ ارتقا سے مزید تقویت ملتی ہے۔

اقبال نے مختلف مسلم حکما کے افکار کے تجزیے کے ذریعے اسلامی فکر کی یونانی فلسفے سے

بتدریج رہائی اور خود مختاری کے عمل کو اجاگر کیا ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ اقبال اور فلسفے کی تاریخ کو ایک تسلسل کی شکل میں دیکھتے ہیں جو محض بکھرے ہوئے افکار کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مربوط وحدت ہے۔ اس کے تسلسل کو ارتقائی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ یونانی فلسفے کی غلامانہ پیروی سے بتدریج آزادی، انفرادیت اور جدت کی منزل کی طرف رواں دواں رہا اور اس کی بنیادی وجہ وہ نظریاتی اختلاف تھا جو یونانی فلسفے اور قرآن کی روح کے درمیان یونانی ذہن اور مسلمانوں کی طبع کے درمیان موجود تھا۔ جس نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو واضح کیا اور جو یونانی تفکر کی نسبت جدید علوم کے تصورات سے زیادہ مطابقت رکھتا تھا۔ اس طرح اقبال کے نزدیک جدید دنیا کے مجموعی تمدن کی بنیادوں میں مسلمانوں کے افکار رواں دواں ہیں۔

تفہیم اقبال کا سلسلہ جاری ہے اور اقبال کو کئی مصنفین نے نئے زاویے سے سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ افکار اقبال کی کئی جہتیں ہیں۔ یہ کتاب اقبال ــــ مسلم فکر کا ارتقاء بھی اقبال کی ایک نئی جہت کی دریافت اور تحقیقی کاوش ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں نظم کا حوالہ نہ ہونے کے برابر ہے اور ساری بحث کی بنیاد اقبال کی نثری فلسفیانہ تصانیف اسلام میں مذہبی فکر تشکیل نو اور ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا ہیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ کتاب منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اسے مصنفہ نے فلسفہ کی طالبہ ہونے کی وجہ سے خالص فلسفیانہ نقطہ نظر سے لکھا ہے۔

یہ کتاب بڑی محنت اور خوبصورتی سے رواں اُردو فلسفیانہ نثر میں لکھی گئی ہے جس میں فلسفے کی اصطلاحوں کا استعمال ہونے کے باوجود ایک عام قاری کے لیے مشکل فلسفیانہ مضامین کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔

اس کتاب میں اقبال کے علاوہ دیگر بہت سے مسلم حکما کا ذکر اور اقبال سے ان کا تقابل بھی موجود ہے۔ یوں یہ کتاب مطالعہ اقبال اور باقی مسلم حکما کی تفہیم نظریات میں وسعت پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوئی ہے۔

تسہیل اقبال ۳۵

اس کتاب میں مصنفہ نے اقبال کی دس طویل نظموں کی تسہیل وتنقید پیش کی ہے۔ ان نظموں میں ''شکوہ''، ''جواب شکوہ''، ''شمع وشاعر''، ''والدہ مرحومہ کی یاد میں''، ''خضر راہ''، طلوع اسلام''، ''ذوق وشوق''، ''مسجد قرطبہ''، ''ساقی نامہ'' اور ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' شامل ہر نظم کی تسہیل وتنقید سے قبل اس نظم کا متن درج کیا گیا ہے۔

مصنفہ نے سب سے پہلے اقبال کی نظم ''شکوہ'' کی تسہیل پیش کی ہے۔ اس کے بعد نظم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس نظم کو دنیا کی معرکہ آرا نظموں میں شمار کیے جانے کے قابل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس نظم کی تخلیق میں اقبال کی فکر منفرد کارفرما ہے۔ اقبال کی نظم ''شکوہ'' ان کے مقصدی سلسلے کی ایک نہایت اہم کڑی ہے جس کے ذریعے وہ قوم کی بیداری کا کام لینا چاہتے تھے۔ اس نظم میں اقبال کا روئے سخن خالق کائنات سے ہے اور جتنی باتیں اس میں کہی گئی ہیں وہ ساری کی ساری اپنا ایک تاریخی اور عصری پس منظر رکھتی ہیں۔ یہ نظم ڈرامائی نوعیت کی ہے اور اس کا جواب صرف ''شکوہ'' سے نہیں ملتا بلکہ ''جواب شکوہ'' کو اس نظم کے ساتھ رکھنے سے ملتا ہے۔ اس نظم میں اقبال نے ان جذبات کو زبان بخشی جو اہل اسلام کے ہونٹوں پہ رکے ہوئے تھے مسلسل مشکلات سے دوچار رہنے والے دل ہی دل میں خدا تعالیٰ سے اس طرح کی باتیں کہنا چاہتے تھے لیکن وہ کہہ نہیں سکتے تھے۔ اقبال نے اپنی دور رس فکر سے ان کی اس کیفیت کو اس نظم میں زبان بخشی ہے۔ مصنفہ نے ''شکوہ'' کا تجزیہ کیا ہے اور اس کے فنی محاسن بھی گنوائے ہیں جو بلاشبہ اقبال کی فنی عظمت کے بہت سارے معیار مقرر کرتے ہیں۔ مصنفہ اقبال کو دانائے راز قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

> جب نظم جواب شکوہ نظم شکوہ کے ساتھ رکھ کر پڑھی جاتی ہے تو نظم شکوہ کی حیثیت وہ نہیں رہتی جو صرف اس نظم تک محدود ہے۔ بلکہ ایک بہت بڑے مثبت نتائج کے ڈرامے کا پہلا حصہ دکھائی دینے لگتی ہے اور اس نظم کی یہ خوبی اتنی بڑی خوبی ہے کہ نظم شکوہ کی باقی ساری خوبیوں کے برابر رکھی جاسکتی ہے۔ ۳۶

مصنفہ نے نظم کے فنی محاسن کے بیان کے ساتھ ساتھ نظم سے اشعار کی مثالیں بھی پیش کی ہیں اور نظم کو حسن زبان و بیان کا شاہکار اور انتخاب الفاظ، بندش تراکیب، صنعت گری، حسن تشبیہہ و استعارہ، مناسب بحر موزوں قوافی، وسعت معنی، موسیقی الفاظ یعنی ترنم اور زبان و بیان جیسی خوبیوں کا حامل قرار دیا ہے۔

دوسری نظم ''جواب شکوہ'' کی تسہیل نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ یہ نظم ''شکوہ'' کا جواب فراہم کرتی ہے۔ اس نظم میں اقبال خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے کیے گئے شکوے کے جواب میں امت مسلمہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب مذہب یعنی خدا، رسولؐ اور قرآن سے دوری قرار دیتے ہیں۔

تیسری نظم ''شمع و شاعر'' کی تسہیل و تنقید سے قبل اس نظم کا پس منظر دیا گیا ہے۔ ''شمع و شاعر'' فروری ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی ان دنوں طرابلس کی جنگ جاری تھی۔ اس جنگ کے حوالے سے ایک نظم اقبال نے انھیں دنوں ''حضور رسالتمآب'' میں بھی لکھی۔ دونوں نظموں میں اس اضطراب کی واضح جھلک موجود ہے جو طرابلس کے واقعات کو سن کر مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو رہا تھا۔

نظم ''شمع اور شاعر'' شاعر کے سوالات اور پھر شمع کے جوابات پر مبنی ہے۔ شاعر شمع سے کہتا ہے کہ تو نے دنیا کو روشن کرنے والی آگ کہاں سے لی ہے کہ ایک بے حیثیت کرمک کو بھی کلیم اللہ جیسے عشق سے ہمکنار کر دیا۔ میں بھی ایک مدت سے جل رہا ہوں مگر مجھ پر کوئی بھی جنس پروانہ وار جان دینے کے لیے تیار نہیں۔ پھر اقبال نے شمع کے ذریعے مسلم انحطاط پذیر معاشرے پر شدید طنز کیا ہے اور اس انحطاط کے اسباب گنوائے ہیں۔ جن میں مسلمان جیسی خوبیوں اور باعمل قیادت کا فقدان نمایاں ہیں۔

مصنفہ نے نظم کی ہیئت، بحر، وزن اور ارکان کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی ہیں۔ ''شمع اور شاعر'' اقبال کی ایک مکالماتی نظم ہے جس میں شاعر نے شمع کو مخاطب کر کے جو کچھ کہا ہے وہ فارسی زبان میں ہے۔ نظم کا انداز علامتی ہے اور اس کا اصل موضوع ملت اسلامیہ ہے۔ اقبال نے پرانی علامتوں مثلاً شمع، ساقی، مے کش وغیرہ کے معانی و

مفہوم کو وسعت بخشنے کے ساتھ نیا مفہوم عطا کیا ہے۔ اس نظم میں مسلمانوں کی توجہ ان کی غفلتوں کی طرف دلانے کے ساتھ ساتھ انھیں مشکل پسندی اور مہم جوئی کا درس بھی دیا گیا ہے اور عمل کی وہ چنگاری بھڑکانے کی ترغیب بھی دلائی گئی ہے جس کے پہلو سے بہتر مستقبل کی ضمانت پھوٹتی ہے۔

چوتھی نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' اقبال کی دوسری طویل نظموں کی طرح ان کے ایک نہایت جامع اور وقیع نظم ہے جس میں انھوں نے زندگی اور موت کے بارے میں مسلمہ مشرقی فلسفہ بیان کیا ہے۔ مصنفہ لکھتی ہیں کہ:

> علامہ اقبال نے مذکورہ بالا نظم میں ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جن کی موجودگی علامہ اقبال کے ایک ذاتی کرب پر مبنی نظم کو بھی آفاقی حیثیت دلا دیتی ہے اور یوں یہ نظم صرف علامہ اقبال کی والدہ ماجدہ کا نوحہ قرار نہیں پاتی بلکہ ہر صاحب فکر و ادراک شخص کے لیے خضر راہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔[۳۷]

اس نظم میں اقبال کی شخصیت تین مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوتی ہے۔ ایک فلسفیانہ، دوسری مجبور و مغموم انسان کی ہے جو ماں کی یاد میں آنسو بہاتا ہے اور تیسری شخصیت وہ ہے جو فلسفے اور جذبے کو ضم کر کے اسے موثر پیرایۂ اظہار بخشتی ہے۔

''ذوق و شوق'' کے حوالے سے مصنفہ اقبال کے موضوعات اسلام کی عظمت رفتہ، مسلمانوں کی اسلام سے بیگانگی، نبی پاکؐ سے ان کا عشق، عقل کا مخصوص فلسفہ اور آخر میں عشق میں ہجر و وصال کی اہمیت کا اظہار گنواتی ہیں۔ اقبال اس نظم میں بھی پورے شاعرانہ قد و قامت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ ترکیب بند ہیئت کے پانچ بندوں اور بحر رجز مثمن پر مشتمل یہ نظم اقبال کے سفر فلسطین کی یادگار ہے۔ بنیادی موضوع عشق رسولؐ اور احیائے ملت اسلامیہ کی تڑپ ہونے کے باعث نظم کی ایک بڑی خوبی اس کا انداز تغزل اور سوز و گداز ہے۔ نظم فنی اعتبار سے بڑی متناسب اور سڈول ہے اور اس کا ہر بند چھ اشعار پر مشتمل ہے۔ وسعت معانی اور بلاغت کے اعتبار سے بھی اسے اقبال کی بہترین نظموں میں

شمار کیا جا سکتا ہے۔

ہسپانیہ کی سرزمین قرطبہ میں لکھی گئی اقبال کی طویل اور بہت اہمیت کی حامل نظم ''مسجد قرطبہ'' کی تسہیل و تنقید پیش کرتے ہوئے مصنفہ نے اس نظم کو اقبال کی شاعری کا فنی و فکری اعتبار سے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اقبال کی شاعرانہ عظمت کو جاننے کے لیے اس ایک نظم کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ مسجد قرطبہ کو موضوع بناتے ہوئے اقبال نے نہ صرف یہ کہ اس نظم کے ذریعے اپنی فنی پختگی کی دھاک بٹھائی ہے بلکہ اس نظم میں اقبال کی فکری پہنائیاں بھی پوری شد و مد سے کارفرما ہیں گویا زبان و بیان اور معنوی تقاضوں کی پوری جھلک اس نظم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مسجد قرطبہ ترکیب بند ہیئت کے آٹھ بندوں مشتمل ہے۔ اس نظم کا موضوع جس قدر عظیم ہے اس کا فنی پیرایہ بھی اسی قدر حسین و جمیل ہے لہٰذا اس نظم کی صورت میں مسجد قرطبہ کا تقدس، اس کی رفعت و پاکیزگی اور جلال و جمال مجسم ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اقبال نے اس نظم میں بہت سے اہم نظریات مثلاً تصورِ زمان و مکان، نظریۂ عشق، نظریۂ فن اور مردِ کامل وغیرہ پر جزئیات و تفصیلات سمیت اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نظم میں مسجد قرطبہ کی عظمت و رفعت، یورپ کے بعض فکری اور سیاسی انقلاب، مسلم ہسپانیہ کی عظمت اور یورپ پر مسلم تمدن کے اثرات اور ملت اسلامیہ کے احیا کے امکانات پر بھی اظہار خیال ملتا ہے۔

نظم کے اسلوب پر فارسی اثر سے قطع نظر مسجد قرطبہ کی فضا پر عربی ادب کے اثرات بھی غالب ہیں۔ اس نظم میں خوبصورت استعارات، صنائع بدائع اور محاکات کے نہایت عمدہ نمونے ملتے ہیں۔

ساقی نامہ میں اقبال کے اسلام اور اہل اسلام کے حق میں گہرے درد کا اظہار کمال پختگی فن سے کیا گیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک اقبال کی دوسری نظموں کی طرح یہ نظم بھی اپنے پڑھنے والوں کو ایک وسیع ترکینوس مہیا کرنے کے بعد خودی کی عظمت تک لے آتی ہے اور انھیں یہ واضح احساس دلاتی ہے کہ خودی کا اصل مقام ذات خداوندی ہے۔ مسلمان اپنے

جذبہ خودی کو بیدار کر کے توانائی اور حقیقی عظمت سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

ساقی نامہ فنی اعتبار سے اقبال کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے اور یہ چھوٹی بحر کے ساتھ بندوں اور بحر متقارب مثمن مقصور الاخر پر مشتمل ہے۔ بلاغت، اختصار اور جامعیت کو مصنفہ اس نظم کی سب سے بڑی خصوصیت گردانتی ہیں۔ ساقی نامہ میں روانی اور تسلسل کے علاوہ نئی اور خوبصورت تراکیب مثلاً فاتح عالم خوب و زشت، غزالان افکار اور بت خانہ چشم و گوش وغیرہ ملتی ہیں۔ نظم خیالات و افکار کی پختگی اور فنی لحاظ سے اُردو میں ایک منفرد شاہکار ہے۔

دسویں نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کی تسہیل و تنقید پیش کرتے ہوئے مصنفہ اس نظم کو ڈرامائی کیفیت کی حامل نظم قرار دیتی ہیں۔ جس میں انھوں نے ابلیس کے مشیروں کے کردار شامل کر کے ان کی زبانی مختلف باتیں کہلوائی ہیں اور اپنے اس موقف کو موثر اجاگر کیا ہے۔ جس کا لب لباب مسلمان کو ان کی گمراہی کا احساس دلانا ہے۔ مشیروں کی زبانی کارل مارکس کے نظریۂ مساوات کا ذکر بھی کرایا گیا ہے۔ اقبال اس نظم کے ذریعے مسلمانوں کو جھنجوڑ کر یہ درس دینا چاہتے ہیں کہ اگر وہ غفلت اور بے راہروی کا شکار ہوں گے تو ابلیسی قوتیں اس راہ میں انھیں تباہی کے کنارے تک پہنچا سکتی ہیں لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اپنی اپنی جگہ اس بات کا کھوج لگائیں کہ ان کے ذاتی اور اجتماعی کردار میں کون کون سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو شیطان کے موقف کو تقویت دینے والی ہیں۔ یہ نظم آٹھ بندوں اور بحر رمل مثمن مخدوف پر مشتمل ہے۔ ابلیس اور اس کے پانچ مشیروں کے کردار، ان کرداروں کا مکالمہ، مجلس شوریٰ کا اسٹیج اور ایک مخصوص فضا، وہ ڈرامائی عناصر ہیں جن سے نظم ایک خوبصورت تمثیل کی ضرورت تشکیل پائی ہے۔ اس نظم میں مغرب کے سرمایہ پرست جمہوری نظام پر بلیغ، جامع اور عمیق تبصرہ ہے۔ مصنفہ کے نزدیک یہ نظم اپنے اندر عالمی تاریخ کے نشیب و فراز اور سیاسیات مشرق و مغرب کا ایک طویل اور وسیع پس منظر سموئے ہوئے ہے۔ اقبال نے شعوری طور پر صنعت گری کی کبھی کوئی کاوش نہیں کی تاہم اس نظم میں

صنعت گری کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔

مصنفہ کی اس کاوش کو اگر اقبال شناس مرد حضرات جیسے مولانا غلام رسول مہر (مطالبِ بانگ درا اور مطالبِ ضرب کلیم)، پروفیسر یوسف سلیم چشتی (شرح ضربِ کلیم اور شرحِ پیام مشرق)، عبدالحمید یزدانی (شرح اسرارِ خودی)، خواجہ محمد زکریا (تفہیم بالِ جبریل) اور دیگر کی کاوشوں کے بالمقابل رکھ کر دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنفہ نے اقبال کی دس طویل اور مشہور نظموں کو چھوٹے بچوں کی آسانی اور سہولت کی خاطر سادہ اور سلیس زبان میں مختصر انداز میں ڈھال کر پیش کیا ہے تا کہ وہ ان نظموں میں موجود اقبال کے دقیق اور گہرے فلسفیانہ تصورات و نظریات اور خیالات کی تفہیم آسانی سے کرنے اور انھیں سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کر سکیں۔ اسی لیے مصنفہ نے سادگی اور اختصار کو اپنے پیش نظر رکھا ہے۔

اقبال اور بچوں کا ادب [۳۸]

اس کتاب میں زیب النساء بیگم نے اقبال شناسی کے ایک مختلف پہلو یعنی بچوں کے ادب کے حوالے سے جائزہ لیا ہے۔

اس کتاب کو مصنفہ نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب بچوں کے لیے ادب کی ضرورت، دوسرا باب بچوں کے ادب کی خصوصیات اور تیسرا باب اُردو میں بچوں کا ادب پر مشتمل ہے۔ چوتھے باب میں عنوان ''اقبال اور بچے'' کے تحت پہلے اقبال کی بچوں کے لیے لکھی جانے والی نثری اور پھر شعری تصنیفات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اقبال نے پرانے طریقہ تعلیم کو فرسودہ قرار دیتے ہوئے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے گیارہ امور کو ضروری قرار دیا جن میں اس بات پر زور دیا گیا کہ عالم طفلی کے ساتھ مختص ہونے والے امور کا جاننا ضروری ہے تا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں انھیں ملحوظ رکھا جائے۔

اقبال کہتے ہیں:

اُستاد کو بچے کو دماغی کمزوری بھی ہمارے معیار کے مطابق ہے۔ اس سے مایوس نہ ہونا چاہیے کہ وہ صاحب دل ہے یا نہیں کیونکہ الفاظ کے رٹنے والا دماغ حقیقی کامیابی کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ [۳۹]

اس کتاب میں مصنفہ نے اقبال کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں خیالات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے موضوع سے متعلقہ اشعار بھی درج کیے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

یہ ساری باتیں اقبال نے یونہی نہیں کہیں بلکہ عمیق مطالعے، گہرے مشاہدے اور ذاتی تجربوں کے بعد کہی ہیں۔ ان کو مکتب کی ابتدائی تعلیم سے جامعات کی اعلیٰ تعلیم تک کا ذاتی تجربہ تھا۔ علاوہ انھوں نے مغرب کی اعلیٰ درسگاہوں میں بھی تعلیم پائی تھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا نے انھیں غیر معمولی حکیمانہ نظر بھی عطا کی تھی۔ اس لیے ان کی نگاہیں تعلیم کی ظاہری ٹیپ ٹاپ میں اُلجھ کر نہیں رہ گئیں بلکہ اس کی تہہ تک پہنچی ہیں۔ اقبال کی نگاہ میں بچوں کے علم کا معیار و مقصود یہ ہے کہ وہ زندگی کا محافظ اور خودی کا معاون ہے۔ [۴۰]

اقبال کے مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' میں بچوں کی نفسیات، ان کے ترغیبات، ذہن اور ان کے ماحول کے محرکات وغیرہ کا علمی بیان ہے۔ اس مضمون میں اقبال کا انداز بیان تشریحی نوعیت کا ہے۔ بچوں میں نقل کرنے کا جو مادہ ہوتا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

بچے میں بڑوں کی نقل کرنے کا مادہ خصوصیت سے زیادہ ہوتا ہے۔ ماں ہنستی ہے تو خود بھی بے اختیار ہنس پڑتا ہے۔ باپ کوئی لفظ بولے تو اس کی آواز کی نقل اُتارنے کے بغیر نہیں رہتا۔ ذرا بڑا ہوتا ہے اور کچھ باتیں بھی سیکھ جاتا ہے تو اپنے ہمجولیوں کو کہتا ہے آؤ بھئی! ہم مولوی بنتے ہیں، تم شاگرد بنو۔ کبھی بازار کے دکان داروں کی طرح سودا سلف بیچتا ہے، کبھی پھر پھر کر اونچی آواز دیتا ہے کہ ''چلے آؤ انار سستے لگا دیے۔'' اس وقت میں بڑا ضروری ہے کہ اُستاد اپنی مثال بچے کے سامنے پیش کرے تا کہ اس کے ہر فعل کی نقل کرنے کی تحریک ہو۔ [۴۱]

مصنفہ کے نزدیک بچوں کے لیے اقبال کے تصور تعلیم کے مطابق جو نظام تعلیم ڈھالا جائے گا اس میں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ بچے کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما اس

طرح ہو کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے کیونکہ خود شناسی ہی خودی کی پہلی منزل ہے۔

پھر اسی حصے میں ''بچوں کے لیے'' کے عنوان کے تحت اقبال کی بچوں کے لیے لکھی گئی نثری تصنیفات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کی پہلی تصنیف معاشیات کے موضوع پر علم الاقتصاد کے عنوان سے کتاب تھی۔ اس کے علاوہ اقبال کی مرتب کردہ چند نصابی کتب کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے جو کہ اقبال نے اودھ اور صوبہ پنجاب کے تعلیمی نصاب کے لیے مرتب کی تھیں۔

اُردو کورس کی کتابیں حکیم احمد شجاع کے تعاون سے ترتیب دی گئیں اور گلاب چند کپورا اینڈ سنز کے زیر اہتمام لاہور سے بالترتیب ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئیں۔ فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> تینوں کتابوں پر ایک ہی دیباچہ ہے۔ تاریخ ہند لالہ رام پرشاد پروفیسر تاریخ، گورنمنٹ کالج لاہور کے اشتراک سے مرتب ہوئی اور پہلی بار ۱۹۱۳ء میں منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز نے لاہور سے شائع کی۔ آئینہ عجم فارسی نظم و نثر کے منتخبات پر مبنی ہے۔ اقبال نے اسے میٹریکولیشن کے طلبا کے لیے مرتب کیا تھا جو ۱۹۲۷ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ انتخاب نکاتِ بیدل جدید بی۔ اے کورس (فارسی) کے لیے ترتیب دی گئی اور ۱۹۲۲ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔ [۴۲]

حصہ نظم میں اقبال کی بچوں کے بارے میں لکھی گئی نظموں مثلاً ''جاوید کے نام''، ''خطاب بہ جاوید'' اور ''پرندہ اور جگنو'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ سماج میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جس صالح ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے پیش نظر اقبال نے اخلاقی نظموں کو پیش کر کے ذہن کی پختگی اور فکر کی بالیدگی کا ثبوت دیا ہے۔

چوتھے باب کے آخری حصے میں زیب النساء نے خالص تحقیقی انداز سے کام لیتے ہوئے بڑی کاوش سے باقاعدہ اعداد و شمار کے ذریعے اقبال کے تمام مجموعہ ہائے کلام میں باری باری بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں کو علیحدہ کیا ہے۔ بچوں کے لیے لکھی گئی مطبوعہ نظموں کے علاوہ مختلف ذریعوں سے دریافت ہونے والی غیر مطبوعہ نظموں اور اشعار کی تفصیل بھی بیان

کی ہے۔ بانگِ درا میں ۹ نظمیں ''ایک مکڑا اور مکھی''، ''ایک پہاڑ اور گلہری''، ''ایک گائے اور بکری''، ''بچے کی دعا''، ''ہمدردی''، ''ماں کا خواب''، ''پرندے کی فریاد''، ''ترانہ ہندی''۔ ان کے علاوہ مزید دو نظمیں ''ایک پرندہ اور جگنو'' اور ''جگنو'' بھی جو بانگِ درا میں شامل ہیں، بچوں کے لیے لکھی ہوئی نظموں میں شمار کی جاسکتی ہیں۔

پھر مصنفہ نے جگن ناتھ آزاد کی کتاب بچوں کا اقبال اطہر پرویز کی بچوں کا اقبال اور عبدالقوی دسنوی کی تصنیف بچوں کا اقبال کے حوالے سے اقبال کی بچوں کے لیے لکھی گئی غیر مطبوعہ نظموں اور اشعار کو گنوایا ہے۔ کلیاتِ اقبال (صدی ایڈیشن) بانگِ درا میں شامل گیارہ نظموں کے علاوہ بالِ جبریل میں دو نظمیں ''جاوید کے نام'' ہیں جن میں جاوید کے پردے میں اقبال قوم کے نوجوانوں سے مخاطب ہیں۔ اس کے علاوہ ضربِ کلیم میں تین نظمیں ''جاوید سے'' کے عنوان سے ہیں۔

مصنفہ نے بچوں کے لیے لکھی گئی ان نظموں میں موجود پیغامات یا مرکزی خیال کا بھی مختصراً جائزہ لیا ہے۔ ان تمام نظموں میں کسی نہ کسی حوالے سے حرکت و عمل، خود شناسی، ہمدردی، خوشامد اور چاپلوسی سے بچنے، غلامی سے بیزاری اور آزادی سے والہانہ لگاؤ کا اظہار، جذبہ حب الوطنی، علم کے حصول کی کوشش، تعلیمات کے ساتھ عمل کی نصیحت، محنت کا درس اور اصلاح کے جذبات کی کارفرمائی جیسے پیغامات موجود ہیں۔

پانچویں اور آخری باب میں ''بچوں کے ادب کا مطالعہ'' کے زیرِ عنوان کے بچوں کے لیے لکھے جانے والے ادب (نظم و نثر) کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

اقبال کے بچوں کے لیے لکھی جانے والی نظموں کے دو رُخ بیان کیے گئے ہیں۔ ایک طرف تو مصنفہ نے انھیں اقبال کے نئی نسل سے گہرے تعلق کا ثبوت قرار دیا ہے اور دوسری طرف یہ کہا ہے کہ بچوں کے لیے لکھی جانے والی ان نظموں میں بڑوں کے لیے بھی پیغام ہیں۔ اقبال نے نثر میں بھی بچوں کے لیے بیش بہا خزانہ چھوڑا جیسے مختلف مضامین، چند مرتب کردہ نصابی کتب مصنفہ اقبال کے کلام کو سمجھنے کے لیے نثر کے مطالعہ کو

ناگزیر قرار دیتے ہوئے اقبال کے فن کی عظمت اور ان کے افکار کی بلندی کا راز خود احتسابی کے رجحان کو قرار دیتی ہیں۔

مصنفہ اقبال سے خالی عقیدت کے حق میں نہیں بلکہ اقبال کے نقش قدم پر چلنے اوران کی تعلیمات اور پیغامات پر عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیتی ہیں۔ وہ اس امر پر افسوس کا اظہار کرتی ہیں کہ گزشتہ نصف صدی میں دنیا کے مسلمانوں نے بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں نے بالخصوص سب سے زیادہ جس شاعر کے متعلق سنایا پڑھا ہے وہ بلاشبہ اقبال ہیں۔ لیکن ان کا اثر کما حقہ قبول نہیں کیا گیا ہے۔

دائمی تحرک اور اجتہاد فکر وعمل کا شاعر [۴۳]

مصنفہ نے اس مقالے میں شاعر انسانیت، دائمی تحرک اور اجتہاد فکر وعمل کا شاعر قرار دیتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے اشعار ہماری موجودہ سوچ اور فکر کے لیے تازیانہ ہیں اور ہمارے زندہ ہونے کے احساس کو بیدار کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں اقبال کا کلام جنوبی ایشیا کے اکثر و بیشتر مسلمان گھرانوں میں مقبول تھا۔ اقبال جیسا دانائے راز اور دیدہ ور شاعر کل عالم انسانیت اور خصوصا مسلمانان ہند و پاک کے انداز زندگی اور اخلاق و عادت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ مغرب میں سائنسی ایجادات، مختلف علوم کا عروج، مشینی ترقی اور تحقیق کا عمل تیز رفتاری سے جاری تھا۔ جبکہ مشرق میں سیاسی و ذہنی غلامی کی تاریکی، مایوسی و ناامیدی کی گھٹن، راحت طلبی، تن آسانی اور کاہلی کا غلبہ تھا۔ جب اقبال اپنے ہم وطنوں اور ان جیسے تمام انسانوں کے لیے روحانی وجسمانی پسماندگی کے جنگل میں راستہ بنانے کا خیال کر رہے تھے اس وقت پہلے سے رابندر ناتھ ٹیگور، مولانا محمد علی جوہر، سیّد سلیمان ندوی، مولوی عبدالحق، مولانا حالی اور شبلی کا دور تھا۔ اور گوئٹے، نطشے، غالب اور سر سیّد احمد خان کے اثرات ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے۔ سیاست، فلسفے اور سائنس کا دامن مصطفیٰ کمال پاشا، کارل مارکس، برٹرنڈ رسل، برگساں اور آئن سٹائن جیسی عظیم ہستیوں سے مالا مال تھا۔ ان منور چراغوں کے ہوتے

ہوئے ابتدا میں اقبال کا کلام دائمی تحرک ایک دیے کی مانند ہوگا، مگر انھوں نے انسانی قلب و ذہن کے چراغ کی لو تیز کر دی۔

اقبال کی نثر اور شاعری دونوں میں تہہ در تہہ مسلسل موت اور حرکت وعمل کار فرما ہے۔ وہ اجتماعی زندگی میں احساس کمتری، ذہنی انتشار اور مردہ دلی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ذہنوں میں مقصد کی لگن اور ذوق عمل کی بیداری کے لیے کوشاں رہے۔ اقبال کے زمانے میں نفی ذات، تصوف کے مسخ شدہ چہرے اور دنیا سے فراریت اور قنوطیت کا تصورات عام تھے۔ ایسے میں اقبال کا فلسفہ خودی ایک طرح کا جہاد تھا کیونکہ خودی کی اساس عمل پیہم پر ہے۔ اقبال بیمار ذہنیت، خیالی دنیا، خودترسی، اداسی، محکومی و مسکینی کے خلاف صف آرا ہوئے۔ ان کے نزدیک تلخی حیات سے فرار اور گریز جرم ہے۔ وہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے بے عملی اور آرام پسندی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ:

> بے شک شاعر مشرق کے اشعار میں بے پناہ وسعتیں ہیں مگر عظمت کا یہ پہلو بڑا اہم ہے کہ اس کی شاعری ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا احاطہ کرتی ہے۔ [۴۳]

اقبال اپنے اسلاف کی عظمت پر نازاں ہیں اور حال و مستقبل کی تعبیر جہد مسلسل اور قوت بازو سے کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک فاتح عالم وہ ہے جو دلوں کو محبت سے جیتے مگر دنیا پر اپنے اعمال صالحہ اور رفعت پرواز سے چھا جائے۔

مصنفہ نے اقبال کی چند نظموں جیسے ''تسخیر فطرت''، ''جاوید نامہ''، ''شمع وشاعر'' اور ''مسجد قرطبہ'' کے کرداروں پر طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی متحرک حقیقت ہے اور تغیر وانقلاب کے اس ارتقا کے لازمی عناصر ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ مفکر شاعر، اقبال کے نثر اور لیکچرز جا بجا زیست کے حرکی تصور کو اجاگر کرتے ہیں۔

اقبال تصور حسن کے جمالی پہلو سے سچی مسرت حاصل کرتے ہیں۔ اور جلالی پہلو سے جوش حیات اور کوشش ناتمام مراد لیتے ہیں۔

اقبال کی حیات افروز پیغام کی وسعتیں جاننے کے لیے مصنفہ نے ان کے نظریہ تحرک کی نسبت سے شاہین اور مردِ مومن کی علامات کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں علامات رفعت پرواز، جوانمردی، مسلسل تگ ودو اور تسخیر کائنات کے فلسفے کو ظاہر کرتی ہیں۔ اقبال نے فنی لحاظ سے جمود و یکسانیت کو توڑا۔ ان کا دائمی تحرک فلسفہ اظہارِ فن میں، پر اعتماد لب ولہجہ اور ولولہ انگیز تاثر بن کر نمایاں ہوا۔ اقبال کے طرز کلام میں مردانہ پن، ارتعاش کی کیفیت اور جوش حیات ہے۔

مصنفہ مقالے کے آخر میں اقبال کے دائمی تحرک اور اجتہادِ فکر وعمل کے فلسفے کی روشنی میں بتاتی ہیں کہ فرد اور قوم کی تعمیر وترقی کا راز اعلیٰ صلاحیتوں کے نکھار اور مسلسل سخت محنت میں ہے۔ لہٰذا ہمیں فلاح اور ترقی کی منزل تک پہنچنے کے لیے بے یقینی اور سہل انگاری کی دھند کو ہٹا کر راستہ بنانا ہے۔ مصنفہ کی مختصر تصنیف اقبال کے فلسفے کے ایک پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے انھیں دائمی تحریک اور اجتہادِ فکر وعمل کا شاعر ثابت کرتی ہیں۔

اقبال اور وجود زن [۲۵]

مصنفہ نے اس کتاب میں اقبال کے اشعار وافکار کی روشنی میں عورت کی عظمت کو واضح کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اقبال نے مسلمان عورت کو جو تعلیم دی ہے۔ اسے تفصیل کے ساتھ قوم کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ اقبال کی تعلیمات کو مشعل راہ بنا سکیں جس میں اسلام کی صحیح روح پنہاں ہے۔

اقبال کے نزدیک جب تک عورت صحیح معنوں میں معاشرے میں اپنی اہمیت اور افادیت کا احساس اپنے دل میں بیدار نہیں کرتی اس وقت تک وہ احساس کمتری کے جال سے چھٹکارا نہیں پا سکتی۔ انھوں نے جہاں مردوں کو عورتوں کی قدر ومنزلت کا احساس دلایا ہے۔ وہاں عورتوں کو بھی یہ تلقین کی ہے کہ وہی دراصل کائنات کی رنگ وبو کا باعث ہیں اور انھی کی وجہ سے دنیا میں چہل پہل اور رونق ہے لہٰذا وہ اپنے بلند اوصاف کی بنا پر معاشرے میں وہ کردار ادا کریں جس کے لیے قدرت نے انھیں پیدا کیا ہے۔

اقبال اور وجود زن چھ ابواب میں منقسم کی گئی ہے۔ پہلے باب ''اسلام میں عورت کا مقام'' میں بتایا گیا ہے کہ اقبال دسمبر ۱۹۲۸ء کے آخری ایام میں مدارس میں مسلم ایسوسی ایشن کے بانی سیٹھ محمد جمال کی دعوت پر مدارس گئے جہاں انھوں نے ۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو ٹاکرس گارڈن میں انجمن خواتین اسلام مدارس کی جانب سے دیے گئے ایک استقبالیے میں شرکت کی۔ اس دعوت میں انجمن خواتین اسلام مدارس نے اقبال کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ اقبال نے اس سپاس نامہ کے جواب میں جو تقریر کی، شامل کتاب ہے۔

اس تقریر میں اقبال نے اسلامی تعلیمات اور قرآن حکیم کے حوالوں سے معاشرے میں عورت کے مقام پر روشنی ڈالی ہے اور مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اسلام میں مرد وزن میں قطعی مساوات ہے۔

دوسرے باب میں ''اقبال اور وجود زن'' کے عنوان کے تحت اقبال کے خیالات ونظریات کی روشنی میں وجود زن کی اہمیت، عورت کے منصبی فرائض، محبت کی شادی، معاشرہ اور لڑکی، انگریز اور عورت، عورت اور مرد کی اہمیت، عورت بقائے نوع انسان، قوموں کی کامرانی کے راز، طلاق اور تعدد ازدواج، شادی بیاہ کی قبیح رسموں اور عورتوں کی صغر سنی کی شادی کی وضاحت کی ہے۔

تیسرے باب میں ''اقبال اور پردہ'' کے عنوان کے تحت اقبال کی نظر میں پردے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے پردے کو عورت کا صحیح محافظ اور مشرقی عورت کی حیا کی علامت قرار دیا ہے۔

چوتھے باب میں ''اقبال اور تعلیم نسواں'' کے زیر عنوان اقبال کے تصور تعلیم کی روشنی میں مخلوط تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے عورتوں کے لیے الگ یونیورسٹیوں کے قیام کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اقبال مسلمان خواتین کے لیے ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کے مطابق نصاب تعلیم مرتب کرنے کی ضرورت پر زور دیتے تھے اور مخلوط تعلیم کو بے حیائی اور فحاشی کے فروغ کا سبب قرار دیتے تھے۔ وہ عورتوں کی قدامت پسندی اور جہالت کے خلاف تھے اور ان کے لیے الگ

نصابِ تعلیم اور یونیورسٹیوں اور درسگاہوں کے قیام کی حمایت کرتے تھے۔

پانچویں باب ''اقبال اور امومت'' میں اقبال کے مخدراتِ اسلام سے خطاب کے حوالے سے ماں کے تقدس، اہمیت، مسلمان خواتین کے لیے بہترین نمونہ سیرت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا کو قرار دیتے ہوئے انگلستان کی عورتوں کے نام اقبال کے پیغام اور ضبطِ تولید کی وضاحت کی گئی ہے۔ اقبال کی رائے میں مسلمان خواتین کے لیے اسوۂ کاملہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا کی زندگی ہے۔ جس کی تقلید انھیں کاملیت کا شرف بخش سکتی ہے۔ اس ضمن میں مصنفہ نے اقبال کی اپنی والدہ سے عقیدت اور محبت اور ان کی یاد میں لکھی گئی نظم ''والدہ محترمہ کی یاد میں'' کا ذکر بھی کیا ہے۔

اقبال نے جنگ طرابلس کے موقع پر غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو جانے والی عرب لڑکی اور عظیم مجاہدہ فاطمہ بنت عبداللہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے نظم لکھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اپنی تصنیف جاوید نامہ میں شرف النساء کا کریکٹر اور اعلیٰ صفات بیان کرتے ہوئے مسلمان عورتوں کو بتاتے ہیں کہ وہ بھی اپنے اندر اسی قسم کے اوصاف پیدا کریں تا کہ ان پر بھی فخر کیا جا سکے۔ وہ شرف النساء کے اوصاف کو غیرتِ ملی اور ذوقِ روحانیت کے اعلیٰ و بلند ترین اوصاف قرار دیتے ہیں۔ مصنفہ نے فاطمہ بنت عبداللہ اور شرف النساء کے سوانحی حالات بھی اس باب میں درج کیے ہیں۔

چھٹے اور آخری باب ''گلہائے عقیدت'' میں اقبال کی نظر میں شرف النساء کے مقام اور فاطمہ بنت عبداللہ کو پیش کیے گئے خراجِ عقیدت کا اور ان دونوں خواتین کے سوانحی خاکہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اقبال کا فلسفۂ سیاسیات [۲۶]

اقبال کا فلسفہ اور شاعری بہت سے اربابِ قلم کا موضوعِ نگارش بنا لیکن ان کی فکر و بصیرت کے مختلف گوشے جن میں سیاسیات، مذہبیات، اخلاقیات اور الٰہیات شامل ہیں۔ ان کے سیاسی نظریات کا چہرہ ابھی تک ان حجاب آفرین ومتضاد تصورات کے بے ربط امتزاج کے تاریک غبار میں پنہاں ہے جو ان کے نظامِ فکر سے وابستہ کر دیے گئے ہیں۔ ان

کے سیاسی نظریات کا تنظیم و ترتیب کے ساتھ مذہبی اور فلسفیانہ تصورات پسندی کے ساتھ اس حد تک جائزہ نہیں لیا گیا۔ جہاں تک کہ اس کی اہمیت کا اقتضا ہے۔ پروین ملک کا یہ مقالہ اس خلا کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے جو اقبال سے متعلق تصنیف و تالیف کی فضا میں ہنوز نمایاں ہے۔ پروین شوکت لکھتی ہیں کہ:

> اس مقالہ کا مدعائے نگارش یہ ہے کہ فکریاتِ اقبال میں سیاسی تصورات و نظامِ تفکر کے اصولی عناصر کو مقامِ تحقیق و اکتشاف میں لا کر تنقیدی طور پر ان کی اہمیت کو وضاحت آشنا کیا جائے۔ جن میں اللہ کی حاکمیت، انسان کی مثالی قیادت کے لیے منصبِ نبوت، اجتہاد یعنی آزادانہ استدلال، قومیت، اشتمالیت، جمہوریت، خودی مومن اور ملت کی سیاسی اہمیت شامل ہے۔ [۲۷]

مصنفہ نے اقبال کا فلسفۂ سیاسیات میں اسلامی ریاست کے اس اصول آئین کا جائزہ بھی لیا ہے۔ جسے اقبال نے فلسفیانہ تفکر کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد اپنا محورِ فکر بنایا۔ اس ساتھ کے یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ اسلامی نظریۂ سیاست کے بنیادی اصول کی تجدید و احیا کے لیے اقبال نے جو خدمات انجام دی ہیں۔ انھیں بھی منظرِ تحقیق پر لایا جائے۔ آخر میں بتایا ہے کہ اقبال نے برصغیر کی سیاست میں کہاں تک عملاً حصہ لیا تا کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ وہ عملی سیاست کے مد و جزر سے خوفزدہ نہیں تھے۔ اقبال نے اپنے خیالات و نظریات کا بلا خوف تردید و اختلاف اعلان کیا جن کو وہ بہتر اور حق تصور کرتے تھے۔ اقبال نے اپنے سیاسی تخیل کی اکثر و بیشتر ترجمانی اُردو اور فارسی اشعار کی زبان میں کی ہے اس لیے حسبِ حال اور برمحل اشعار کا مفہوم انگیز انگریزی ترجمہ اس تحقیقی مقالے کا سنجیدہ و پیچیدہ مسئلہ تھا۔ اقبال کے کلام میں ایسی تشبیہات و استعارات ہیں جن کا مفہوم انگریزی زبان کے لفظی ترجمہ سے ذہن آشنا نہیں ہو سکتا اور غیر مستعمل الفاظ جیسی مشکلات کے پیشِ نظر مصنفہ نے حتی الامکان لفظی ترجمہ سے اجتناب کیا ہے۔ اشعار کے حاصل تخیل اور معانی کی روح کو متن کی عبارت کے قالب میں سمو دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حاشیہ میں اصل اشعار بھی نقل کر دیے ہیں تا کہ مضمون کے تسلسل میں بھی خلل نہ آئے اور پڑھنے والے کی نظر ان اشعار پر

بھی رہے جن سے اصل خیال اخذ کیا گیا ہے۔

باب اوّل ''حیات وتصانیف اقبال'' میں اقبال کی حیات کے مختلف حالات وواقعات درج کیے گئے ہیں باب کے آخری صفحات اقبال کی تصانیف نظم ونثر کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔

مصنفہ اقبال کی حیات کے حالات وواقعات درج کرنے کے بعد بتاتی ہیں کہ اقبال کی فکری تخلیق کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کی فکر ونظر کے مختلف پہلوؤں میں کچھ امتیازی خصوصیات اور انفرادی رنگ بھی ہے، جو ان کی گھریلو تربیت اور بیرونی تاثر کے نتیجے میں ابھر کر نکھرا۔ یہ انفرادیت اور خصوصیت ان کی راست بازی وحق کیشی، عدل وانصاف کا جوش وولولہ اور حریت وآزادی کی محبت ہے۔ اقبال کو اس حقیقت کا احساس تھا کہ انسان کی شخصیت صرف آزادی کے ماحول میں معراج کمال تک پہنچ سکتی ہے اور یہ امر اقبال کی عظمت پر شاہد ہے کہ انھوں نے مایوس انسانیت کو اس وقت حریت وحق پرستی کا پیغام ودرس دیا جب کہ اس کے سر پر ملحدانہ ذہنیت کے خطرات منڈلا رہے تھے۔

اس کے بعد مصنفہ نے اقبال کی تصانیف کا ترتیب وار خاکہ پیش کیا ہے۔ اقبال کی فلسفیانہ اور شاعرانہ تخلیقات کے ساتھ بہت قابلِ قدر خطوط بہت سے تحریری مضامین اور بیانات جو انھوں نے مختلف مصروفیاتِ زندگی کے دوران لکھے تھے منظر عام پر آئے۔ اقبال کی حیات کی کامیابی کی حدود اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہیں جب اس حقیقت پر نظر پہنچتی ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری بارہ سالوں میں زاویہ فکر ونظر اور تجسس سے نکل کر برصغیر کی سیاسیات میں گرمجوشی کے ساتھ عملی حصہ لیا۔

دوسرے باب ''مشرقی ومغربی تاثر'' میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک عظیم مفکر عموماً اپنے پیشتر اربابِ فکر ونظر کے اقوال افکار کو اچھی طرح ذہن پر مرتسم کر لیتا ہے اور اس کے بعد انھیں موزوں ومتناسب ربط وترتیب دے کر، ان پر اپنی علمی بصیرت وذہانت کی مہر ثبت کر دیتا ہے۔ چنانچہ اقبال نے بھی دورِ متقدمین کی علمی وراثت میں سے اپنا حصہ وصول کیا۔ سنجیدگی

فکر وبلوغت نظر کی منزل تک پہنچنے سے پہلے اقبال نے بہت سے مشرقی اور مغربی فلسفیوں کے تجسس وتفحص کے نتائج کو اپنے ذہن پر نقش کر لیا تھا، جو اقبال کی علمی وفکری تخلیقات کے نقاب میں جلوہ گر ہیں۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

> اقبال کی بصیرتِ علمی کے ارتقا میں جو موثر عوامل کارفرما تھے۔ ان کی طرف اشارہ کرنا اقبال کی ذہنی صلاحیت کی اہمیت کو کم کرنے کے مترادف نہیں، بلکہ اس کا مدعا صرف یہ ہے کہ نظریاتِ اقبال کے مطالعہ کرنے والے کی حدودِ نظر کی اور وسعت دے دی جائے، تاکہ اس کی نگاہ اور اک با آسانی ان عوامل روحانی وفلسفی تک پہنچ سکے، جو اقبال کی تخلیقی نظریات میں معاون ہوئے اور بالخصوص ان کے سیاسی نظریات میں جو کہ اس مقالہ کا ماحصل ہے۔ [۴۸]

اقبال اپنی پیدائش، طبیعت اور تربیت کے لحاظ سے مکمل طور پر مشرقی تھے لیکن انھوں نے مشرقی فکر وفلسفہ حصول پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ مغرب کے قدیم وجدید فکر وخیال کی تمام شاہراہوں کو بھی طے کیا۔

اہلِ یونان کے نتائج فکر جو کہ فلسفۂ یورپ کی اساس ہیں۔ اقبال کے لیے جاذب توجہ نہ بن سکے۔ انھوں نے نظم ونثر دونوں اصناف میں افلاطون پر شعلہ بار تنقید کی ہے۔ اس لیے کہ اس کا فلسفہ اسلامی طرزِ فکر کے لیے مہلک مذموم اثرات کا حامل تھا۔ اقبال کی نظر میں یونانی ثقافت اور افلاطونی فلسفہ اسلامی طرزِ زندگی سے بالکل مختلف اور قرآنی تعلیمات کے قطعاً متضاد ہے۔ فلسفۂ یونان اور خصوصاً نظریاتِ افلاطون پر اقبال کی حرف گیری کی بنیاد یہ ہے کہ یہ محض خیال وقیاس پر مبنی ہے اور دنیائے عمل کی حدود سے بہت دور ہے۔ اقبال نے اسلامی تصوف میں رہبانیت وترکِ عمل کی آمیزش کی ذمہ داری افلاطون پر عائد کی ہے جس نے ملت اسلام کو قوت عزم وعمل سے محروم کر دیا۔ جبکہ ارسطو کے فلسفہ کو فکر مستحسن خیال کرتے ہوئے انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ اس کے نتائج فکر اسلامی نظریات کے اثبات واستحکام کا موجب بنے۔ ایک تحریر میں اقبال کے ارسطو کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا:

> ارسطو کے لیے میرے دل میں بنہایت عقیدت احترام کے جذبات ہیں۔ نہ صرف اس لیے کہ میں

(بیسویں صدی کا انسان ہونے کی حیثیت سے) اپنے اسلاف کے مقابلے میں اسے بہت طور پر سمجھتا ہوں، بلکہ اس لیے بھی کہ ایک نے میری ملت کے خیالات پر زبردست اثر ڈالا ہے۔ ۴۹

مصنفہ نے اقبال اور گوئٹے کے درمیان قریب ترین وجۂ مماثلت تصور شیطان کو قرار دیا ہے۔ اقبال کے نتائج فکر کے بہت سے پہلو نیٹشے کی فکریات سے اتنی مشابہت رکھتے ہیں کہ اقبال کے تصور مرد مومن کو نیٹشے کے ''سپر مین'' کا عکس قرار دیا جاتا ہے۔ مصنفہ مولانا جلال الدین رومی کو وہ واحد شخصیت گردانتی ہیں جو مشرق و مغرب کے تمام فلاسفہ اور صوفیا میں اقبال کے ذہن پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے۔ رومی اور اقبال محبت، مومن اور عظمت خودی کے نظریات میں بہت حد تک متحد الفکر متفق الخیال تھے۔ دونوں نسل انسانی کی نجات کے لیے تعلیمات قرآنی کی عملی تشکیل کے معتقد تھے اور قوت عمل کو منزل فوز و فلاح کی راہ راست سمجھتے تھے اور محبت کو انسانی زندگی کی اساس و اصل کا درجہ دیتے تھے۔

تیسرے باب ''حاکمیت'' میں اقبال کے تصور حاکمیت کی وضاحت سے پہلے اللہ کی حاکمیت اور توحید کے ربط کی وضاحت بھی کی ہے۔ اسی نظریہ کے پیش نظر اقبال جاوید نامہ میں عصر حاضر کے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ اہل اسلام کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت کے دوبارہ حصول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی یکتائی و کبریائی اور اس کی حاکمیت مطلق کے اعتقاد کی طرف واپس لوٹیں۔

یہ باب دین و سیاست کے متعلق اقبال کے نقطۂ نظر کا مکمل جائزہ ہے کہ اللہ کی ہمہ گیر حاکمیت کا یقین ہی مذہب کی صداقت پر اعتقاد کامل اور عملی زندگی میں اس کی رہنمائی کی افادیت پر مکمل اعتماد کی اساس ہے اور یہی انسانی زندگی میں امن و سلامتی، جذبہ خیر اندیشی اور باہمی آشتی و خوشگواری کا ضامن ہے۔

چوتھے باب ''پیغمبر اسلام بحیثیت مثالی رہنما'' میں اقبال کے شاعرانہ تخیل اور حکیمانہ بصیرت کے مرکزی موضوع رحمت عالم کی سیرت و شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اقبال کی زندگی کی آخری منزلوں میں ان کی خط و کتابت کا حاصل نگارش، بزم

احباب میں گفتگو کا موضوع اور سخنوری کا محور صرف مثالی انسان اور اسوۂ حسنہ کی حیثیت سے رسالت مآبؐ کی عظیم شخصیت کے سوا اور کچھ نہ رہا تھا۔ سید وحید الدین فقیر روز گارِ فقیر میں لکھتے ہیں:

> اقبال کی شاعری کا خلاصہ، جوہر اور لب لباب عشق رسولؐ اور اطاعت رسولؐ ہے۔ میں نے ڈاکٹر کی صحبتوں میں عشق رسولؐ کے جو مناظر دیکھے ہیں، ان کا لفظوں میں پوری طرح اظہار بہت مشکل ہے۔ ۵۰

مصنفہ نے ایجاز و اختصار کے ساتھ ختم نبوت کا تجزیہ، ایک فرد انسانی کی حیثیت سے رسالت مآبؐ کی شخصیت کا اندازہ اور نبوت کے نصب العین کے وہ محاسن بیان کیے ہیں جو اقبال کے لیے دل کی کشش کا باعث تھے۔ سید عابد علی عابد اپنی تصنیف شعرِ اقبال میں لکھتے ہیں کہ:

> اقبال کے خیال میں ہر وہ فتنہ جو ملت اسلامیہ کے لیے مہلک ثابت ہو سکتا ہے، ہر وہ مرض جو اسلام کے نظام حیات کو گھن کی طرح کھا سکتا ہے ان سب کا علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی عقیدت کو رسول پاکؐ سے استوار کرے یہاں تک کہ اس عقیدت کو عشق کے مقام تک پہنچا دے۔ ان ہی کے قول سے استدلال کرے، ان ہی کے فعل سے استشہاد کرے۔ ان ہی کی سیرت کو نمونہ بنائے، ان ہی کو پکارے، ان ہی کو بلائے، یہی ملت اسلامیہ کے ہر مرض کا علاج ہے۔ ۵۱

مصنفہ نے اس باب میں اقبال کے عشق رسولؐ سے متعلق کچھ واقعات بھی بیان کیے ہیں اور آخر میں اقبال کے نظریۂ حیات کے حوالے سے بتایا ہے کہ اقبال ملت اسلام کو طاقت اور کامیابی کے حصول کے لیے فکر و عمل کی تمام قوتوں کو بروئے کار لانے کی تلقین کرتے ہیں اور عالم پست و بالا میں امتیازی مقام کے حصول کی خاطر اللہ پر بھروسہ کرنے اور رسولؐ کی جانی اور سکھائی ہوئی راہ عمل اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

پانچویں باب میں اجتہاد کے بارے میں اقبال کے نتائج فکر کا جائزہ لینے سے قبل اجتہاد کی اصطلاح کی تعریف و توضیح اور اس حیات آفریں نظریہ کی اہمیت کی صراحت کی ہے اور

فقہ اسلامی کے چار مکاتیب فکر جنھوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تمام جزئیات میں اجتہاد سے کام لیا اور اصابت اجتہاد کے لیے بہت سے قواعد وضوابط مرتب کیے، کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد مصنفہ نے اجتہاد کی ضرورت واہمیت کے بارے میں اقبال کے خیالات کی وضاحت کی ہے کہ اقبال باب اجتہاد کے مسدود ہونے کے تین اسباب گنواتے ہیں۔ پہلا یہ کہ شیوہ استدلال کی عمومیت نے راسخ العقیدہ اہل ایمان کے دل میں یہ خدشہ پیدا کر دیا کہ مسائل اعتقادیہ میں استدلال کی افراط وتفریط ایک معاشرتی نظم ریاست کی حیثیت سے اسلامی استحکام کی بنیادیں متزلزل کر دے گی۔ دوسرا یہ کہ تصوف کے رواج نے جو کہ ترک دنیا اور رہبانیت کی تعلیم دیتا تھا، اسلام کو نقصان عظیم پہنچایا۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ زوالِ بغداد اسلامی فکر ونظر کے عملی مرکز کی مزید انتشار ملت کے خوف سے جو کہ سیاسی زوال کے ایسے دور میں عین فطری ہے۔

چھٹے باب ''خودی' مومن اور ملت کی سیاسی اہمیت'' میں اقبال کے تصورِ اقتدار اور قوت کو نگاہِ تحقیق وتجسس سے دیکھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ لیکن مصنفہ نے اقبال کے دائرہ فکر وتخیل میں قوت کے مرکزی موضوع کی طرف توجہ منعطف کرنے سے قبل طاقت کے مسئلہ پر اس حیثیت سے طائرانہ نظر ڈالی ہے کہ حیات انسانی کے ہر پہلو میں اس کا تسلط مسلم ہے۔ اقبال کا منتہائے نظر یہ تھا کہ اہل اسلام فلسفہ قرآنی کے تجسس اور اجتہاد کے ذریعہ اس کے اصول کی جدید فروغ آفرینی میں اپنی فراست اور علم کی صلاحیت کو صرف کریں تا کہ قرآنی اصول وآئین ملت کی بقا کے لیے زندہ قوت بن جائیں۔ اس مقصد کے پیش نظر انھوں نے اپنے ذہن میں ایک فلسفہ مرتب کیا جس کا مدعا ملت کی حیات نو اور افراد ملت کی عام بیداری وخود آگاہی تھا۔ خودی، مومن اور ملت ایسے فلسفیانہ تصورات ہیں جن میں سیاسی پیچ وخم بھی شامل ہیں۔ اقبال نے ان کے ذریعے اپنی ملت کو جرأت، قوت، طاقت اور عزم محکم کا پیغام پہنچایا۔ مصنفہ نے خودی کے نظریہ اور اس کے سیاسی منشا پر تنقیدی تبصرہ کرنے سے قبل اس کے مفہوم کی توضیح کر دی ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

وہ کہتا ہے۔ کہ خود خدا کی ماہیت خودی ہے اور خودی کی ماہیت مقصد آفرینی اور مقصد کوشی ...... ''تخلقو با خلاق اللہ'' کی تعلیم کے مطابق انسان کو بھی تخلیقی مقاصد سے اپنی خودی کو استوار کرنا چاہیے۔ ۵۲

مصنفہ اقبال کے نظریہ خودی کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

جدید فلسفہ اسلام میں نظری خودی کلیتہً اقبال کا ذاتی نظریہ ہے اور غالباً فلسفہ آفرینشوں کی تمام وسعت میں کوئی ایسا حسن خیال نہیں جو اقبال کے تصور خودی سے ہم آہنگ وہمسر ہو سکے خودی وہی شے یا عطیۂ فطرت نہیں بلکہ اکتسابی عظمت ہے، جو سعی مسلسل، متواتر ضبطِ نفس اور استحکام کردار سے حاصل ہوتی ہے۔ اسرارِ خودی میں اقبال نے فکر وضمیر اور کردار کی بعض اہم خصوصی صلاحیتیں بیان کی ہیں۔ جو خودی کی نشو ونما اور ارتقا کے لیے ضروری ہیں۔ یہ امتیازی اوصاف عشق فقر الی اللہ جرأت ایمانی اور خلاقیت ہیں۔ ۵۳

فقر اقبال کے صحیفہ فکر کا ایک مستقل باب ہے جس کے ذیلی عنوانات قوت عمل، استحکام فطرت، ولولہ وجوش اور عزم صمیم ہیں۔ اقبال کے نزدیک فقر کے جوہر کی ضو پاشی اور ثبات ودوام خودی کے استحکام واستقلال پر منحصر ہے۔

اقبال کے نظریہ خودی میں خودی کے عناصر تخلیق میں طاقت کا عنصر لازم ہونا ثابت کرتا ہے کہ نظریہ خودی سیاسی ہے۔

مومن یا مرد کامل کا نظریہ فکریات اقبال کا اہم ترین موضوع ہے اور اقبال نے مختلف مقامات پر اس نظریہ کو متنوع الفاظ کی تعبیر کا لباس پہنچایا ہے۔ ان کی نظر میں مومن یا مرد کامل قرآنی اصولی کا پابند بلکہ قرآن کی عملی تشکیل ہے۔

اقبال کی نظر میں مومن ایک آئینہ عنصری جس میں صفات الٰہیہ کے تمام جو ہر جلوہ نما ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کی شان کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ وہ ہر روز جداگانہ جلوہ آرائیاں کرتا ہے۔ اقبال کی نظر میں مومن بھی اسی وصف یکتائی کی جلوہ گاہ ہے۔ یوسف حسین خان انسان کامل کے نصب العین کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اقبال کے نزدیک ''انسان کامل'' کا نصب العین یہ ہے کہ اس کی ذات میں جلالی اور جمالی صفات کی موزوں ترکیب موجود اور وہ سوز و سازِ زندگی کا رمز شناس ہو۔ ۵۴

اقبال کا انسان کامل جلال و جمالی صفات کا حامل ہے اور نیٹشے کے ''سپر مین'' سے قطعاً متضاد ہے۔ اقبال کو یقین تھا کہ انسان کے جبلی محاسن اور روحانی و ذہنی جدوجہد سے ایسا انسان عالم وجود میں آسکتا ہے۔ جس میں مومن کی تمام اہم اور اعلیٰ صلاحیتیں مجتمع ہوں۔

مصنفہ نے اقبال کے مثالی نظریہ میں فرد و ملت کے ربط پر بحث کی ہے۔ اقبال نے رموزِ بے خودی میں فرد و ملت کے باہمی ربط کی وضاحت کی ہے اور اس کے بعد کی نگارشات میں بھی یہی موضوع مختلف انداز و الفاظ میں زیر بحث آیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک اقبال کے نظریات خودی، مومن و ملت میں انسانوں کی تنظیم حیات لیے طاقت اساسی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے اور انسانی معاشرہ کو زوال و انحطاط سے محفوظ رکھنے کے لیے یہی عروۃ الوثقیٰ ہے۔

ساتویں باب میں اقبال کے تصورِ قومیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ عصر جدید کے تصورات و نظریات میں غالباً مسئلہ قومیت ہی وہ زاویۂ خیال ہے جو اقبال کے لیے سب سے زیادہ دلچسپی کا باعث بنا۔ انھوں نے اپنی شاعری، تقاریر، بیانات اور مکتوبات میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے۔

مصنفہ کے مطابق بانگِ درا کی ابتدائی نظمیں انھیں ایک ہندوستانی قومیت پرست کی شکل میں پیش کرتی ہیں جبکہ ان کی شاعری کے عروج کے دوسرے دور میں خصوصاً عالم اسلام میں اہل یورپ کی بے جا مداخلت اور مشرق وسطیٰ میں تحریک قومیت کے آغاز و فروغ کے بعد ان کی نظمیں وحدتِ ملت اسلام کے جذبہ ہمہ گیر کی آئینہ دار نظر آتی ہیں۔ مصنفہ نے اس تمام بحث کو قومیت کی نظریاتی حدود میں محدود رکھا ہے اس لیے کہ اس کی تاریخی نوعیت کی تفصیل انھیں اپنے تحقیق کے موضوع سے بہت دور لے جاتی۔

مسئلہ قومیت پر اقبال کی تنقید اخلاقی، روحانی اور سیاسی حقائق پر مبنی تھی۔ وہ صداقت اور احساس کے ساتھ یہ یقین رکھتے تھے کہ اس نظریہ نے انسانی زندگی سے اخلاقی اور

روحانی قدروں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اقبال کی چشمِ بصیرت یہ دیکھتی تھی کہ عصر حاضر کے انسان کے ذہن اور ضمیر پر قومیت کا تاثر اتنا گہرا ہے کہ مذہبی صداقت کے لیے بقا و حیات کے امکانات کم ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر مصنفہ نے ضیا گوکلپ کے نظریات سے تصورات اقبال کا موازنہ کرتے ہوئے یہ حقیقت عیاں کی ہے کہ اقبال اور گوکلپ کے نظریات میں تضاد ہے۔ اس لیے کہ اقبال ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اقبال کا عقیدہ ہے کہ ملت اسلامیہ کا سیاسی، نظری اور عملی دونوں صورتوں میں مغربی اقوام سے قطعاً جداگانہ ہے اور ہمیشہ جدا ہی رہنا چاہیے۔ اقبال نے اہل اسلام کو صاف الفاظ میں تنبیہ کی کہ اگر فلسفہ قومیت ان کی سیاست مذہبی میں جاگزیں ہوگیا تو یہ فلسفہ زندقہ و الحاد کا پیش خیمہ ثابت ہوگا یا اسلام محض دستور اخلاقیات بن کر رہ جائے گا اور اہل اسلام کی اجتماعی زندگی کے آئین کی حیثیت گم کر دے گا۔

آٹھویں باب ''ہمہ گیری اسلام'' میں اقبال کے نظریہ ہمہ گیری اسلام (پین اسلام ازم) کی وضاحت کی ہے۔ اقبال کی سیاسی فکر کا نمایاں نقش عالم گیریٔ اسلام کا تصور ہے۔ وہ اتحاد عالم اسلام (پین اسلام ازم) کی تحریک سے قریب ترین اور مستحکم ذہنی ربط رکھتے ہیں جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ لہٰذا مصنفہ نے عصر حاضر میں احیائے اسلام کے اس پہلو سے متعلق اقبال کے خیالات و نظریات پر روشنی ڈالنے سے قبل اس تحریک کے تاریخی منظر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی ہے۔ اس تحریک کا حقیقی اور اوّلین پس منظر خود ظہورِ اسلام ہے۔ اس عقیدۂ نو کی غایت اولیٰ یہ تھی کہ اہل اسلام تخیل سے ان تمام امتیازات کے باطل نقوش فنا کر دیے جائیں جن کی اساس قبیلہ و نسب، رنگ و نسل، فرقہ پرستی اور وطنیت پر تھی۔ اتحاد ملت اسلامی کے لیے جمال الدین افغانی کے مبلغین اور کار پردازوں کے جوش عمل کا تاثر عالمگیر تھا۔ ان کا فلسفہ اتحاد بین المسلمین دراصل تمام ممالک اسلامیہ کی یکجہتی، فکر و عمل اور آئین پسندی کا نظریہ تھا۔ ان کا اوّلین مقصد یہ تھا کہ سرزمین اسلام کو مغربی حکومت کی ذہنی اور عملی محکومی سے حریت آشنا کر کے اہل اسلام کی انجمن فکر

میں ارتقا کا جوش، طہارتِ نفس اور باہمی اتحاد کے اسلامی تصورات کی شمع روشن کریں۔ برصغیر پاک وہند میں جمال الدین افغانی کے تاثر کو ثبات ودوام اور بقائے جاودانی کا رنگ حاصل ہوا اور انھوں نے یہاں کے عوام کی فکر پر مذہبی جوش اور بیداری کے شعور کا گہرا نقش چھوڑا۔

اقبال کے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے مصنفہ کہتی ہیں کہ اقبال کا تصورِ ملت اساسی طور پر اتحاد بین المسلمین پر مبنی تھا۔ جو تحریک جمال الدین افغانی سے شروع ہوئی تھی۔ وہ اقبال کی فکری صلاحیت وبصیرت سے نقطۂ عروج پر پہنچی۔ اقبال نے اپنی شاعری کو جمال الدین افغانی کے محاسن فطرت سے آراستہ کیا اور عصر حاضر میں انھیں مفاد اسلام کا عظیم ترین مفسر بتایا ہے۔ اقبال کی سنجیدہ نثر نگاری اور شاعری دونوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان کے آئینۂ عقیدت میں جمال الدین افغانی کا عکس نمایاں ہے۔ اقبال نے بھی جمال الدین افغانی کی طرح اسلام کی ہمہ گیر اخوت کی نشر واشاعت کے لیے مسلسل زبان اور قلم کی کاوش سے کام لیا ہے۔

نویں باب ''اشتمالیت'' میں اقبال کے اشتمالیت سے متعلق نظریات وخیالات پر روشنی ڈالی ہے کہ جس دور میں اقبال فلسفیانہ بالغ نظری کی طرف تدریجی ارتقا کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ اشتمالیت ایک مقبولِ عام لیکن متنازع فیہ مسئلہ کی حیثیت میں تھی۔ اقبال نے اس نظریہ کو اپنی سنجیدہ فکر کا موضوع اور نگاہ غائر کا محور بنایا اور اس کے متعلق اپنا مخصوص وممتاز نقطۂ خیال قائم کیا۔ شمیم طارق لکھتے ہیں کہ:

> اقبال اشتراکیت کے اثرات سے بے نیاز نہ تھے۔ اگر اس انقلابی فکر نے انھیں اپنا بھی بنا کر نہ چھوڑ دیا تھا تو بھی حقیقت ہے کہ وہ اس سے متاثر تھے اور یہ تاثر ان کے کلام میں جابجا نظر آتا ہے اور کمیونزم کی تاریخ کا جنھیں علم ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ حیرت انگیز یہ نہیں ہے کہ اقبال نے کمیونزم سے تاثر کیوں لیا؟ بلکہ حیرت انگیز تو یہ ہوتا کہ اقبال اس آتشیں فکر کے اثرات سے محفوظ رہتے۔ ۵۵

اقبال نے کارل مارکس، اشتمالیت اور سرمایہ داری کے موضوعات پر نظمیں لکھیں جن

میں اس نظریہ کا نہایت مبصرانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔ اقبال اشتمالیت کے بہت سے عملی پہلوؤں کی طرف طبعیت کا میلان اور استحسان کی نگاہ رکھتے تھے جو ان کی نظر میں اسلام کے نظام حیات سے قریب ترین ومماثل تھے۔ اس کے ساتھ ہی اشتمالیت کے بہت سے اساسی اصول ایسے بھی ہیں جن پر اقبال نے تنقید کی اور اسے نہایت خطرناک معاشرتی نظام سیاست کی حیثیت سے قابل انکار ومذمت ثابت کیا ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی نے اشتمالیت یعنی اشتراکیت کے بارے میں اقبال کے زاویۂ فکر کو بالاختصار بیان کیا ہے:

> اشتراکیت ڈاکٹر کی شاعری کا ایک دلچسپ موضوع ہے اور انھوں نے بالِ جبریل وغیرہ میں اس کی تائید میں اس قدر پر جوش نظمیں لکھی ہیں کہ وہ بظاہر سوشلسٹ معلوم ہونے لگتے ہیں لیکن بایں ہمہ وہ اس تحریک کے بعض بنیادی اصولوں کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ ۵۶

مصنفہ نے اقبال کے اشتراکیت سے متعلق نظریات کے بیان سے قبل ایجاز بیان کے ساتھ اشتمالیت کے عناصر ترکیبی اور اسلامی فلسفہ حیات سے اس کے مماثل پہلوؤں کی وضاحت کی ہے تاکہ اقبال کی فکر پر اس روش پر تحقیقی نگاہ ڈالی جاسکے کہ انھوں نے اشتمالیت کے بعض اصولوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے کیوں دیکھا اور بعض اصولوں سے کنارہ کش کیوں ہوئے۔ اقبال کے نزدیک اشتراکیت میں حق وباطل کی آمیزش ہے۔ اس میں جو دلکشی اور مفاد کا پہلو ہے وہ حق کے عنصر کی وجہ سے ہے۔ اقبال کے فکر وفلسفہ میں اشتراکیت کا جائزہ گہری بصیرت اور فراست کا ایک باب ہے۔ اقتصادیات کے موضوع پر ان کی تصنیف سے یہ پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اسلامی فلسفہ حیات کے علم کی روشنی میں اشتراکیت کے اصول کا جائزہ لیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام اور اشتراکیت میں مشابہت کے باوجود اساسی اختلاف وتضاد نمایاں ہے۔

دسویں باب ''جمہوریت'' میں جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے بارے میں اقبال کے نظریات بیان کیے ہیں کہ اقبال نے جمہوریت کو سراب نظر اور خیال فریب سے تعبیر کیا

ہے۔ جس کے مضرات فوائد پر غالب ہیں۔ جمہوریت کے مختلف پہلوؤں پر اقبال کے خیالات ان کی تصانیف کے مختلف گوشوں میں منتشر ہیں۔

مصنفہ نے اس باب میں مغربی جمہوریت اور پھر اسلام کے حوالے سے جمہوریت کیمقام کاتعین کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلامی نظامِ سیاست میں مغربی طرزِ جمہوریت کی قطعاً گنجائش نہیں اس لیے کہ مغربی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ کا منصب عوام کو حاصل ہے اور اسلام میں مقتدرِ اعلیٰ صرف خالق کائنات ہے۔ اقبال نے جمہوریت، قومیت اور شہنشاہیت کو گلوئے انسانیت کے لیے لعنت کا طوق شمار کیا ہے جس نے عالم انسانی کو اس یک رنگی وہم آہنگی سے محروم کر دیا جو سکون قلبی اور حقیقی مسرت کے لیے ضروری تھی۔

اقبال اپنی نظم ''خضرِ راہ'' میں بھی مغربی جمہوریت کو سرمایہ دارانہ مفاد پرستی کی اساس قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مغربی جمہوریت نئی بوتلوں میں پرانی شراب ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام کا مافی الضمیر جمہوری ہے اگرچہ وہ جمہوریت جو قرآنی تعلیمات اور اصولِ سنت سے ماخوذ ہو مغربی جمہوریت سے مختلف ہے۔ اقبال کی آرزو یہ تھی کہ ہر قصرِ سیاست کی تعمیر میں مستعمل روحانی اقدار کو خشتِ اول کی حیثیت حاصل ہو۔

گیارھویں اور آخری باب ''اقبال اور عملی سیاست'' میں بتایا ہے کہ اقبال عملی سیاست میں شامل نہ تھے۔ لیکن زندگی کے بعض مرحلوں میں انھوں نے برصغیر پاک و ہند کے سیاسی عقدہ ہائے مشکل کے حل تلاش کیے اور اپنی تمام صلاحیتیں، ان مسائل اور مشکلات کے حل کے لیے صرف کر دیں۔ اقبال ہمیشہ ان تحریکوں سے کنارہ کش رہے ہیں جو ان کی رائے میں مسلم مفاد کے خلاف تھیں یا ملک میں غیر ضروری لاقانونیت کی شورانگیزی کا موجب تھیں۔

مصنفہ نے اقبال کی سیاسی روش کے مختلف پہلوؤں کو ادراک وفہم کے دائرے میں لانے کے لیے اس وقت کی سیاست کے پس منظر کا بہت تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ نیز اقبال کی برصغیر کی سیاست میں خدمات اور کارہائے نمایاں کا بھی تفصیلاً جائزہ پیش کیا ہے۔

اقبال اور تعمیر پاکستان اور ان کی سیاست کے دورِ آخر کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد

مصنفہ کا کہنا ہے کہ ان کی جدوجہد سعی رائیگاں ثابت نہیں ہوئی۔ زندگی نے انھیں مہلت نہ دی کہ وہ اپنی آنکھوں سے مسلم اتحاد کے خواب کی تعبیر دیکھ سکتے۔ لیکن مسلم لیگ کی فتوحات کا ثمر قیام پاکستان کی صورت میں نمودار ہوا جو اقبال کی سیاسی بصیرت اور فراست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آخر میں مصنفہ نے اس کتاب کی غرض وغایت ''حاصل کلام'' کے عنوان کے تحت بیان کی ہے۔ مصنفہ کچھ سوالات اور اقبال کی تحریروں میں ان سوالات کے تیقن انگیز جوابات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مثلاً اقبال کا تصور ریاست فرد اور ریاست کے مابین رابطہ کی نوعیت اور قانون کا ماخذ اور اس کی نوعیت وغیرہ۔ اقبال کی رائے میں ان کی مثالی ریاست کی قیادت و سربراہی کسی فرد یا جماعت کی اجارہ داری نہیں کیونکہ یہ تصور قانون الہامی کے برعکس ہے۔ ہر مومن حق پرست جو فکر وعمل کی خوبیوں میں دوسروں سے برتری رکھتا ہو، ملت اسلامیہ کا امیر ہو سکتا ہے۔ اپنے اختیارات منصبی استعمال اور اپنی رائے کو حرفِ آخر تصور کرے، اس کے لیے اربابِ شوریٰ سے مشورہ کرنا لازمی امر ہے تا کہ عوامی مفاد مجروح نہ ہونے پائے۔ اس ضمن میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ:

> اقبال عملی اربابِ سیاست کی فہرست میں نہ تھے لیکن اگر ان کے فلسفہ کے لیے ایک اصطلاح اور لفظ مخصوص امر لازم ہے تو شاید ان کی فلسفی سیاستدان کہنا بے جا نہ ہوگا۔ [۵۷]

اقبال کا اوّلین مقصد یہ تھا کہ سیاسی نظریات کا ایک مرتب نظام قائم کریں اور عملی سیاست میں ان کی شرکت اسی فلسفی نصب العین کا ایک جزو تھی۔ فکرِ اقبال کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد جہاں ان کی متصورہ پیکرِ سیاست کے گوناگوں عناصر سامنے آتے ہیں۔ وہیں یہ حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ اگرچہ انھوں نے اس موضوع پر کوئی خاص مقالہ قلمبند نہیں کیا، لیکن ان کا فلسفۂ سیاست مرتب و منظم تھا۔ اقبال کے دائرہ فکر کا مرکز قرآنی نظریات اور ان کا فلسفۂ سیاست الہامی امر و نواہی سے ماخوذ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال کا فلسفہ سیاست بہ تمام وجوہ قرآنی ہے لیکن اس پر ان کی بصیرت کی مہر نمایاں ہے۔

پروین شوکت کی یہ تصنیف اقبالیات کے ضمن میں اس لیے اہم ہے کہ اس سے اقبال

کے سیاسی نظریات پر روشنی پڑتی ہے۔

فکرِ اقبال کے تعلیمی تقاضے [۵۸]

مسز کشور اقبال نے اس کتاب میں اقبال کے تصورِ تعلیم، نصاب اور طریق تدریس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کتاب سے پاکستانی نظامِ تعلیم کے لیے نئی جہت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ کتاب کے ''پیش لفظ'' میں ایم نذیر احمد تشنہ اس کتاب کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فکرِ اقبال کے تعلیمی تقاضے پڑھ کر محترمہ مسز کشور اقبال کے انتخاب اور موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کی وجہ سے داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ موصوفہ فلسفہ کی استاد ہیں اور اقبال کے فلسفہ کو اپنی فلسفیانہ تحریر سے اُجاگر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہ کتاب یقیناً علمی مقالات میں گراں قدر اضافہ ہے۔ [۵۹]

پہلا باب ''تعارف'' دوسرا ''مابعد الطبیعاتی تصورات''، تیسرا ''اقبال کا تصورِ علم، علم کے ذرائع''، چوتھا ''تصورِ اخلاق و تحقیق مقاصد'' پانچواں ''خلاصہ، حاصلات، نتائج اور سفارشات'' اور چھٹا باب ''کتابیات'' پر مشتمل ہے۔

کتاب کے پہلے باب ''تعارف'' میں مصنفہ نے اس تحقیقی مقالے کا تعارف، موضوع کی اہمیت اور طریقِ تحقیق پر روشنی ڈالی ہے۔ مصنفہ کے نزدیک اقبال کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے نظامِ تعلیم میں بھی نظریاتی، ادراکی، جذباتی اور کیفیاتی امتزاج کو برقرار رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تعلیمی افکار ذہنوں پر گہرے نقوش ثبت کرتے ہیں۔ اس مقالے کا مقصد اقبال کے تعلیمی افکار کا مطالعہ ہے لہٰذا اس مقالے میں اقبال کے تصورات کو نظامِ تعلیم کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

موضوع کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنفہ لکھتی ہیں کہ ''اقبال'' ہر لحاظ سے صفِ اوّل کے ماہرینِ تعلیم میں سے ہیں۔

اقبال شناسی میں خواتین کا کردار

> اُنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر ایک متن انسانی ضابطہ حیات بھی مرتب کیا، اور خصوصیت کے ساتھ ملت اسلامیہ کے احیا اور مسلمانوں کے لیے ایک ایسے نظام، تعلیم کا خاکہ پیش کیا جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے پاکستان کے نظام تعلیم کو صحیح خطوط پر مرتب کرنے کے لیے اقبال کے تعلیمی افکار کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ [۶۰]

مصنفہ نے نظامِ تعلیم کے حوالے سے فکرِ اقبال کے بنیادی تصورات کا جائزہ لیا، فکرِ اقبال کے بنیادی تصورات کے تعلیمی مضمرات متعین کیے، نظامِ تعلیم کے مختلف پہلوؤں کے متعلق تصورات اقبال کا جائزہ لیا اور پھر ان تینوں مقاصد کی روشنی میں پاکستان کے نظامِ تعلیم کی اصلاح کے لیے تجاویز پیش کی ہیں۔

مصنفہ نے فکرِ اقبال کے مستند ماخذ یعنی اقبال کے شعری و غیر شعری رشحاتِ قلم کے علاوہ اقبالیات پر مشہور کتب سے استفادہ کیا ہے، جن کی فہرست ''کتابیات'' کی شکل میں آخر میں شامل کتاب ہے۔ چنانچہ اصل میں یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں سے پہلے باب میں موضوع مقالہ اور اس کے مقاصد و اہمیت کا تعارف کرایا گیا ہے۔ دوسرے باب میں اقبال کے مابعد الطبیعاتی تصورات مثلاً کائنات کی حیثیت، اس کے خالق، انسان کی حیثیت، عالم طبیعی اور حیات کے کارخانے کے معرض وجود میں آنے والے منصوبے، انسان، کائنات اور خدا کے آپس میں تعلق اور اقبال کے اخلاقیات کی بنیاد کے لیے پیش کیے گئے تصورات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرے باب میں اقبال کے تصورِ علم اور علم کے ذرائع پر بحث کی گئی ہے۔ مصنفہ نے اقبال کے نقطۂ نظر کی روشنی میں حصولِ علم کے ذرائع ادراک، وجدان، صوفیانہ واردات، وحی، کائنات، نفسیات، کلچر و تاریخ عالم، تجربہ و مشاہدات اور کلام پاک گنوائے ہیں اور پھر ان ذرائع سے حاصل ہونے والے علوم کا ذکر بھی کیا ہے۔

چوتھے باب میں تعلیمی مقاصد و تصورِ اخلاق کا انتخاب، نصاب اور اس کے انتخاب و نفاذ، طریق تدریس اور استاد جیسے اہم موضوعات پر بحث موجود ہے۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

اقبال مکتبی علم کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ نصابی کتب کے استعمال کا مسلسل طریقہ کار اکثر طلبا کی زندگی کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس لیے علم و کوشش انفرادیت کی نشوونما کے لیے مفید نہیں۔ یہ فعالیت اور مشاہدے سے حاصل ہوتے ہیں اس سے علم موثر اور تمام صورتوں میں ہم نسبت ہوتا ہے۔ ۱۶

اقبال طریقہ ہائے تدریس میں معاشرتی تعلق یا ساخت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تعلیم و تدریس زیادہ سے زیادہ معاشرتی تعلقات و روابط کے تحت دی جانی چاہیے اور معاشرتی ضمن میں متن اور طریقہ ہائے تدریس دونوں طلبا کے لیے معاشرتی مواقع فراہم کریں۔ اس کے علاوہ اقبال استاد کے لیے خودشناسی اور معراج انسانیت کا پورا علم رکھنے کی بھاری شرط عائد کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر وہ نئی نسلوں کو زندگی گزارنے کے قابل نہیں بنا سکتا۔ اس باب میں نظام تعلیم پر اقبال کے اعتراضات کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

پانچواں باب خلاصہ، حاصلات، نتائج اور سفارشات پر مشتمل ہے۔ یہ پچھلے تمام ابواب کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

اقبال ایک بلند پایہ مفکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصنفہ کے نزدیک ہماری مملکت کے نظام تعلیم و تربیت اور تنظیم کی ابتدا ہی اقبال کے افکار سے ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس عظیم سلطنت اسلامیہ کی تشکیل ہی تصورات اقبال سے ہوتی ہے۔ اگر اس نصب العین کی روشنی میں تعلیم کی تفصیلات مرتب کی جائیں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا اسلامی معاشرہ ایسی عظمت حاصل کرے گا جس کے لیے اقبال تمام عمر جدوجہد کرتے رہے۔

☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱ ارشد خانم کا پی ایچ ڈی (اُردو) کا مقالہ علامہ اقبال کے تصوراتِ فنونِ لطیفہ (ایک محاکمہ) انوار احمد کی نگرانی میں شعبہ اُردو بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان سے مکمل ہوا جسے انھوں نے کتابی صورت میں ۲۰۰۸ء میں شائع کرایا۔ یہ کتاب ۲۷۶ صفحات پر محیط ہے۔

۲ ارشد خانم، علامہ اقبال کے تصوراتِ فنونِ لطیفہ (ایک محاکمہ) ۲۵۔

۳ کنیز فاطمہ یوسف کی کتاب اقبال اور عصری مسائل، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔

۴ کنیز فاطمہ یوسف، اقبال اور عصری مسائل (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء) ۳۸۔

۵ کنیز فاطمہ یوسف، اقبال اور عصری مسائل، ۱۵۱۔

۶ محمد احمد خان، اقبال کا سیاسی کارنامہ (کراچی: کاروانِ ادب، ۱۹۵۲ء) ۲۱۷۔

۷ بصرہ عنبرین اورینٹل کالج لاہور پنجاب یونیورسٹی میں اُستاد ہیں۔ اُنھوں نے تحسین فراقی کی زیرِ نگرانی ایم اے (اُردو) کی تکمیل کے لیے مقالہ تضمیناتِ اقبال تحریر کیا تھا جو بعد ازاں کتابی صورت میں فکشن ہاؤس، لاہور سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔

۸ بصیرہ عنبرین، تضمیناتِ اقبال (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء) ۱۱۔

۹ بصیرہ عنبرین، تضمیناتِ اقبال، ۱۱۔

۱۰ بصیرہ عنبرین، تضمیناتِ اقبال، ۵۷۔

۱۱ پروفیسر شاہدہ یوسف گورنمنٹ گرلز کالج فیصل آباد میں اُردو زبان و ادب کی اُستاد ہیں۔ وہ ملتان کے علمی گھرانے تعلق رکھتی ہیں۔ اُن کے والد پیر محمد رفیع الدین شاہ، ملتان کے ممتاز وکیل اور سیاست دان تھے۔ اُنھیں اقبالیات کا ذوق اپنے والد سے ورثے میں ملا۔ اُن کے بہت سے مقالات، اقبال اکادمی کے مجلّہ اقبالیات، بزمِ اقبال کے مجلّہ اقبال، قومی زبان اور صحیفہ جیسے وقیع علمی و ادبی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کی کتاب اقبال کا شعری و فکری مطالعہ، نظریہ پاکستان اکادمی، لاہور سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔

۱۲ عزیز احمد، اقبال نئی تشکیل (لاہور: گلوب پبلشرز، س۔ن) ۲۳۴۔

۱۳ ایم نذیر احمد تشنہ، پیش لفظ، مشمولہ، رسالہ اُردو (لاہور: انجمن ترقی ادب، ۱۹۷۷ء)

۱۴۔ شاہدہ یوسف، اقبال کا شعری و فکری مطالعہ (لاہور: نظریہ پاکستان اکادمی، ۱۹۹۹ء) ۸۔

۱۵۔ زیب النساء بیگم کی تصنیف اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ، اقبال اکادمی، لاہور سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اصل میں زیب النساء بیگم کا ایم۔اے (اردو) کا مقالہ ہے جو رفیع الدین ہاشمی کی زیرِ نگرانی مکمل ہوا تھا۔

۱۶۔ زیب النساء، اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۷ء) ۸-۷۔

۱۷۔ زیب النساء، اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ، ۱۰۔

۱۸۔ عبادت بریلوی، اقبال کی اُردو نثر، طبع اوّل (لاہور: مجلس ترقی ادب، نومبر ۱۹۷۷ء) ۳-۲۔

۱۹۔ غلام حسین ذوالفقار، اقبال ایک مطالعہ (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۷ء) ۲۷۔

۲۰۔ زیب النساء، اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ، ۳۰۔

۲۱۔ اقبال، علم الاقتصاد، (دیباچہ)

۲۲۔ سلیم اختر، ''اقبال کی نثر کا مزاج''، مشمولہ مجلہ سہ ماہی اقبال (لاہور: اپریل تا جولائی ۱۹۷۷) ۸۷۶۔

۲۳۔ سیّد نذیر نیازی، سید، دانائے راز (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۹ء) ۱۴۳۔

۲۴۔ محمد اقبال، مرتبہ، صابر کلوری، تاریخ تصوف (لاہور: مکتبہ انسانیت، ۱۹۸۵ء) ۲۸۔

۲۵۔ زیب النساء، اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ، ۷۹۔

۲۶۔ عبدالغفار شکیل نے اقبال کے نایاب کلام کو کتابی صورت میں نوادرِ اقبال کے نام سے علی گڑھ سے شائع کیا۔ اس کتاب کی تحقیق کے دوران میں انھیں اقبال کے کچھ مضامین مختلف رسائل سے ملے، جو انھوں نے نقل کر لیے اور بعد میں انہیں اقبال کے نثری افکار کے عنوان سے کتابی شکل میں چھاپ دیا۔

۲۷۔ محی الدین قادری زور (جامعہ عثمانیہ کے صدرِ شعبہ اُردو) کے مرتب کردہ خطوط کا مجموعہ شادِ اقبال، اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد دکن سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا، جو کہ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۸۔ محمد عبداللہ قریشی کے مرتبہ خطوطِ اقبال بعنوان اقبال بنام شاد، بزمِ اقبال، لاہور سے جون ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئے۔

۲۹۔ رفیع الدین ہاشمی، مرتبہ، خطوطِ اقبال، اشاعت اوّل (لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۶ء) ۲۳-۲۲۔

۳۰۔ زیب النساء، اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ، ۲۱۳۔

۳۱۔ غلام حسین ذوالفقار، اقبال ایک مطالعہ، ۲۴۵۔

۳۲۔ عطیہ سیّد کی ۲۰۱ صفحات پر مبنی تصنیف اقبال ـــ مسلم فکر کا ارتقاء، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے

۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ عطیہ سیّد مشہور دانشور، ماہرِ تعلیم اور ادیب ڈاکٹر سید عبداللہ کی صاحبزادی ہیں۔ لاہور کالج برائے خواتین لاہور میں بطور صدرِ شعبہ فلسفہ فرائض انجام دیے۔ ان کے متعدد فلسفیانہ مضامین ملکی اور غیر ملکی فلسفے کے جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کئی قومی و بین الاقوامی فلسفے کی کانفرنسوں اور سیمناروں میں شرکت کر چکی ہیں۔

۳۳۔ عطیہ سیّد، کتاب اقبال ـــ مسلم فکر کا ارتقاء، ۲۲۔

۳۴۔ عبدالخالق، یوسف شیدائی، مسلم فلسفہ (لاہور: عزیز پبلشرز، ۱۹۸۸ء) ۶۷۔

۳۵۔ منزہ ماجد کی ۱۵۲ صفحات پر مشتمل کتاب تسہیلِ اقبال، صوفی تبسم اکیڈمی، راولپنڈی سے ۲۱ اپریل ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔

۳۶۔ منزہ ماجد، تسہیلِ اقبال (راولپنڈی: صوفی تبسم اکیڈمی، ۲۱ اپریل ۱۹۹۳ء) ۲۲۔

۳۷۔ منزہ ماجد، تسہیلِ اقبال، ۶۹-۶۸۔

۳۸۔ زیب النساء، بیگم کی تصنیف اقبال اور بچوں کا ادب ترقی اُردو بیورو نئی دہلی سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ ۲۱۶ صفحات پر محیط ہے۔

۳۹۔ سیّد عبدالواحد معینی، مرتبہ، مقالات اقبال، طبع اوّل (لاہور: شیخ محمد اشرف پریس، لاہور، ۱۹۶۳ء) ۵۔

۴۰۔ زیب النساء، اقبال اور بچوں کا ادب، ۱۳۸۔

۴۱۔ محمد احمد خاں، اقبال اور مسئلہ تعلیم، اشاعت اوّل، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۸۱ء) ۷۔

۴۲۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء) ۱۳۶۔

۴۳۔ بیگم ثاقبہ رحیم الدین کی کتاب دائمی تحرک اور اجتہاد فکر و عمل کا شاعر، اقبال اکادمی لاہور سے ۹ نومبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔

۴۴۔ بیگم ثاقبہ، دائمی تحرک اور اجتہاد فکر و علم کا شاعر، ۴۔

۴۵۔ ڈاکٹر نسرین اختر کی ۶۸ صفحات پر مشتمل کتاب، اقبال اور وجودِ زن ۱۹۸۳ء میں ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان لاہور سے دسمبر ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔

۴۶۔ پروین شوکت علی نے تحقیقی مقالہ بعنوان اقبال کا فلسفۂ سیاسیات انگریزی زبان میں تحریر کیا۔ جس پر انھیں ۱۹۶۸ء میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری دی گئی۔ اس کا اُردو ترجمہ مولانا ریاض الحق عباسی نے کیا۔ ۵۲۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور کی طرف سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔

۴۷۔ پروین شوکت علی، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، اقبال کا فلسفۂ سیاسیات (لاہور: غلام علی اینڈ سنز

پبلشرز)۶-۷۔

۴۸۔ پروین، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، اقبال کا فلسفۂ سیاسیات، ۵۳-۵۴۔

۴۹۔ جاوید اقبال، مرتبہ، شذراتِ فکرِ اقبال، مترجم، افتخار احمد صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، دسمبر ۱۹۷۳ء ۹۳)۔

۵۰۔ سید فقیر وحید الدین، روزگارِ فقیر، جلد اوّل (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۵۰ء)۹۵۔

۵۱۔ سید عابد علی عابد، شعرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، ستمبر ۱۹۹۳ء)۲۱۵۔

۵۲۔ خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، جون ۱۹۸۸ء)۴۶۵۔

۵۳۔ پروین،، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، اقبال کا فلسفۂ سیاسیات، ۳۵۹-۳۶۰۔

۵۴۔ یوسف حسین خاں، روحِ اقبال (لاہور: آئینہ ادب انار کلی، ۱۹۶۳ء)۲۱۴۔

۵۵۔ شمیم طارق، فہمِ اقبال (لکھنؤ: شفاعت بکڈپو حافظ فیشن مولوی گنج، مئی ۱۹۷۶)۸۳۔

۵۶۔ عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل (لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، دسمبر ۱۹۸۴ء)۳۳۵۔

۵۷۔ پروین،، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، اقبال کا فلسفۂ سیاسیات، ۵۱۷۔

۵۸۔ مسز کشور اقبال کی کتاب فکر اقبال کے تعلیمی تقاضے، گلاب پبلشرز، لاہور سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی

۵۹۔ مسز کشور اقبال، فکر اقبال کے تعلیمی تقاضے، پیش لفظ

۶۰۔ مسز کشور اقبال، فکر اقبال کے تعلیمی تقاضے، ۲۔

۶۱۔ مسز کشور اقبال، فکر اقبال کے تعلیمی تقاضے، ۴۴۔

کلامِ اقبال کے اشاریے

اشاریۂ کلامِ اقبال (اُردو) ؎

اشاریۂ کلام اقبال اُردو سے اقبال کی فکر کے تدریجی ارتقا کے جاننے میں مدد ملتی ہے۔ اس اشاریے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال نے سب سے زیادہ اپنی ذات اور اپنے شعر کے متعلق لکھا ہے۔ اس سے کم خودی، مسلمان، عشق اور زندگی کے موضوعات پر لکھا ہے۔ بانگِ درا میں صرف دو تین جگہ خودی کے متعلق لکھا ہے، اور اس میں فقر اور ملا کو موضوع سخن نہیں بنایا گیا۔ حسن اور مناظر فطرت پر اظہار خیال بانگِ درا میں کثرت سے ہے۔ صرف بانگِ درا میں واعظ کو ہدف طنز و تعریض بنایا گیا ہے۔ پھر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے انگریزوں کی تعریف میں بھی اشعار لکھے ہیں۔ بانگِ درا میں عورت کی شخصیت پر کہیں اظہار خیال نہیں کیا گیا۔

اس اشاریے کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ ہر مصرعے کے ابتدائی دو یا تین الفاظ کو ہجائی ترتیب سے لکھا گیا ہے، اس کے بعد کتاب کا نام نظم یا غزل یا قطعہ کا نام اور آخر میں صفحہ درج کیا گیا ہے۔ چونکہ کلامِ اقبال کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اس خیال کے تحت کہ جو ایڈیشن زیر نظر اشاریے کے مرتب نے استعمال کیا ہے۔ وہ بعض محققین کو دستیاب نہ ہو سکے۔ نظم کا نام بھی ساتھ دے دیا گیا ہے تا کہ اگر صفحہ نہ مل سکے تو نظم میں سے شعر ڈھونڈا جا سکے۔ قارئین کی سہولت کی خاطر کتاب کے انفرادی صفحات (مثلاً بانگِ درا، بالِ جبریل وغیرہ) کے علاوہ کلیات کے صفحات بھی لکھے گئے ہیں۔

کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس اشاریے میں اقبال کے تمام مطبوعہ اشعار کا احاطہ ہو جائے۔ چنانچہ اقبال کے خود مرتبہ کلیات کے علاوہ سرودِ رفتہ، باقیاتِ اقبال، روزگار فقیر اور انوارِ اقبال میں مندرج تمام اشعار کو شامل کر لیا گیا ہے کیونکہ سرودِ رفتہ کے تمام اشعار باقیات اقبال میں آ چکے ہیں اس لیے سرودِ رفتہ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ موضوعات کے اشاریے میں شعر کے پہلے دو یا تین لفظ بھی دے دیے گئے ہیں جس میں اس موضوع کا اظہار ہوتا ہے تا کہ مطالب کی تلاش میں آسانی پیدا ہو۔

''اختصارات'' کے عنوان کے تحت کلیات کے بجائے الگ الگ کتب کے اختصارات درج کیے گئے ہیں جیسے—

با: بانگِ درا ، بال ،بالِ جبریل

ضرب: ضربِ کلیم

ارم: ارمغانِ حجاز

باقیا: باقیاتِ اقبال

روزگار: روزِ گار فقیر

انو: انوارِ اقبال

یاسمین رفیق کے مرتب کردہ اشاریہ میں پورا مصرع دیا گیا ہے یعنی مصرع وار ترتیب دیا گیا ہے جبکہ زبیدہ بیگم کے مرتب کردہ اشاریہ میں پورے مصرعے کے اندراج کے بجائے اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف پہلے دو یا تین الفاظ دیے گئے ہیں۔ الفاظ اور مصرعوں کی ہجائی لحاظ سے ترتیب دونوں اشاریوں میں مشترک ہے۔ ذیل میں دونوں اشاریوں سے ایک ایک مثال درج کی جاتی ہے: یاسمین رفیق کے مرتب کردہ اشاریہ سے مثال:

مصرع

آ، اک نیا شوالا اس دیس میں بنادیں

کتاب	صفحہ			
بانگ درا	قدیم	غ ع	اکا(ع)	عنوان
	۸۸	۸۸	۹۹	نیا شوالا

اب زبیدہ بیگم کے مرتب کردہ اشاریہ سے مثال:

آ اک : با نیا شوالا : ۸۸

اشاریۂ کلامِ اقبال (اُردو) کلامِ اقبال کا مطالعہ کرنے کے لیے قارئین کا بہترین معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

اشاریۂ کلامِ اقبال (اُردو) ؏

تلاش اشعار کے ضمن میں اس سے قبل اقبال کے اُردو کلام کے دو اشاریے شائع ہوئے ہیں۔ پہلا اشاریہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل اشاریۂ کلامِ اقبال کے عنوان سے صدیق شبلی نے مرتب کر کے کتاب مرکز فیصل آباد سے ۱۹۷۷ء میں چھپوایا۔ دوسرا اشاریہ ۶۲۸ صفحات پر مشتمل داؤد عسکر کا مرتبہ جو شیر جو رشید اینڈ سنز، کراچی سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

صدیق شبلی نے صرف غلام علی ایڈیشن (۱۹۷۳ء و مابعد) کے حوالے سے اشاریہ مرتب کیا ہے، مزید برآں انھوں نے ہر مصرع کو نہیں، بلکہ شعر کے صرف پہلے مصرع کو حوالہ بنایا ہے، اس لیے اس کی افادیت محدود ہے، جبکہ داؤد عسکر کا مرتب کردہ اشاریہ نسبتاً زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں ہر شعر کے دونوں مصرعوں کو حوالہ بنایا گیا ہے۔ نیز کلامِ اقبال کی قدیم اشاعتوں (ماقبل ۱۹۷۳ء) اور شیخ غلام علی ایڈیشن (۱۹۷۳ء و مابعد) دونوں کے صفحات نمبر دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد بھی مختلف ناشرین کی طرف سے کلیاتِ اقبال (اُردو) کے متعدد نسخے شائع ہوئے ہیں۔ ان سب میں اہم نسخہ اقبال اکادمی پاکستان کا ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں ''ڈی لکس اشاعت'' اور ۱۹۹۴ء میں ''سپر ڈی لکس اشاعت'' اور ''عوامی ایڈیشن ۱۹۹۴ء'' شیخ علی غلام ایڈیشن کے بعد، یہ کلیات کا سب سے معتبر نسخہ ہے اور صحت متن کے اعتبار سے سب میں زیادہ قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔

یاسمین رفیق نے اس اشاریے میں کلامِ اقبال کی تین اہم اشاعتوں شیخ مبارک علی اور شیخ غلام علی کی قدیم اشاعتیں، کلیاتِ اقبال (اُردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۳ء و مابعد، اور اس میں شامل اُردو کلام کے مجموعے اور کلیاتِ اقبال (اُردو) اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء و مابعد، اور اس میں شامل اُردو کلام کے مجموعے کو حوالہ بنایا ہے۔

حوالے میں مصرعوں کی الفبائی ترتیب اختیار کی گئی ہے۔ اور ہر مصرع کے سامنے متذکرہ بالا تینوں اشاعتوں کے صفحات نمبر بھی درج کیے گئے ہیں۔ صفحہ نمبر پورے کلیات کے

نہیں الگ الگ کتابوں بانگِ درا، بالِ جبریل وغیرہ کے ہیں۔ ہر مصرع کی متعلقہ نظم یا غزل کی نشاندہی کے ساتھ مصرع کا شمار بھی دیا گیا ہے۔

یاسمین رفیق کی یہ کاوشیں اس اعتبار سے بھی قابل تحسین ہے کہ اس نوعیت کے کام اقبالیان اور اقبال شناسوں کی توجہ سے محروم ہیں کیونکہ حوالہ جاتی تحقیقی کام مشکل اور جان لیوا ہوتے ہیں اور اس میں تنقیدی مضامین لکھنے سے کہیں زیادہ محنت درکار ہوتی ہے۔ یہ اشاریہ مصرع وار اور بہ اعتبار حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے اور خاصی محنت کی گئی ہے۔ لہٰذا مرتبہ کے اس حوالہ جاتی تحقیق پر مبنی کارنامے کی ہر لحاظ سے اہمیت مسلم ہے۔

اشاریہ اقبالیات ج

موجودہ عہد میں اشاریہ سازی کی بہت اہمیت ہے۔ مختلف علمی، ادبی اور تحقیقی کتب اور مجلوں میں وافر تعداد میں مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس وسیع اور وافر ذخیرے سے کسی تحقیق کار کے کسی خاص موضوع سے متعلق لوازمہ تلاش کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ تمام کتب اور مقالات کی باری باری ورق گردانی کی جائے۔ لیکن اس کام میں محقق کا بہت سا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر مختلف النوع اشاریے اور وضاحتی فہرستیں سہولت اور آسانی کے ساتھ نسبتاً کم وقت میں اپنے مطلوبہ مواد تک پہنچانے کے لیے محقق کی مدد کرتی ہیں۔

اقبال کے علم وفن کے بارے میں مختلف موضوعات پر تحقیقی وتنقیدی کتب کا تدوین و اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اس کے ساتھ ساتھ ملک کے مختلف علمی وادبی رسائل وجرائد اقبالیات سے متعلق مضامین ومقالات اور کتب پر تبصرے کرتے رہتے ہیں۔ ان وسیع معلومات کی تلاش وجستجو اور استفادے کی خاطر ماہرین نے مختلف وضاحتی فہرستیں، کتابیات اور اشاریے تیار کیے ہیں۔ یوں بعض رسائل کے مضامین کی فہرستیں اور اشاریے مرتب ہو کر منصۂ شہود پر آ گئے ہیں جو اقبالیاتی تحقیق میں بنیادی اور اہم ماخذ کا کام دیتے اور محققین کی بھرپور مدد اور رہنمائی کرتے ہیں۔

اقبال اکادمی پاکستان ایک بے حد فعال ادارہ ہے جو اقبال کی شخصیت کی تفہیم اور ان کے فکروفن کو فروغ دینے میں مصروف ہے۔ اس کا اصل کام اقبال کے شعری مجموعوں کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کروانا اور ان کے افکار کے متعلق اقبال شناسوں سے کتب لکھوانا ہے۔ اکادمی ایک سہ ماہی مجلہ اقبال ریویو (انگریزی) اقبالیات (اُردو اور فارسی) نکالتی ہے۔ اس مجلے میں اقبالیات کے حوالے سے سینکڑوں معیاری مضامین و مقالات شائع ہوتے ہیں۔ اپنی فعال ادبی زندگی کے ان ۳۴ سالوں میں فروغِ فکر اقبال کے لیے اکادمی نے جو خدمات انجام دی ہیں، زیرِ نظر اشاریے میں ان کی تفصیل مل جاتی ہے۔

اختر النساء کا مرتب کردہ اشاریۂ اقبالیات (اُردو، انگریزی، فارسی، عربی، ترکی) اپریل ۱۹۶۰ء سے لے کر جولائی ستمبر ۱۹۹۴ء کے عرصہ تک محیط ہے اور پاکستان اقبال اکادمی لاہور سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔

اس اشاریے سے قبل اقبالیات کے دو اشاریے مرتب ہو کر سہ ماہی اقبال ریویو کی زینت بن چکے ہیں۔ پہلا اشاریہ افضل حق قریشی کا مرتب کردہ ہے۔ یہ اشاریہ جولائی ۱۹۶۰ء سے جنوری ۱۹۸۳ء کے شماروں پر محیط ہے۔ اُردو اور انگریزی مشمولات کا الگ الگ اشاریہ تیار کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ جولائی ۱۹۸۳ء کے شمارے میں شامل ہے۔

دوسرا اشاریہ جولائی ۱۹۸۳ء سے جولائی ۱۹۸۶ء کے مشمولات پر محیط ہے جو جنوری ۱۹۸۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس کے مرتبین محمد سہیل عمر اور مختار احمد ہیں، اس اشاریے میں اُردو اور انگریزی کے علاوہ فارسی کے ایک شمارے کا اشاریہ بھی شامل ہے۔ یہ اشاریہ پہلے اشاریے کی اگلی کڑی ہے۔

اختر النساء کا مرتب کردہ اشاریہ پہلے دونوں اشاریوں کے مشمولات یعنی مجلہ اقبال ریویو (موجودہ اقبالیات) کی جلد ۱ تا ۳۵ یعنی اپریل ۱۹۶۰ء سے جولائی ستمبر ۱۹۹۴ء کے شماروں پر مشتمل ہے۔ اس کی وضاحتی فہرست چار طرح سے ترتیب دی گئی ہے۔

۱۔ شمارہ وار اشاریہ
۲۔ مصنف وار اشاریہ
۳۔ موضوع وار اشاریہ
۴۔ تبصرہ کتب

اشاریے میں ہر شمارے کے مندرجات کا زمانی اعتبار سے شمارہ وار اندراج کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ مضامین و مندرجات کا زمانی نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس سے بیک نظر اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں مجلّہ اقبال ریویو اور اقبالیات میں کتنا وافر ذخیرہ مضامین و مقالات موجود ہے۔

مصنف وار اشاریے میں جملہ تحریروں کے حوالے مصنف وار مرتب کیے گئے ہیں۔ اس حصے میں ''اقبالیات'' میں ایک مصنف کی شائع شدہ تحریروں یعنی مضامین، تراجم، تبصرے اور منظومات کے حوالے یکجا ملتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکادمی کو کن کن مصنفین اور مبصرین کا قلمی تعاون حاصل رہا اور اسی اثنا میں ایک مقالہ نگار کے کون کون سے مقالے شائع ہوئے۔ مصنفین کے نام الفبائی ترتیب سے درج ہیں۔ ایک مصنف کی ایک سے زائد تحریروں کے حوالے زمانی ترتیب سے درج کیے گئے ہیں۔ اس اشارے میں مصنفین کے علاوہ مرتبین، مترجمین اور مبصرین سب شامل ہیں۔ ''اقبالیات'' میں متعدد مصنفین کے مقالات بھی شامل ہیں لہٰذا کسی خاص مصنف کی جملہ تحریروں تک رسائی کے لیے ''مصنف وار اشاریہ'' قارئین و محققین کی مدد کرتا ہے۔

موضوع وار اشاریہ مختلف موضوعات و مباحث کا اشاریہ ہے۔ اس حصے میں اقبالیات کے ذخیرے کو علیحدہ علیحدہ عنوانات کے ساتھ مختلف حصوں میں اسی طرح منقسم کیا گیا ہے کہ ہر عنوان بذاتِ خود ایک موضوع بن جاتا ہے۔

کسی خاص موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کو سارے متعلقہ حوالہ جات یکجا مل جاتے ہیں۔ موضوعات کی ترتیب الفبائی ہے اور یہ حصہ بھی مصنف وار مرتب کیا گیا ہے۔ بیک وقت مختلف موضوعات کی ذیل میں آنے والے مضامین کو ان کی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ دونوں عنوانات کے تحت درج کیا گیا ہے یا جو موضوع زیادہ اہم، نمایاں اور قریبی محسوس ہوا، مضمون کو اس کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک اقبالیاتی موضوعات اور دوسرے دیگر موضوعات۔ اس حصے سے اس بات کا

اندازہ ہوتا ہے کہ اقبالیات میں متنوع موضوعات اور دیگر موضوعات پر کیسے کیسے معیاری اور علمی سطح کے مضامین لکھے گئے۔ اس اشاریے کی مدد سے قاری اپنی ضرورت اور پسند کے موضوع تک با آسانی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

تبصرہ کتب میں مختلف موضوعات پر لکھی گئی کتب اور رسائل پر تبصروں کی فہرست پیش کی گئی ہے۔ جو سہ ماہی اقبالیات میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ اس فہرست کو کتابوں کے الفبائی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

مرتبہ نے قارئین کی سہولت کی خاطر یہاں بھی اقبالیاتی کتب اور دیگر کتب (پر تبصرے) الگ الگ درج کی ہیں اور ساتھ ہی کتاب کے مصنف اور مبصر کی نشاندہی قوسین میں کر دی ہے۔ تبصروں کی اس فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اقبالیات میں شاعری اور نثر دونوں اصناف کی کتب پر تبصرہ شائع ہوتے رہے۔ انگریزی شماروں کی وضاحتی فہرست علیحدہ چار طرح سے ترتیب دی گئی ہے۔

1- Year wise 2- Author wise

3. Topic wise (General Topicsi and Iqbaliat)

4. Book Review

اقبالیات اس لحاظ سے اہم خصوصیت کا حامل ہے کہ اس نے انگریزی اور اُردو کے علاوہ فارسی، عربی اور ترکی شمارے بھی شائع کیے ہیں۔ اگرچہ اُردو کے علاوہ فارسی، عربی اور ترکی شمارے بھی شائع کیے ہیں۔ اگرچہ اُردو اور انگریزی شماروں کی نسبت ان کی تعداد بہت ہی کم ہے لیکن یہ اس لحاظ سے قابلِ قدر ہیں کہ بیشتر مقالے اقبالیات سے متعلق ہیں اور زیادہ تر مقالہ نگار اور دانشور دوسرے ممالک کے ہیں۔

ان شماروں کی وضاحتی فہرستیں الگ الگ مرتب کی گئی ہیں چونکہ ان شماروں کے مشمولات کی تعداد محدود ہے لہٰذا انھیں دو طرح سے مرتب کیا گیا ہے۔ شمارہ وار اور پھر مصنف وار ہے۔

اشاریے کے ہر حصے میں مصنف کے نام، مضمون کے عنوان، جلد و شمارہ نمبر، تاریخ

اشاعت اور صفحات کی تعداد جیسی معلومات فراہم کی گئی ہیں تاکہ فنی نظر سے مطالعہ کرنے والے اور تمام ادبی محققین یکساں آسانی سے اس سے استفادہ کر سکیں۔ مصنفین کے نام نہ تو لائبریری کیٹلاگ کے مطابق درج کیے گئے ہیں اور نہ ہی مغربی طرز پر انھیں الٹا لکھا گیا ہے بلکہ ہر نام مکمل صورت میں جیسا کہ وہ مقالے پر چھپا ہوا ہے، تحریر کیا گیا ہے البتہ القابات و سابقات کو اصل نام کے آخر میں رکھا گیا ہے۔

اس اشاریے سے فائدہ یہ ہوا کہ کسی خاص موضوع یا کسی مصنف کی تحریر کی تلاش کے لیے پورے پرچے کی ورق گردانی نہیں کرنی پڑے گی۔ یہ اشاریہ اس لحاظ سے بھی بہت مفید ہے کہ اقبالیات میں شائع ہونے والے مضامین اور مقالات کا مستقل ریکارڈ فراہم ہو گیا ہے جو کہ آئندہ کے محققین کے لیے دستاویزی نوعیت کا حامل ہوگا۔ اس سے اقبالیات میں شائع ہونے والے تخلیقی سرمایے کی رفتار و ترقی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مرتبہ نے کتاب کے دیباچہ میں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کے ناظم وحید قریشی کا شکریہ ادا کیا ہے جن کی اقبال شناسی نے اس اشاریے کو مرتب کرنے کی ترغیب دی۔ رسائل کی فراہمی کے علاوہ شماروں کے مندرجات کی عکسی نقول فراہم کیں، اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازنے کے ساتھ اکادمی کی لائبریری سے استفادہ کرنے کی سہولت فراہم کی جس سے اشاریے کی ترتیب و تیاری میں سہولت اور آسانی ممکن ہو سکی۔ اس کے ساتھ ہی رفیع الدین ہاشمی، محمد سہیل عمر اور وحید عشرت کا بھی شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

اشاریہ کلامِ اقبال (فارسی) ۵

کلامِ اقبال کا بکثرت مطالعہ ہوتا ہے اور تحریر و تقریر میں اشعار لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ مؤلف اور مقالہ نگار سند کے طور پر ان کے اشعار پیش کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شعر پورا یاد نہیں رہتا یا مصرع کے پہلے دو یا تین لفظ یاد رہ جاتے ہیں یا پھر یہ ذہن میں نہیں رہتا کہ یہ شعر کس کتاب میں موجود ہے۔ محققین کے لیے کسی ضخیم مجموعہ کلام سے شعر تلاش کرنے میں کافی وقت تلف ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے وقت بچانے کے لیے

اشاریے کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کم سے کم وقت میں اصل شعر تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ آج کل علمی و تحقیقی کتابوں کے آخر میں انڈیکس (اشاریہ) کا ہونا لازمی ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کتاب مطبوعاتی اعتبار سے ناقص شمار ہوتی ہے۔

اکثر اشعار کی صحت کی تصدیق کے لیے کلیات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر اشاریہ مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے اور اصل شعر تک پہنچاتا ہے۔ مرتبہ نے اسی لیے اشاریہ مرتب کیا ہے۔

اقبال کے اُردو کلام کا اشاریہ حرفِ شیریں کے نام سے داؤد عسکر نے مرتب کیا تھا۔ مرتب نے ہجائی ترتیب سے تمام مصرعے نقل کر دیے، اس سے گویا پورا کلام منضبط ہو گیا تھا۔ اس طرح تلاشِ شعر میں آسانی تو ہو گئی لیکن اشاریے کی ضخامت اصل کتاب کے برابر ہو گئی تھی۔

اقبال کے فارسی کلام کا اشاریہ کشف الابیات کے نام سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے مرتبین صدیق شبلی اور محمد ریاض تھے۔ کل صفحات ۵۱۷ تھے۔ یہ کتاب آج کل کمیاب ہے۔ مرتبین نے شعر کے پہلے مصرعے کے دو تین لفظ دے کر کلیات کلامِ اقبال (فارسی) مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز کے صفحات میں صرف مسلسل شمارے کا عدد لکھا ہے۔ اور کتاب مخصوص کے انفرادی صفحہ کا عدد نہیں دیا گیا۔ اس لیے جن اصحاب کے پاس کلیات کا مذکورہ نسخہ موجود نہیں وہ اس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص کو شعر کا دوسرا مصرع یاد ہے تو وہ بھی اس اشاریے سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

زبیدہ بیگم کے مرتب کردہ اشاریہ کلام اقبال (فارسی) اشاریے کی ترتیب میں شروع میں ہر مصرعے کے پہلے دو یا تین لفظ لکھے ہیں اس کے بعد کتاب کا نام پھر نظم کا عنوان یا لمبے عنوان میں سے برجستہ لفظ، اس کے بعد اس کتاب کا صفحہ نمبر، جس میں یہ شعر موجود ہے اور آخر میں کلیات کا مسلسل نمبر درج کیا گیا ہے۔ جیسے:

آتش او کم: مسافر، مناجات: ۴۷/۸۷۰

اگر مذکورہ کلیات کے بجائے کتابوں کے الگ الگ ایڈیشن موجود ہوں تب بھی شمارہ

صفحات میں اختلاف ہونے کے باوجود کتاب اور نظم کے عنوان کی مدد سے بھی شعر تلاش کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اشعار تلاش کرنے کے علاوہ مختلف موضوعات پر اقبال کے افکار و آرا معلوم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ مثلاً جن موضوعات پر اقبال کے افکار و آرا جاننے کے لیے آسانی ہو سکتی ہے، وہ آتش، بندہ، دست، دل، دیدہ، دیں، ذوق، روح، زمین، زندگی، زندہ، سوز، سینہ، شعلہ، عالم، عشق، عقل، علم، فطرت، فقر، فکر، قوت، گل، لالہ، مرد، مسلمان، ملت، من، موج، مومن، نالہ، نغمہ، نقش، نکتہ، نگاہ، نوا اور ہستی وغیرہ ہیں۔ اشعار کے دونوں مصرعوں کے ابتدائی الفاظ کے اندراج، کتاب اور نظم کے عنوان اور انفرادی کتابوں کے صفحات اور کلیات کے مسلسل صفحات دونوں کے اندراج کی وجہ سے جن اصحاب کے پاس کلیات کا مذکورہ نسخہ نہیں وہ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اشاریہ سہ ماہی مجلہ اقبال

بزم اقبال کا ترجمان اقبال ایک ممتاز علمی و ادبی مجلہ ہے اس کا اجرا جولائی ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ یہ مجلہ اقبال کی زندگی، ان کے کلام اور فکر و فلسفے کی ترویج و تفہیم کے لیے شائع ہوتا ہے اور انھی کے نام سے منسوب ہے۔ اس مجلے میں مضامین کا تنوع نظر آتا ہے۔ اس میں اقبال کی زندگی، شاعری اور افکار کے علاوہ مختلف النوع علمی اور تحقیقی و تنقیدی مقالات کے علاوہ کتب و رسائل پر تبصرے بھی شائع ہوتے ہیں۔

اختر النساء کا مرتب کردہ اشاریہ مجلہ اقبال کی جلد ۱ تا ۳۸۔۳۹ کے شماروں پر مشتمل ہے، یہ شمارے اکتوبر ۱۹۵۲ء تا اکتوبر ۱۹۹۱ء/ جنوری ۱۹۹۲ء تک کے ہیں۔ یہ اشاریہ بزم اقبال، لاہور سے فروری ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ مضامین کی وضاحتی فہرست چار طرح سے پیش کی گئی ہے۔

۱۔ شمارہ وار اشاریہ ۲۔ مصنف وار اشاریہ

۳۔ موضوع وار اشاریہ ۴۔ تبصرہ کتب

شمارہ وار اشاریے میں ہر شمارے کے مندرجات کی زمانی ترتیب سے شمارہ وار اندراج کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ مضامین و مندرجات کا زمانی نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس سے بیک نظر اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں مجلہ اقبال میں کون کون سے مسائل و موضوعات زیر بحث رہے۔ نیز ادارے کو کن مصنفین اور مبصرین کا قلمی تعاون حاصل رہا۔

مصنف وار اشاریے میں جملہ تحریروں کے حوالے مصنف اور مرتب کیے گئے ہیں۔ اس حصے میں مجلہ اقبال میں ایک مصنف کی شائع شدہ تمام تحریروں یعنی مضامین، تراجم، تبصرے اور منظومات کے حوالے یکجا ملتے ہیں۔ مصنفین کے نام الفبائی ترتیب سے درج ہیں۔ ایک مصنف کی ایک سے زائد نگارشات کے حوالے زمانی ترتیب سے مرتب کیے گئے ہیں۔

موضوع وار اشارے میں مختلف موضوعات کے تحت عام تحریروں کے حوالے ہیں تاکہ کسی خاص موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قاری کو سارے متعلقہ حوالے یکجا مل جائیں ہیں۔ یہ اشاریہ مرتب کرتے وقت مرتبہ کو خاصی مشکل پیش آئی کیونکہ کچھ مضامین اس نوع کے تھے جو بیک وقت مختلف موضوعات کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو موضوع زیادہ اہم، نمایاں اور قریبی محسوس ہوئے انھیں کو اس کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ اس حصے سے اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اقبالیات کے متنوع موضوعات پر کیسے کیسے معیاری اور علمی سطح کے مضامین لکھے گئے ہیں۔ یہ اشاریہ مرتبہ نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اقبالیاتی موضوعات ۲۔ عمومی موضوعات

اقبالیاتی موضوعات میں اقبال کی سوانح، شخصیت، شاعری، تصانیف، تصورات، تصوف، خطوط، نثر اور ان کے افکار پر مختلف مصنفین آغا صادق، شوکت سبزواری، خواجہ عبدالحمید یزدانی، عبدالمغنی، محمد ایوب شاہد، محمد حنیف شاہد، محمد ریاض، سیّد عبداللہ، محمد منور، سیّد محمد یوسف، نظیر صدیقی، پروفیسر سیّد وقار عظیم، سیّد سلطان محمود حسین، صابر کلوروی، صدیق جاوید، سیّد عبدالواحد معینی، محمد حنیف شاہد، محمد عثمان، خلیفہ عبدالحکیم، بشیر احمد ڈار، سلیم اختر،

عزیز احمد، عطیہ سید، مولانا غلام رسول مہر، وحید عشرت، وحید قریشی، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، حجاب امتیاز علی، رفیع الدین ہاشمی، غلام بھیک نیرنگ، محمد عبداللہ قریشی، پروفیسر غلام حسین ذوالفقار، سید افتخار حسین شاہ، محمد عبداللہ چغتائی، محمد صدیق خان شبلی، جیلانی کامران وغیرہ کے مقالات شامل ہیں۔

عمومی موضوعات میں مختلف النوع موضوعات جیسے ادبیات اُردو کی اصناف، مسائل و مباحث، ادبیات، عربی، ادبیاتِ فارسی، تاریخ و سیاسیات، تعلیم، تہذیب و ثقافت، سائنس، شخصیات، فلسفہ و تصوف، فنونِ لطیفہ اور مذہبیات پر مضامین و مقالات پر مشتمل اشاریہ درج کیا گیا ہے۔

اس حصے میں جسٹس ایس۔ اے رحمٰن، خواجہ عبدالمجید یزدانی، افتخار احمد صدیقی، تنویر احمد علوی، سہیل بخاری، گوہر نوشاہی، مولانا غلام رسول مہر، شوکت سبزواری، محمد صادق، ممتاز منگلوری، سید وقار عظیم، آغا یمین، سید عابد علی عابد، عبدالغنی، ناظر حسین زیدی، اقبال، عبداللہ چغتائی، محمد یوسف گورایہ، وحید قریشی، ناصرہ حبیب، مرزا ادیب، ابو اللیث صدیقی، وفا راشدی، محمد منور، رحمان مذنب وغیرہ کے مضامین و مقالات شامل ہیں۔

اشاریہ کی چوتھی ترتیب تبصرہ کتب ہے۔ اس حصے میں مختلف کتب و رسائل پر تبصروں کی فہرست پیش کی گئی ہے جو سہ ماہی اقبال میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ اس فہرست کو الفبائی ترتیب سے مرتب سے کر کے پیش کیا گیا ہے۔

اختر النساء نے اشاریے کے ہر حصے میں مصنف کا نام، مضمون کے عنوان، جلد و شمارہ نمبر، تاریخ اشاعت، صفحات کی تعداد، انگریزی شماروں کی وضاحتی فہرست (علیحدہ تیار کی گئی ہے) کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

انگریزی شماروں کی وضاحتی فہرست بھی شمارہ وار، مصنف وار، مضمون وار اور تبصرہ کتب کی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔ تبصرہ کتب کے اشاریے میں ان کی فہرست ابجدی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔

اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ [۷]

اقبال پر اب تک بے شمار کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے فکر و فن اور شعر و فلسفہ پر تحقیقی و تنقیدی کام ہو رہے ہیں۔ ان کے کلام کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہیں۔ مرتبین کا اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں کہنا ہے:

> طالبانِ اقبال اس شاعر اور فلسفی کے پیام کو سمجھنے میں معروف ہیں۔ ان کے رہنمائی کے لیے کچھ اہلِ قلم نے جامع قسم کی کتابیات تیار کی ہیں۔ صد سالہ تقریبات کے موقعہ پر چند ارباب نے ان کے کلام کے اشاریے بھی تیار کر دیے ہیں مگر جویانِ حقیقت کا یہ سوال ہے کہ آج تک علامہ اقبال پر کیا کچھ سپردِ قلم کیا چکا ہے؟" محروم جواب ہے اس اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے از خود طبع شدہ کتب و رسائل میں زیرِ بحث موضوعات "سوانحی یاداشتوں" خاکوں، سفرناموں، تاریخ، و تذکروں کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ تیار کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی کڑی کے طور پر ہم نے موجودہ اشاریہ مرتب کیا ہے تاکہ شاعرِ مشرق پر مزید تحقیق و تدقیق کا کام کرنے والے نئی سوچ اور سمتوں کا تعین کرنے میں آسانی محسوس کریں۔ [۳۷]

یہ اشاریہ ایک لحاظ سے کتابی ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے کیونکہ اس میں جن کتب و رسائل کی فہارسِ مضامین کو مرتب کیا گیا ہے۔ ان کی عنواناتی فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے۔ مرتبین کی یہ کاوش نہ صرف قومی و ملکی سطح پر بلکہ غیر ملکی و بین الاقوامی سطح پر بھی محققین و شارحینِ اقبال اپنی طبع آزمائیوں کے لیے نئی سمتوں اور نئے زاویوں کا تعین کرنے کے لیے اشاریے کا استعمال معاون و مددگار ہے۔ ناقدینِ اقبال تقابلی مطالعہ اور مطالعاتی جائزہ لیتے وقت اپنی آرا و نقد و نظر کو مزید وزنی بنا سکتے ہیں۔ مستند حوالے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ اس "موضوعاتی اشاریہ" کو مطالعاتِ اقبال کے لیے حوالہ جاتی کلید بنانا ہی مرتبین کا اصل مقصد ہے۔

اشاریہ کی ترتیب الفبائی ہے۔ سر اندراج موضوعاتی عنوان ہے۔ ہر اندراج کے تحت

قوسین میں کتاب وغیرہ کا نام، اس کے مصنف یا مرتب، سال اشاعت اور صفحات کے شمار دیے گئے ہیں تا کہ مضمون کی وسعت، گہرائی اور حوالے کی صحت قائم رہے۔ جن کتابوں سے موضوعات یا ذیلی عنوانات اس شمارے میں شامل کیے گئے ہیں ان کی علیحدہ فہرست یا عنوانی اشاریہ بھی دے دیا گیا ہے۔

کل اندراجات کا شمار تقریباً ۳۷۱۹ ہے جنھیں اُردو، فارسی اور عربی کتب وغیرہ سے لے کر شامل کیا گیا ہے۔ اندراجات شامل کرتے وقت ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں کی گئی۔ الفبائی ترتیب میں بھی اندراجات کو جوں کا توں رکھا گیا ہے۔ حروف وار اندراجات اس لیے درج کیے گئے ہیں کہ اگر جامع ایڈیشن کو بعد ازاں اجزا کی صورت میں پیش کرنا پڑے تو ان کی ضخامت اور جزوی تقسیم کا اندازہ لگایا جا سکے۔

☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱۔ زبیدہ بیگم کا مرتبہ اساریۂ کلام اقبال، الفضل کتب، لاہور سے اگست ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ یہ ان کا حوالہ جاتی تحقیقی مقالہ تھا جو ظہور الدین احمد کی نگرانی میں مکمل کیا گیا تھا۔

۲۔ اشاریۂ کلام اقبال (اُردو) یاسمین رفیق کا ایم اے (اُردو) کا مقالہ تھا جسے اُنھوں نے تصحیح و ترمیم کے بعد اقبال اکادمی، لاہور سے ۲۰۰۱ء میں شائع کروایا۔

۳۔ اختر النساء کا مرتبہ اشاریہ اقبالیات، اقبال اکادمی، لاہور سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔

۴۔ زبیدہ بیگم کا مرتبہ، اشاریہ کلام اقبال فارسی، بزم اقبال، لاہور سے مئی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔

۵۔ اختر النساء کا مرتبہ، اشاریہ سہ ماہی مجلہ اقبال، بزم اقبال، لاہور سے فروری ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔

۶۔ زمرد محمود اور محمود الحسن کا مرتب کردہ اشاریہ اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔

۷۔ زمرد محمود، محمود الحسن، اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء)!۔

دیگر زبانوں کی اقبال شناس خواتین

Iqbal as I Knew Him ے

یہ کتاب ۶۱ صفحات پر مشتمل ہے جن میں سے متن پر مبنی صفحات کی تعداد ۵۴ ہے باقی صفحات ڈورس احمد (مصنفہ) جاوید اقبال اور منیرہ کی تصاویر پر مشتمل ہیں۔

کتاب کو دو ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے باب بعنوان ''Arrival'' اس میں مصنفہ نے اقبال کے یہاں اپنی آمد کا سارا حال بیان کیا ہے۔ اقبال اپنی بیگم سردار بیگم کی ۱۹۳۵ء میں وفات کے بعد گیارہ سالہ جاوید اقبال اور پانچ سالہ منیرہ کی وجہ سے کافی پریشان تھے۔ انھوں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ کوئی مناسب خاتون جو گھر اور بچوں دونوں کو احسن طریق سے سنبھال سکے، تلاش کریں۔ ان دوستوں میں سے ایک پروفیسر رشید احمد صدیقی بھی تھے جو علی گڑھ یونیورسٹی سے منسلک تھے۔

مصنفہ ان دونوں اپنی بہن کے ہاں علی گڑھ میں قیام پذیر تھیں۔ جن کی شادی اصغر علی حیدر صدر شعبہ نباتیات علی گڑھ یونیورسٹی سے ہوئی تھی۔ مصنفہ نے پروفیسر رشید احمد صدیقی کے یہ کہنے پر کہ ایک تو یہ ملازمت ان کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے اور دوسرے یہ کہ اقبال نے جب سے ان کے بارے میں سنا ہے وہ چاہتے ہیں کہ مصنفہ ان کے گھر اور بچوں کو سنبھالیں، کیونکہ وہ جرمن خواتین کے بہت معترف ہیں، اس ملازمت کے لیے حامی بھری۔ چنانچہ وہ جاوید منزل واقع میورو ڈ میں آگئیں۔ مصنفہ نے اپنی پہلے دن جاوید منزل میں آمد سے متعلق یادداشتوں کو جزئیات سمیت صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔

مصنفہ نے گھر کو غیر منظم اور بے ترتیب پایا۔ اقبال، جاوید اقبال کو اس گھر میں قیام کا ماہانہ کرایہ ادا کرتے تھے اور ۲۱-اپریل کو وفات کے وقت انھوں نے کوئی جائیداد نہیں چھوڑی۔

دوسرا باب خاصا طویل ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے مختلف عنوانات کے تحت اپنی رہائش، روزانہ کی مصروفیات، لباس، گھر اور ملازمین، بچوں یعنی جاوید اور منیرہ، چوہدری

محمد حسین، منشی طاہر دین، راجہ حسن اختر، عبدالحمید، جماعت سنگھ، خلیفہ عبدالحکیم اور دوسرے حصے میں اقبال کے رشتہ داروں شیخ عطا محمد، کریم بی بی، زینب اور پھر دو عنوانات:
"Dr. Sahib's will" اور "Dr. Sahib,s Last Days" کے تحت ان سے متعلق یادداشتوں کو رقم کیا ہے۔ اس کتاب میں اقبال سے متعلق بہت سی معلومات دستیاب ہوتی ہے۔ چونکہ وہ اقبال کے یہاں بطور منتظمہ اور بچوں کی گورنس کے رہائش پذیر رہیں، لہٰذا انھوں نے اقبال کے مزاج، شخصیت، عادات، دوستوں، ملازموں، بچوں کے اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کا گہرا مشاہدہ کیا تھا۔ مصنفہ اقبال کی قرآن خوانی سے بہت مسرور ہوئیں۔ اسی طرح اقبال کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے کہ قدر شفقت اور نرمی روی سے پیش آتے تھے، مصنفہ گھر اور بچوں کی بہتری و بہبودی سے متعلق مفید مشوروں سے نوازتی، اقبال تحمل اور بردباری کے ساتھ سنتے اور قبول بھی فرماتے تھے۔ اقبال جاوید منزل میں بہت سادہ لباس زیب تن کرتے اور عموماً دن رات گھر میں تہبند باندھتے، سردیوں میں کشمیری دھسہ یا شال اوڑھتے، شلوار قمیض بہت کم پہنتے تھے۔ دیگر گھریلو چھوٹی بڑی معلومات کے علاوہ مصنفہ نے اقبال کے دیرینہ دوستوں مثلاً سر راس مسعود اور تاثیر وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اقبال کے مداحین اور دوست جن میں خلیفہ عبدالحکیم، راجہ حسن اختر، عبدالحمید، تاثیر وغیرہ اکثر آیا جایا کرتے تھے۔

اقبال نے اپنی وفات سے قبل اپنی بگڑتی ہوئی طبیعت کے پیش نظر وصیت میں بچوں کی نگرانی کی ذمہ داری کے لیے چوہدری محمد حسین، منشی طاہر دین اور شیخ اعجاز احمد کو مقرر کیا۔

مصنفہ اقبال کی وفات کے بعد بھی جاوید منزل میں اگلے اٹھائیس سالوں تک مقیم رہیں بعد ازاں ۱۹۶۲ء میں ویسٹ برلن روانہ ہو گئیں مگر جاوید اور منیزہ کی شادیوں اور دیگر خاندانی تقریبات میں شرکت کے لیے وقتاً فوقتاً لاہور آتی رہیں۔ مصنفہ کو ۱۹۷۷ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے اقبال کے خاندان کی خدمت کی وجہ سے خصوصی میڈل اور سند امتیاز سے نوازا گیا۔

فکرِ اقبال کا تعارف [۲]

فرانسیسی مستشرق خاتون لوس کلوڈ میتر نے ۱۹۵۵ء میں اقبال کے فلسفیانہ تصورات کی توضیح میں ایک کتاب Indroduction ' s La pensee D. Iqbal لکھی جو پیرس سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ اس کا انگریزی اور اُردو زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ مگر مصنفہ نے اختصار کے باوجود فکر اقبال کے اہم ترین گوشے منور کیے ہیں۔

اس کتاب میں مترجم سلیم اختر کے "پیش لفظ" کے علاوہ اصل کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ مترجم سلیم اختر کتاب کے بارے میں "پیش لفظ" میں لکھتے ہیں:

> آٹھ ابواب پر مشتمل یہ مختصر کتاب اگرچہ اپنے نام کی مناسبت سے واقعی "فکر اقبال کا تعارف" ہے لیکن مندرجات پر ایک نگاہ ڈالتے ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ مصنفہ نے علامہ اقبال کے فلسفیانہ افکار اور ان سے وابستہ اساسی مباحث کی تشریح سے خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ [۳]

اس کتاب کے کل آٹھ ابواب ہیں۔ پہلے اور آخری ابواب کو چھوڑ کر جن میں اقبال کی حیات و تصانیف اور ان کے شاعرانہ محاسن کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، بقیہ تمام ابواب فلسفہ اقبال کی توضیح کے لیے وقف ہیں۔ "اقبال کا فلسفہ شخصیت"، "انسان کامل اور مثالی معاشرہ"، "اقبال کی مابعد الطبیعات اور فلسفہ مذہب"، "اقبال اور مشرقی فکر" یہ وہ تمام ابواب ہیں جن پر فکرِ اقبال کا تعارف کی اساس استوار کی گئی ہے۔

لوس کلوڈ میتر نے فرانسیسی زبان میں سب سے پہلے اقبال کے فکر و فن پر کتاب لکھی ہے۔

سلیم اختر نے سال اقبال ۱۹۷۷ء میں بزم اقبال لاہور کے لیے اقبال ممدوح عالم کے نام سے ایک ایسی کتاب مرتب کی جس میں اقبال شناسی کی بین الاقوامی روایت کا سراغ لگاتے ہوئے مشرق و مغرب کے اقبال شناسوں کے مقالات جمع کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب کے دوران انھیں لوس کلوڈ کی اس کتاب کا انگریزی ترجمہ دستیاب ہوا۔ وہ اسے پڑھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ اس کا اُردو میں ترجمہ شروع کر دیا۔

اس کی ترتیب بالکل اصل کتاب کے مطابق رکھی گئی ہے۔ لوس کلوڈ کی کتاب میں جن اشعار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اکثریت ان ہی اشعار کی ہے۔ بعض اوقات کتاب میں اشعار کے حوالے بھی غلط درج کیے گئے تھے۔ مترجم کو جن اشعار کے اصل تلاش نہیں مل سکے وہاں ان کے ہم معنی اشعار درج کر دیے ہیں۔ اسی طرح آخری باب میں مصنفہ نے ''منتخب غزلیات'' میں زیادہ تر فارسی غزلیات اور بعض منظومات درج کی تھیں، مترجم نے ان کی جگہ بالِ جبریل کی غزلیات شامل کردی ہیں۔

اس کتاب کے پہلے باب ''اقبال۔ حیات و تصانیف'' میں مصنفہ نے اقبال کی حیات اور تصانیف کے بارے میں مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ شاعر، نثر نگار، فلاسفر، ماہر لسانیات، سیاستدان، ماہر قانون اور معلم اقبال کی عظیم صلاحیتوں میں بے حد تنوع ہے۔ اقبال نے اپنا شعری ورثہ اُردو اور فارسی دو زبانوں میں چھوڑا ہے اور اُردو اور انگریزی میں نثر نگاری کے جوہر دکھاتے ہوئے فلسفہ، اقتصادیات، سیاسیات اور ادب ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا۔

دوسرے باب ''اقبال کا فلسفہ شخصیت'' میں اقبال کا فلسفہ سیاست واضح کرنے کے ساتھ ساتھ مصنفہ نے اقبال کی شاعرانہ حیثیت کو سمجھنے کے لیے ان کے فلسفے کے مطالعے کو اشد ضروری قرار دیا ہے۔

تیسرے باب ''انسان کامل اور مثالی معاشرہ'' میں مصنفہ نے اقبال کے تصور انسان کامل اور مثالی معاشرے کی وضاحت کی ہے۔

چوتھے باب ''اقبال کی مابعد الطبیعات اور فلسفۂ مذہب'' پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقبال کی مختصر کتاب فلسفہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ان کے فکری ارتقا میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں نہ صرف ان کے پیغام کے اساسی نکات ملتے ہیں بلکہ اسے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ شاعر مشرق اسلام کی تشکیل نو میں مذہب اور فلسفہ کی ہم آہنگی کا خواہاں ہے۔ اقبال صوفیا کے برعکس وجدان کا اپنی ذات سے آغاز کرتے ہیں جس کے نتیجہ

میں وجدان معمولات کے تجربات سے قریب تر ہو جاتا ہے اور اقبال وجدان ذات سے نکل کر حقیقت مطلق تک پہنچ جاتے ہیں۔ مصنفہ اقبال کے تصور زمان و مکان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> اقبال نے تصوف کے خیمے میں پناہ لینے کی کوشش نہیں کی وہ تو اپنی مذہبی واردات کو ایک زندہ قوت کے روپ میں دیکھنے کا خواہاں ملتا ہے۔ ۴

پانچویں باب ''اقبال اور مشرقی فکر'' میں مصنفہ اقبال کو ذاتی اپج رکھنے والا مفکر قرار دیتے ہوئے، اپنے وسیع مطالعے اور وسیع تر ثقافتی آفاق کے باوجود ان کے یہاں مستعار تصورات کی بازگشت کو تسلیم نہیں کرتیں۔ مصنفہ فکر اقبال میں اسلام کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہیں لیکن انھوں نے رومی کو استثنائی مثال سے قطع نظر اقبال پر دیگر مسلم دانشوروں کے فکری اثرات کو تسلیم نہیں کیا۔ سلیم اختر لکھتے ہیں کہ:

> فکرِ اقبال کا تعارف اختصار کے باوجود نہ صرف یہ کہ فکر اقبال کے بعض اہم گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے بلکہ کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مصنفہ نے اسلام کی صورت میں فکر اقبال کو اس کے درست تناظر میں رکھ کر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اسلام پر ہی کلیت کو استوار بھی دیکھتی ہے۔ ۵

مصنفہ نے اقبال کو اسلام کے حوالے سے سمجھنے پر جس طرح سے زور دیا، وہ مغرب کے مخصوص مذہب نا آشنا فکری رویوں کے مقابلہ میں خصوصی اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ مغرب میں سیکولر میلانات کی بنا پر مذہب اور اس پر استوار ہر نوع کی فکر بالعموم ان کے لیے قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مغرب میں عیسائیت میں فکری رہنمائی کی صلاحیت کبھی بھی نہ تھی۔ باقی وہ تھوڑا بہت تعلق جو عقائد کی ضرورت میں ہوسکتا تھا تو سائنسی انکشافات نے انھیں اوہام ثابت کر دیا۔ اسی لیے مغرب میں باب پیدائش کا متروک ہونا مذہب بلکہ تمام مذاہب کی تنسیخ کے مترادف قرار پایا۔ ایسے میں لوس کلوڈ کا یہ کہنا بے حد معنی

خیز ہو جاتا ہے:

> اس عظیم مفکر پر قرآن مجید کے اثرات کو یوں ہی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔ [۶]

لوس کلوڈ کا رویہ حقیقت پسندانہ ہے ایک غیر مسلم ہونے کے باعث وہ اقبال کی قرآن مجید سے بڑھی ہوئی دلچسپی کو زیادہ معروضی انداز میں دیکھنے کی اہل ثابت ہوئیں اس حد تک کہ اسے فکر اقبال میں اساسی حیثیت قرار دیتے ہوئے اقبال کے لیے طرہ امتیاز گردانتی ہیں:

> اسلام سے باہر فکرِ اقبال نے مسلم مفکرین سے برائے نام ہی استفادہ کیا ہے جبکہ حلقۂ اسلام میں صرف قرآن مجید کی تعلیمات اور رومی کے تصورات نے اسے بطور خاص متاثر کیا۔ [۷]

فروعی جزئیات سے قطع نظر فکر اقبال کے اساسی تصورات کو ملحوظ رکھا جائے تو حقیقت بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔

چھٹے باب ''اقبال اور مغربی فکر'' میں اقبال پر یونانی فلسفے سے لے کر کانٹ، برگساں اور نطشے کے فلسفیانہ اثرات کی بطور خاص تردید کی ہے۔ مثلاً نطشے کے ضمن میں وہ لکھتی ہیں:

> بعض ناقدین نے اقبال پر نطشے کے فلسفیانہ اثرات کے بارے میں غلو سے کام لیا ہے اس حد تک گویا اقبال اس کا ایک ادنیٰ شاگرد ہو لیکن یہ انداز نظر غلط ہے اور کوتاہ بینی پر مبنی! [۸]

اس سے زیادہ واضح اور دوٹوک الفاظ میں اقبال پر نطشے کے اثرات کی نفی ممکن نہ تھی۔ مصنفہ نے اقبال کو یونانی فلسفے کے اثرات سے آزاد دکھاتے ہوئے لکھا ہے:

> یونانی تصورات نے مغربی تہذیب پر گہرے اثرات ہی نہ ڈالے بلکہ اثرات خود اسلام تک بھی پہنچے ہیں مگر اقبال کئی رموز میں یونانی فلسفے کو مضر جانتے تھے اور انھوں نے کئی مواقع پر اس امر پر زور بھی دیا کہ اپنے مزاج کے لحاظ سے مسلم ثقافت یونانی ثقافت سے قطعی طور پر مختلف اور منفرد ہے۔ [۹]

جرمن فلسفے کے ضمن میں وہ رقمطراز ہیں:

> جرمن کے یعنی فلاسفروں نے بھی فکر اقبال پر بہت ہلکے اثرات ڈالے ہیں۔ وہ صرف کانٹ کے ساتھ تھوڑی دیر تک قدم ملاتے ہیں لیکن جلد ہی راستہ تبدیل کر لیتے ہیں۔ [۱۰]

لوس کلوڈ مغربی مفکرین میں سے صرف اپنے ہم وطن برگساں اور اقبال کے افکار میں جزوی مماثلت تو تلاش کی لیکن ان کے فلسفیانہ افکار میں اختلافات کے بنیادی پہلوؤں کو بطور خاص اجاگر بھی کیا۔ مصنفہ فکر اقبال پر مغربی مفکرین کے اثرات کے ضمن میں نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

> اقبال نے مغربی فکر سے برائے نام ہی اخذ کیا بعض اوقات وہ اس کے قریب آتا بھی ہے لیکن جلد ہی اپنا راستہ تبدیل کر لیتا ہے اقبال نے ''اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی'' کی مذمت کے جس اصول کو اپنایا تھا اقبال سے بڑھ کر اس پر بھلا اور کون عمل پیرا ہو سکتا تھا؟ [۱۱]

ساتویں باب میں مصنفہ نے اقبال کا بحیثیت شاعر مطالعہ پیش کیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک اقبال اس امر کے قائل تھے کہ کسی بھی قوم کی روحانی صحت کا انحصار اس کے شعرا اور مصوروں کے لیے محرک بننے والے خیالات و تصورات پر ہوا کرتا ہے۔ اقبال غیر مبہم اور واضح الفاظ میں فن برائے فن کے تصور کی مذمت کرتے ہوئے حقیقی شاعر کا مقصد محض الفاظ کی موسیقی پیدا کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو بیدار کرنا سمجھتے ہیں۔ مصنفہ لکھتی ہیں کہ:

> بحیثیت شاعر اقبال کے ہاں غضب کا تنوع ملتا ہے اقبال نے غنائیہ، فلسفیانہ، رزمیہ اور مابعد الطبیعی شاعری کی ہے اور اس کے ساتھ ہی مرثیہ، غزل، طنز اور رباعیات لکھنے پر بھی انھیں عبور حاصل تھا اسی طرح اُردو اور فارسی دونوں ہی میں وہ با آسانی اپنے خیالات کے اظہار پر قادر تھے۔ اقبال کے ہاں ہمیں کلاسکیت اور رومانیت کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے ان کی شاعری عالمگیر کشش کی حامل ہے کیونکہ اس کا مرکزی نقطہ انسان کی ذات ہے۔ [۱۲]

اس کتاب کے آٹھویں اور آخری باب میں مصنفہ نے منتخب غزلیات'' کے عنوان کے تحت اقبال کی ۲۷ غزلیات درج کی ہیں۔ اس کتاب میں اقبال کی فکر کا مختصر مگر جامع انداز

اور اپنے انگریزی خطبات میں بھی جنھوں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ مصنفہ نے اس باب میں برصغیر کی تاریخ اسلام کے اس پس منظر کی وہ تمام اہم باتیں بیان کی ہیں جن میں اقبال کی شاعری، فلسفے اور دینی افکار نے نشو ونما پائی اور ۱۹۱۵ء سے ان کی شاعری اور تصانیف نے جو رخ اختیار کیا، اس سے انھوں نے مسلمانانِ ہند کی تقدیر بدل دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

اقبال کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف جیسے زبورِ عجم، انگریزی خطبات، خطبۂ الٰہ آباد، جاوید نامہ اور مثنوی مسافر وغیرہ کے بارے میں تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔

مصنفہ کے نزدیک اقبال کا محبوب موضوع خودی ہے یا پھر برصغیر میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ان کے افکار کا مرکزِ ثقل یہی دو موضوعات ہیں۔ اقبال کے نزدیک وہی فن ابدی ہے جس میں شاعر یا صاحبِ فن کا خونِ جگر شامل ہو۔ وہ اقبال کے فلسفہ جمالیات کا منتہائے مقصود یہ قرار دیتی ہیں کہ شاعری سے فعال تاریخ اور تاریخ ساز پیغمبری کا کام لیا جائے۔

مصنفہ نے "اقبال کے دینی محرکات" کے عنوان کے تحت اقبال کی دلچسپی کے موضوعات اور مضامین جیسے مذہب، علم کلام اور فلسفہ کو ان کی فکری سرگزشت بتایا ہے۔ ان کے نزدیک اقبال کے پیغام کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ مسلمان قرونِ اولیٰ کے اسلام کی سادگی اور برجستگی اپنائیں اور اس طرح وہ برکات دوبارہ حاصل کریں جن سے وہ اس وقت محروم ہیں۔ اقبال کی مذہبی اصولوں کو عقل یا سائنس کی روشنی میں بیان کرنے کے قائل نہ تھے کیونکہ حقیقی مذہب عقل اور سائنس کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ معاصر عالمِ اسلام کو چار اموات، ملائیت، تصوف، ساہوکار اور حاکم کے وجود کا شکار قرار دیتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی اضمحلال کے باوجود اقبال مسلمانوں کی اہمیت کے بارے میں اس قسم کی باتیں اپنے خطوط میں لکھتے رہے ہیں:

> میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ [۲۶]

اقبال کو اجتہاد یعنی اسلام کی نئی تعبیر سے بہت دلچسپی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے اشعار میں ایسے نصب العینی مسلمانوں کا تذکرہ ملتا ہے جس میں فعالیت، سچائی، بے خوفی، وراثت رسولؐ کے اوصاف موجود ہیں۔ انھیں وہ حقیقی معنوں میں خلیفہ اور خدا کا نائب قرار دیتے ہیں۔ مصنفہ نے اقبال کے مذہبی افکار کی روشنی میں، ان کے تصورِ خدا اور تصورِ انسان کی وضاحت کی ہے اور ان کی تصانیف سے دینِ اسلام کی تعلیمات خصوصاً ارکانِ خمسہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

دوسرے باب" میں پانچ ارکانِ اسلام کی تشریح" میں مصنفہ نے ارکانِ اسلام لاالٰہ الا اللہ (توحید) محمد رسول اللہ (رسالت)، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کی تشریح کی ہے۔ مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے افکار عقیدۂ توحید کے نظام کے تابع ہیں یہ وہ عقیدہ ہے جو خدا کی وحدت کا مظہر ہوتے ہوئے انسان کی انفرادی زندگی کو وحدت اور مذہبی و سیاسی احزاب کو یکتائی بخشتا ہے۔ اقبال نے مثنوی رموزِ بے خودی، بالِ جبریل اور پس چہ باید کرد وغیرہ میں بار بار عقیدہ توحید سے متعلق ان نکات کی وضاحت کی ہے کہ توحید مسلمانوں کو غیر معمولی ایمانی قوت مہیا کرتی ہے۔ یہ مردِ مسلمان کے ہاتھ میں ایک شمشیرِ برہنہ ہے۔ یہ عقیدہ اگر مومن کے تن من میں سرایت کر جائے تو وہ ہر قسم کے خوف وحزن سے محفوظ رہتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو عقیدۂ توحید کے باب میں نظری نقطہ نظر سے صرف نظر کرنے اور عملی نتائج پر توجہ دینے کی طرف مائل کرتے ہیں کیونکہ وحدتِ عقیدہ کا ہدف وحدتِ فکر ونظر ہے۔

مصنفہ کے نزدیک لا الٰہ الا اللہ کی دینی اہمیت کے علاوہ صوفیانہ شاعری اور ہنر وفن یعنی فنونِ لطیفہ میں بھی بڑی اہمیت ہے اس کے علاوہ فارسی شعرا ان کلمات کو عمیق صوفیانہ و عارفانہ معنی میں بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔

اقبال کے نزدیک عقیدہ توحید زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔ یہاں مصنفہ کے دیے گئے حوالے کی غلطی کی نشاندہی مترجم نے کی ہے کہ مثنوی،

گلشنِ رازِ جدید (زبورِ عجم کا جزو) جاوید نامہ پر مقدم ہے لہٰذا اس کا ذکر پہلے آنا چاہیے اور فلک مریخ (جاوید نامہ) والے حصے میں مذکورہ بحث موجود بھی ہے کہ اقبال عقلیت پسند مفسرین اور صوفیانہ قیاسات سے گزرتے ہوئے خدا کے قرآنی تصور پر توجہ مبذول کرتے ہیں اور خدا کو ازلی و ابدی خودی قرار دیتے ہیں۔ پہلی کتاب جس میں اقبال نے اپنے تصورِ خودی کو نمایاں طور پر بیان کیا، مثنوی اسرارِ خودی ہے۔ اس میں اقبال خدا کو خود ایک فرد قرار دیتے ہیں جو غیر معمولی یکتا اور بے نظیر ہے۔

مصنفہ کے مطابق اقبال شاعرہ کے کائنات کے تکمیل یافتہ ہونے کے نظریے کے برعکس کہتے ہیں کہ یہ ہر لحظہ تغیر پذیر ہے اور اس کے ذرے ذرے میں ذات مطلق کی فعالیت کے ذریعے تغیر و تبدل آتا رہتا ہے۔ ''یزید فی الخلق'' کے قرآنی کلمات اس سلسلے میں انھیں دلائل فراہم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ خودی مطلق کے بحرِ ذخار سے نئے امکانات اور مضمرات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور اس کے مظاہر کائنات زمان مسلسل اور مکان میں مشہود ہوتے ہیں۔ اقبال کا فلسفہ اور علم کلام یعنی دینی افکار کا مرکزی نقطہ احساس خودی اور تعینِ ذات ہے۔ انھوں نے اصولِ تضاد کا حوالہ مثنوی اسرارِ خودی کی مشہور یادداشتوں میں بھی دیا ہے:

> خودی ایک منتشر قوت ہے۔ وہ فعالیت کے لیے شدت آرزو رکھتی ہے۔ خودی کی زندگی عمل سے عبارت ہے۔ اس لیے وہ عمل و فعالیت سے محصور رہتی ہے وہ اپنی انفرادیت کو استحکام دیتی ہے تاکہ اس کے عمل اور کارکردگی کا امکان ہو۔ ۱۷

مصنفہ بیان کرتی ہے کہ اقبال ذاتی طور پر عشق کی توصیف اور عقل محض کی تنقیص کرتے ہیں مگر وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے مربوط و متصل قرار دیتے ہوئے اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہیں کہ یہ دونوں قوتیں کس طرح ہم آہنگ ہوں اور ان کے مفید نتائج سامنے آسکیں۔ اقبال کے پسندیدہ افراد اور اقوام وہی ہیں جن کی حالت اور تقدیر صبح وشام بہتر سے بہتر ہوتی رہتی ہے۔ توحید یا ''لا الہ الا اللہ'' انسان کو خدائی صفات جذب

کرنے پر اُبھارتے ہیں اور اس کی خودی اور شخصیت کو غیر معمولی وسعت اور تکمیل دیتے ہیں۔ اس طرح وہ خلیفۃ اللہ علی الارض ہونے کا اعزاز پاتا ہے۔ ایسے افراد کی خودی سے ہی عمدہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ایسے افراد نظریاتی طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر توحید کے مظہر بنتے ہیں۔ خدائے زندہ و پائندہ کی صفات ان کے کردار سے منعکس ہوتی ہیں اور ''لا الہ الا اللہ'' کی لاانتہا برکات مشہود ہونے لگتی ہیں۔

مصنفہ رسالت، محمد رسول اللہ اسلام کے دوسرے اہم رکن کی تفصیل سے وضاحت کرتی ہیں اور ذات رسولؐ سے محبت کو مسلمانوں کی وحدت اور اتحاد کا ایک بڑا موجب قرار دیتی ہیں۔ وہ رسول اللہ کو انسان کامل قرار دیتے ہوئے اقبال کے جذبۂ حب رسولؐ پر یوں روشنی ڈالتی ہیں:

> محمد اقبال کا جذبہ حب رسولؐ ان کی زندگی کے مختلف ادوار میں ذات رسولؐ کے دونوں پہلوؤں سے منور ہوتا رہا۔ ذات رسول کی باطنی وصوفیانہ تعبیر سے اور اس لحاظ سے آنحضرتؐ ایک کامل نمونہ عمل ہیں اور مسلم معاشرے کو اب بھی معاشرہ رسولؐ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اسی عقیدت کی بنا پر وہ ایسے اشعار کہتے رہے کہ۔۔۔

> خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف　۱۸

مصنفہ کا یہ تبصرہ سرسری اور مغالطہ آمیز ہے کہ اسرارِ خودی سے ارمغانِ حجاز تک اقبال کی تمام شعری تصانیف میں حضرت محمدؐ مذکور ہیں۔ اس سلسلے میں پیامِ مشرق کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے کیونکہ کتاب کی تمہید کے علاوہ باقی متن میں پیغمبر اسلام کے لیے صرف بعض تلمیحات مستعمل ہوئی ہیں کیونکہ تمہید اور ''جوئے آب'' (نغمہ محمدؐ) کے علاوہ غزلیات (مئے باقی) میں بھی عشق رسول کا برملا اظہار کیا گیا ہے۔

مصنفہ نے اقبال کے حج اور زیارت روضۂ رسول کی شدید آرزو اور عقیدۂ ختم نبوت کا ذکر کرتے ہوئے، ان کے کلام سے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ان کے نزدیک اقبال کی نظر میں حضرت محمدؐ نے ایک عالمی معاشرے کے قیام کا نمونہ ہی فراہم نہیں کیا بلکہ وہ ملت اسلامیہ

کے غیر متزلزل اتحاد و یگانگت کا موجب و سبب بھی ہیں۔ ان کا پختہ یقین و ایمان تھا کہ مسلمان پیغمبرؐ کی سیرت کا اتباع کر کے اور توحید و حکومت الٰہی کے اصول نافذ کر کے صدیوں کی خوابِ غفلت کے بعد دوبارہ سربلندی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال نے توحید و رسالت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج پہلے دو ارکان اسلام کے بارے میں تو مفصل لکھا مگر تعجب ہے کہ انھوں نے باقی تین ارکان کے بارے میں بہت کم لکھا ہے اور یہ کمی ان کی شعری اور فلسفیانہ نثری کتابوں دونوں میں نظر آتی ہے۔

مصنفہ نے روزے کو مشکل عبادت قرار دیتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کی حکمتوں کے بارے میں اقبال نے کسی جگہ کچھ نہیں لکھا، اگر وہ لکھتے تو دیگر لکھنے والوں کے مقابلے میں بہت جامع ہوتا۔ مصنفہ کو اقبال کے ''خطبہ عید الفطر'' (۱۹۳۲ء) کے بارے میں معلوم نہ تھا جو مقالاتِ اقبال میں شامل ہے۔ چند صفحات پر مشتمل اس خطبے میں روزے کی جملہ حکمتوں پر بصیرت افروز بحث ملتی ہے۔ اسی طرح دیگر ارکان اسلام حج، زکوۃ اور جہاد کی بھی اقبال کے حوالے سے وضاحت کی گئی ہے۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ اقبال کی فلسفیانہ فارسی مثنوی اسرارِ خودی اور دوسری کتابوں میں کعبہ مرکزیت کا ذکر ہے مگر اس کی حقیقت اور اہمیت کا زیادہ ذکر نہیں حالانکہ اقبال نے اسرارِ خودی کے علاوہ رموزِ بے خودی میں اور دیگر کتابوں اور مضامین میں بھی حج کے فلسفے اور کعبۃ اللہ کی مرکزیت اور اتحاد المسلمین کی ایک علامت ہونے پر مفصل لکھا ہے۔

مصنفہ نے اقبال کے مذہبی افکار کی روشنی میں اسلام کے اساسی عقائد کی تشریح کی ہے اور بعض امور کے بارے میں عجیب تحقیقی نکتے پیش کیے ہیں مثلاً صوفیا اور مسئلہ زمان و مکان اور عید میلاد النبیؐ کی محافل کے بارے میں اقبال کے عمیق تاثرات وغیرہ۔ اقبال کی میلاد النبیؐ پر تقریر اور عید الفطر اور ماہ صیام کے بارے میں عدم دستیابی کی بنا پر ان کی بحثیں تشنہ رہ گئیں۔ تاہم یہ کتاب ۱۹۶۲ء میں مکمل ہوئی اور مصنفہ نے اس وقت تک شائع ہونے والی

تصانیف اقبال سے استفادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

تیسرے باب میں مصنفہ نے ایمان مفصل کی توضیح کی ہے۔ یہ باب صفحہ ۲۴۷ سے لے کر ۳۸۶ تک محیط ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے ایمان مفصل یعنی " امنت باللہ وملئکتہ و کتبہ و رسلہ " وبالیوم الاخر، والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ ...... کی اقبال کی روشنی میں وضاحت کی ہے۔

مصنفہ نے اقبال کے تصور زمان، وقت اور ابدیت کی وضاحت بھی کی ہے۔ اقبال حدیث قدسی '' زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ زمانہ خدا ہے'' کے حوالے سے اس بات کا اثبات کرتے رہے کہ زمان و مکان دونوں خدا کا عکس ہیں۔ وہ زمان مسلسل کو انسانی زندگی میں بے حد موثر مانتے ہیں اور یہی زمان مسلسل خودی محدود کو خودی مطلق کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ زمان و ابدیت کے منبع زندہ خدا کے ساتھ رابطہ انسان کو ابدی شان عطا کرتا ہے پھر انسان خارجی زمان مسلسل کا غلام اور مرکب نہیں رہتا بلکہ اس کا راکب بن جاتا ہے۔ مصنفہ اقبال کے تصور وقت کے متعلق اپنی ذاتی رائے پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ذاتی طور پر میرا خیال یہ ہے کہ اقبال کے تصورِ وقت کی دینی نقطۂ نظر سے اہمیت ہے۔ انھوں نے اس مشکل مسئلہ کی کوئی نئی سائنسی توضیح پیش نہیں کی۔ انھوں نے دراصل جہاں اسلام کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی ہے کہ مسلمان خدائے زندہ کے ساتھ نیا ربط وضبط پیدا کریں۔ [۱۹]

اس کتاب کا چوتھا باب '' فکر اقبال پر مغرب و مشرق کے اثر اور صوفیہ و تصوف کے ساتھ ان کے روابط پر ایک اجمالی نظر'' میں فکرِ اقبال پر مشرق و مغرب کے اثرات اور ان کے تصوف سے متعلق خیالات کے جائزہ لیا گیا ہے۔

حصہ مشرق میں مصنفہ اقبال کو اساسی مشرقی روایت کا پیرو قرار دیتے ہوئے ان کی ابتدائی تحریروں پر برصغیر کے ماحول کی بنا پر ہندو روایت اور کلاسیکی ہندو فلسفے کے اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ جیسے بھرتری ہری، گوتم بدھ، وشوامتر اور ہندوؤں کے رزمیہ رامائن کے

ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو روایات سے بخوبی آگاہ تھے۔ فلسفہ اسلام کے وسیع تر مفہوم میں مطالعہ کے سلسلے میں اقبال ملا صدرا اور ملا ہادی سبزواری جیسے متکلمین اور صوفی فلسفیوں کی تحریروں سے مسئلہ زمان پر شواہد تلاش کرتے رہے۔ جبکہ نامور فلاسفہ اسلام ابن رشد، ابن سینا یا رازی اقبال کی شاعری میں عشق اور سوز دل سے محرومی کے باعث ذہنی محدودیت یعنی عقلیت کی علامت ہیں۔ ان کی زیادہ دلچسپی کی چیزیں اشعری علما اور ابن جوزی کی کتب اور ابن خلدون کے مقدمے اور تاریخ کے متون تھے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ شیخ محمود شبستری کے نقطہ نظر سے واضح اختلاف کے باوجود اقبال نے ان کی گلشن راز کی تقلید میں گلشن راز جدید لکھی اور ان کے مختلف سوالات کے جوابات فلسفہ خودی کی روشنی میں دیے۔ اس کے علاوہ مشرق کے حکما و صوفیا ناصر خسرو علوی، مہر سید علی ہمدانی، متعدد ایرانی اور برصغیر کے فارسی شعرا، مثلاً عراقی، حافظ، امیر خسرو، بیدل اور غالب کے ہاں زیادہ مذکور ہیں۔ انھوں نے عراقی، حافظ سمیت متعدد ایرانی اور برصغیر کے فارسی شعرا کے علاوہ طاہر غنی کشمیری اور نظیری نیشاپوری کے مصرعے اور اشعار تضمین کیے۔ بانگ درا میں مرزا داغ، حالی اور شبلی کے اثاثی اشعار ہیں۔ انھوں نے کلاسیکی فارسی شاعر سعدی اور حالی کا موازنہ ایک نظم میں کیا ہے۔ غلام قادر گرامی ان کے معاصرین اور دوستوں میں تھے ان کے علاوہ انھوں نے کئی شعرا مثلاً جوش ملیح آبادی کی سرپرستی کروائی۔

اقبال پر دو صوفیا حسین ابن منصور حلاج اور جلال الدین رومی کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ اقبال نے کئی موقعوں پر اپنے آپ کو ابن حلاج کے مثیل اور مماثل قرار دینے کے علاوہ ان کی کتاب الطواسین کے حوالے سے نبوت اور ابلیس کے موضوع کو چھیڑا ہے۔ تصانیف اقبال میں ہر جگہ رومی کے افکار کی بازگشت نظر آتی ہے، وہ اقبال کے روحانی پیر و مرشد ہیں۔ معنفہ نے رومی کے حالات زندگی اور اقبال پر ان کے اثرات پر تفصیلی بحث کی ہے۔

پانچویں باب میں معنفہ نے اپنی تمام تر بحث کا حاصل پیش کیا ہے۔ معنفہ کے نزدیک

اقبال ایک مبلغ فلسفی تھے لیکن مختلف اور متضاد امور کے تجزیہ اور ترکیب کرنے کی ان میں حیرت انگیز صلاحیت تھی۔ وہ اجزائے ترکیبی کو بڑی آسانی سے ایک وحدت بنا کر پیش کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مملکت پاکستان کی ایک تشکیل ساز قوت بھی ہیں۔ افکار اقبال اس نو بنیاد ملک پاکستان کی تخریبی اور تفرقہ ساز قوتوں کے مقابلے میں سپر کا کام بھی دے رہے ہیں۔ مثلاً کیمونزم کے اثرات کے خلاف اقبال کے افکار کی بے حد اہمیت ہے۔

معنفہ کے نزدیک اقبال کے مذہبی ماحول کو سمجھے بغیر ان کے افکار کو سمجھنا بہت مشکل ہے وہ جہاں اسلام کی الہامی تعلیمات کے امین ہیں وہاں برصغیر کی صوفیانہ روایات کے وارث بھی ہیں۔ برصغیر میں اقبال کی زندگی کے دوران خدا کا تصور خالصتاً روحانی اور متصوفانہ تھا اور دوسری طرف عقل پسند گروہ کا تصور خدا تھا اقبال نے ان دونوں تصورات کو مروج کرنے کی کوشش کی ہے۔ معنفہ اقبال کے تصور خودی کے ضمن میں لکھتی ہیں کہ:

> تصانیف اقبال کا مہتم بالشان تصور خودی ہی ہے............ ان کے تصور میں انسان جملہ چیزوں کا پیمانہ نہیں۔ انسان اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ وہ ترقی کرتا رہے اور خدا سے قریب تر ہو جائے ......ان کے تصور میں عبدیت اور ارتقائے انسانی کا امتزاج موجود ہے۔ [۲۰]

معنفہ کے نزدیک اقبال کو پیغمبر کہنا تاریخ ادیان اور دین اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ شہپر جبریل سے ضرور مس ہوتے ہیں۔

کتاب کا آخری حصہ کتابیات پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ دو طریقوں سے پیش کیا گیا ہے۔ پہلے میں اقبال کی تصانیف اور ان پر لکھی جانے گئی کتب اور پھر عام تصانیف اور عام حوالے کی تصانیف کی فہرست ہے۔ مترجم نے این میری شمل ''کتابیات'' کی تلخیص اس لیے پیش کی ہے کہ یہ مفید بھی ہے اور اس سے ان کی محنت و عرق ریزی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس ضمن میں کتب اقبال کے سال اشاعت اور دیگر اغلاط کی درستی پر بھی توجہ دی گئی ہے۔

ان کے علم و فضل کا اندازہ شہپر جبریل کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے کہیں کہیں انگریزی زبان کے سقم کے باوجود ساری کتاب کی عبارت قارئین کو بدرجہ اتم متاثر کرتی

ہے۔شمسل شاعرہ بھی ہیں اس لیے اس کتاب کا اندازِ بیان اکثر جگہوں پر شاعرانہ ہو گیا ہے۔ یہ اندازِ بیان اگرچہ کتاب کی دلکشی میں اضافہ کرتا ہے لیکن تحقیقی و تنقیدی نثر کے لیے یہ انداز بیان مناسب نہیں۔یہ کتاب اگرچہ اقبال کے مذہبی افکار سے متعلق ہے مگر اقبال کی شاعری پر کام کرنے والوں کے لیے بھی اس میں نہایت مفید نکات موجود ہیں۔

The Place of God,

Man and Universe in the philosophic system of Iqba

ل

جمیلہ خاتون کے نزدیک اقبال کا خدا ،انسان اور کائنات کے متعلق تصور ایک ایسا گھیراؤ ہے۔جس کے گرد اس کا تمام فلسفہ گھومتا ہے۔اقبال نے خالصتاً مذہبی گھرانے میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور خصوصاً آزاد خیال مابعد الطبیعاتی فلاسفر،مسلمان اور مغربی تصانیف سے متاثر تھے۔ان کی تمام تر سوچ کا محور ،قرآنی تعلیمات ،رسول پاکؐ کے ارشادات اور ان کی پیروی کرنے والوں کی تعلیمات تھیں۔چنانچہ ان کے فلسفے میں تجربہ، عمدہ سوچ اور اعلیٰ تخیل کے لحاظ سے مشرق اور مغرب کا رنگین اور دلکش امتزاج ملتا ہے۔

جمیلہ خاتون نے اس مقالے میں اقبال کی تمام تصانیف نظم و نثر کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے اور اس کا بھرپور استعمال تمام فلسفیانہ اور شاعرانہ کام میں کیا ہے، جہاں سے اقبال نے اثر قبول کیا ہے۔خصوصاً مصنفہ کی گفتگو کا اہم حصہ اقبال کے شاندار کام اسلام میں مذہبی خیالات کی تعمیر نو ہے۔اقبال کے فلسفیانہ نظام میں سے تین تصورات خدا، انسان اور کائنات کا انتخاب تجزیہ کرنے کے لیے مصنفہ نے پیش کیا کہ مشرق و مغرب۔کے فلاسفرز نے انھیں کس سطح پر رکھا ہے۔جیسا کہ مصنفہ نے اس مقالے میں یہ بیان کیا ہے کہ اقبال مذہبی خیالات اور مغربی مابعد الطبیعات سے متاثر تھے،مگر وہ مشرقی و مغربی فلسفیوں کے مقابلے میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔اسی لیے ان کے فلسفے کے خزانہ میں منفرد اور غیر معمولی اضافہ ہے۔

جمیلہ خاتون کی یہ کتاب بنیادی طور پر کائنات اور خدا کے متعلق علمی تصورات کے

ساتھ ساتھ اقبال کے فلسفے کی مدد سے ایک تفہیم فراہم کرتی ہے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں علمی روایات کے پس منظر میں خدا کے وجود کے ادراک کو مسلم مفکرین کی روشنی میں دیکھا گیا ہے۔جس میں اقبال کا تضاد ابن رشد اور الغزالی کے تصورات سے ہوتا ہے۔مصنفہ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کا کائنات اور خدا کا تصور بے حد وسیع ہے اور وہ بے شمار ماورائی حقیقتوں تک پھیلا ہوا ہے۔کیونکہ خدا کی ذات موجود اور ناموجود زمانوں میں کائنات کی ہر شے میں موجود ہے جس میں اقبال نے کلی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے سائنسی سطح پر دیکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔

دوسرے باب میں مصنفہ نے بتایا ہے کہ اقبال نے وہ حوالے جمع کیے ہیں جو خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔اس کائنات کے اسرار و رموز کو انھوں نے منطقی سطح پر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔اس طرح اقبال مشرقی علوم کا احاطہ کرتے ہوئے فلسفہ الٰہیات کو پانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔مصنفہ نے مغربی فلسفیوں کی بہت سی دریافتوں کو اقبال کے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال کائنات کی سچائیوں کو اس ایک خدا کے وجود سے دریافت کرتے ہیں۔

تیسرے باب میں مصنفہ نے اقبال کے افکار کے ذریعے کائنات کی فعال حقیقت کو خدا کے وجود کی نسبت سے پانے کوشش کی ، اور یہاں اقبال نے خدا کو نور سے تعبیر کیا ہے اور اسے ایک دائمی سچائی کے طور پر ایسی متحرک قوت کے طور پر دیکھا ہے۔جو کائنات کی زندگی میں موجود ہے۔یہاں انھوں نے مسلم فکرین اور مشرقی علما کے تصورات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے اور خدا کو ایک ایسی طاقت کے طور پر تعبیر کیا ہے جس کی منشا کے بغیر اس کائنات کا نظام حرکت میں نہیں آسکتا۔مصنفہ نے محبت کو ایک طاقتور حقیقت تسلیم کیا ہے۔جو زندگی کو رواں دواں رکھتی ہے۔مصنفہ نے مغربی اور مشرقی مفکرین کے نظریات کی مدد سے اقبال کے خیالات کو جاننے کی کوشش کی ہے اور اسے حقیقت سے قریب قرار دیا ہے۔

چوتھے باب میں کائنات کی تخلیق کو موضوع بنایا ہے یہاں بھی مصنفہ نے مذہبی تصورات

اور یونانی فلسفے کی مدد سے کائنات کے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔

پانچویں باب میں مادے، وقت اور زمانے کے حوالے سے اقبال کے تصورِ وقت کو نیوٹن اور دوسرے فلسفیوں کی مدد سے دریافت کرتے ہیں۔ زمانہ کہاں سے کہاں جارہا ہے اور وقت کی کون کون سی اکائیاں انسانی وجود سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں پر اقبال کا تصور زمان اس کائنات کے وجود کو ازل سے ابد تک لے جاتا ہے۔

چھٹے باب میں مصنفہ نے انسان اور اس کے فنا ہونے والے وجود کے متعلق بحث کی ہے۔ جس میں روح کے تصور کو سامنے لایا گیا ہے اور مسلم اسکالرز کے خیالات کی مدد سے اقبال کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس میں سب سے اہم حوالہ مولانا رومی کا ہے جو اقبال کے لیے پیر رومی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس باب میں بھی مصنفہ نے گہرے فلسفیانہ مشاہدے کا ثبوت دیا ہے۔

ساتویں باب میں مصنفہ نے انسان کے اختیار کی آزادی پر بحث کی ہے کہ اقبال کے نزدیک جبر واختیار کے کیا مسائل ہیں۔ خاص طور پر مقدر کا جبر انسان کی زندگی میں کیا کردار ادا کرتا ہے اور اس کا تصور کیا ہے۔ اگر سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے تو پھر انسان کی جبلی حقیقت کیا ہے؟ اس پر انھوں نے مکمل کر بحث کی ہے۔

آٹھویں اور آخری باب میں مصنفہ نے ہمیشگی کے مسائل پر بحث کی ہے کہ کون کون حقیقت ہمیشہ رہنے والی ہے اور کون کون سی عارضی ہے۔

مصنفہ نے آخر میں تمام مقالے میں کی گئی بحث کو سمیٹتے ہوئے نتائج اخذ کیے اور کتابیات کا اہتمام بھی کیا ہے۔

جمیلہ خاتون کی اقبال کے فلسفیانہ افکار پر یہ تصنیف نمایاں اہمیت کی حامل ہے اور اقبال شناسی میں اوّل درجے کا کام ہے۔

اقبال [۲۳]

عطیہ بیگم کی کتاب اقبـــال جو اقبال کی یادوں اور ان کے خطوط پر مبنی ہے۔ کتاب کے

آغاز میں مترجم کی تمہید ہے وہ لکھتے ہیں:

> میں دلی مسرت کے ساتھ علامہ اقبال مرحوم کے ان خطوط کو جو انھوں نے محترمہ عطیہ بیگم صاحبہ کے نام انگریزی زبان میں تحریر کیے تھے اُردو کا لباس پہنا رہا ہوں۔ ان خطوط کا سلسلہ ۱۹۰۷ء سے شروع ہوتا ہے۔ [۲۳]

اقبال کے عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے بہت سے خطوط امتدادِ زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر وہ تمام خطوط دستیاب ہو جاتے تو اقبال کی عظیم المرتبت شخصیت کے وہ خدوخال جو ابھی تک پردۂ اخفا میں ہیں، روشنی میں آجاتے اور دنیا کو ان سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔

عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے اقبال پر یہ خطوط ان کی زندگی سے متعلق گہری دلچسپی کے حامل ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں انھوں نے یورپ میں کس قسم کی زندگی بسر کی، ہندوستان آنے پر ان پر کیا کیا مصیبتیں آئیں اور وہ کیسی کیسی ذہنی تکلیفوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ بعض خطوط سے اقبال کی گھریلو زندگی کی مشکلات اور پریشانیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ وہ پہلو ہے جو آج تک پبلک کے سامنے نہیں آیا۔ اس دور کی نظمیں بھی سرتاپا سوز و گداز سے پر ہیں اور پڑھنے والے پر ایک خاص کیفیت طاری کر دیتی ہیں۔ اگر عطیہ بیگم اقبال کو عالمِ یاس و قنوطیت سے باہر نہ نکال لاتیں تو نہیں معلوم کہ وہ رجحانِ طبیعت کہاں جا کر ختم ہوتا۔ ان خطوط کے مطالعہ سے اقبال کا رجحانِ طبع اپنی استاد جرمن خاتون ویگے ناست کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ عطیہ بیگم کے نام ۱۹ اپریل ۱۹۰۹ء میں لکھے گئے خط میں لکھتے ہیں:

> میں اس لڑکی کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ وہ کس قدر اچھی اور سچی ہے! [۲۳]

پروفیسر ویگے ناست فلسفی تھیں۔ حسنِ صورت اور سیرت سے آراستہ تھیں اور دونوں کی طبیعتوں میں یکسانیت تھی۔ ویگے ناست کے نام لکھے گئے خطوط سے گمان گزرتا ہے کہ اقبال

انھی کی خاطر ہندوستان چھوڑ دینے اور یورپ جا بسنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

بعض خطوط اقبال کے ذاتی خصائص اور اوصاف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً کتاب میں شامل دو خطوط جو ۳۰ مارچ ۱۹۱۰ء اور ۷ اپریل ۱۹۱۰ء کو لکھے گئے۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سچی دوستی کے بھوکے تھے اور جہاں کہیں انھیں سچی دوستی میسر آتی وہ دل سے قدر کرتے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چاہتے تھے کہ کسی سچے دوست کے دل میں ان کی طرف سے غلط فہمی پیدا ہو اور جب کبھی ایسا ہو جاتا تو وہ ہزار جتن کر کے اسے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اقبال کی یہ خصوصیت ایسی ہے جس سے انھیں زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کچھ خطوط ایسے بھی ہیں کہ جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نے دنیاوی وجاہت کی کبھی پروا نہیں کی۔ اگر چہ ان پر برے وقت بھی آئے لیکن وہ بدستور سابق فلسفی، شاعر اور خواب دیکھنے والے ہی رہے۔ ان خطوط سے اقبال کی طبیعت کا ایک بالکل نیا پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔ اقبال جو کہ اپنی شاعری میں یقین و امید اور بہادری اور عزم و استقلال کی تعلیم دیتے نظر آتے ہیں اپنی ذاتی زندگی میں مصائب اور دلی و ذہنی اضطراب کا شکار نظر آتے ہیں۔ جیسے عطیہ فیضی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

> میری زندگی سخت مصیبت بنی ہوئی ہے۔ وہ مجھ پر کوئی سی بھی بیوی زبردستی منڈھ دینا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو لکھ دیا ہے کہ انھیں میری شادی ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں تھا بالخصوص جب میں نے اس قسم کے تعلق میں پڑنے سے انکار کر دیا تھا...... انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے مسرت اور خوشی حاصل کرنے کا حق ہے۔ اگر سوسائٹی مجھے وہ حق دینے سے انکار کر دے تو دونوں کا میں کھلم کھلا مقابلہ کروں گا۔ واحد علاج یہ ہے کہ میں اس بدبخت ملک کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں یا پھر شراب نوشی میں پناہ لوں جو خودکشی کو آسان بنا دیتی ہے۔ [۲۵]

اس خط سے اقبال کے اندر مایوسی، نا امیدی اور شدید اضطراب جھلکتا ہے۔ ان خطوط سے اقبال اور عطیہ بیگم کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ اقبال بے تکلفی کے باوجود عطیہ بیگم کا احترام کرتے تھے اور اس بے تکلفی اور احترام کی جھلک ان خطوط میں جا بجا نظر آتی

ہے۔ دراصل یہ خطوط دو ایسی شخصیات کے باہمی تبادلہ خیالات کا عکس ہیں جو اپنے طور پر ہنگامہ پرور اور عجیب و غریب واقع ہوئی ہیں۔ ان کی دوستی جرمنی میں دوران تعلیم پروان چڑھی اور دھیرے دھیرے پروان چڑھتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ آخر وقت تک قائم رہی۔ اقبال نہ صرف انھیں اپنی نظمیں بھیجتے تھے اور ان سے تنقید کے طالب ہوتے تھے بلکہ انھوں نے اپنے مقالے بھی یونیورسٹی میں بھیجنے سے قبل انھیں پڑھ کر سنائے تھے اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ان پر تبصرہ کریں۔ چنانچہ بعض خطوط سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال ان کے تبصروں سے ایک حد تک مستفید بھی ہوئے۔

اقبال کے عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے انگریزی خطوط انشا پردازی کے اعتبار سے اعلیٰ لٹریچر میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ یہ محض خطوط نہیں بلکہ عطیہ بیگم نے اقبال کی زندگی کے واقعات کو خطوط کی روشنی میں اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ ایک منفرد چیز بن گئے ہیں۔

اقبال کے خطوط اور دوران تعلیم ان کے بارے میں اپنے تاثرات کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا مشورہ انھیں نواب حسن یار جنگ نے دیا اور عطیہ بیگم نے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے اس مجموعہ کو پبلک کے روبرو پیش کر دیا۔ مصنفہ نے اقبال سے متعلق اپنے تاثرات کو قلمبند کیا ہے اور اقبال سے اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ لندن میں مس بیک کے مکان پر عطیہ بیگم کی اقبال سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ فلسفیانہ مضامین پر تبادلہ خیال کی وجہ سے انھوں نے عطیہ بیگم سے خط و کتابت شروع کی اور اکثر مواقع پر چھٹیوں کے دن گزارنے کے لیے مقام کے تعین اور کتابوں کے انتخاب میں ان کی امداد طلب کی۔ اقبال کے عطیہ بیگم کے نام خطوط میں ان امتیازی کیفیات ''ذہنی رجحانات'' اور بعض مخصوص خصائص کی تشریح ہو جاتی ہے انھوں نے یورپ میں زمانہ طالبعلمی میں اقبال کی شخصیت کی تعمیر کرنے میں مدد دی تھی۔

پھر مصنفہ کے نام لکھے گئے بارہ خطوط کا مترجم نے ترجمہ پیش کیا ہے۔ ان خطوط میں اقبال نے مصنفہ سے اپنے چھوٹے بڑے مسائل کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنی نظمیں انھیں لکھ

بھیجی ہیں۔اس کتاب میں مترجم نے عطیہ بیگم کی ڈائری کے وہ حصے بھی شامل کیے ہیں، جن کا تعلق اقبال کی ذاتی زندگی سے ہے۔اس ڈائری کے یہ حصے پہلی اپریل ۱۹۰۷ء سے ۴ ستمبر ۱۹۰۷ء تک کے واقعات پر محیط ہیں۔

اس کتاب سے اقبال کی شخصیت کے ظاہری و باطنی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو جیسے بذلہ سنجی، برجستگی اور حسِ مزاح سامنے آتے ہیں۔ ہمارے ہاں اقبال کو محض ایک فلسفی، مفکر اور شاعر مانا جاتا ہے مگر عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے ان خطوط اور ان کی یادداشتوں اور تاثرات سے اقبال کا انسانی پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔وہ ہمیں ایسے انسان دکھائی دیتے ہیں جن کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل موجود ہے جو حسن اور ذہانت نسوانی سے متاثر ہوتا ہے۔

اس کتاب میں مترجم نے اپنا مضمون ''ایک بھولی ہوئی صحبت'' بھی شامل کیا جو انھوں نے ۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو اقبال ڈے کے موقع پر پڑھا تھا، جو انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی کے ہال میں نواب حسن یار جنگ بہادر امیر پائیگاہ حیدر آباد کی زیرِ صدارت منایا گیا تھا۔اس جلسہ کو عطیہ بیگم نے ترتیب دیا تھا۔اس مضمون میں مترجم نے اقبال کے ساتھ گزاری ہوئی صحبتوں کی یادوں کو دہرایا ہے اور اقبال کے ساتھ گزارے گئے لمحات کو اپنی زندگی کے بہترین اوقات میں شمار کیا ہے۔انھوں نے اقبال کے بارے میں تمام ایسے واقعات کو جمع کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے جو اب تک عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ اقبال کے خیالات اور افکار قومی سرمایہ ہیں اور ضرورت ہے کہ اس قومی سرمایہ کو پوری طرح سے اور جلد محفوظ کر دیا جائے۔

اس کے بعد مترجم نے اقبال کے دس خطوط کے عکس بھی پیش کیے ہیں، کچھ نظموں اور اشعار کے عکوس بھی دیے ہیں جو اقبال نے عطیہ بیگم کو مختلف اوقات میں لکھ کر بھجوائے تھے۔

مصنفہ کی اسی انگریزی کتاب کا ترجمہ عبدالعزیز خالد نے کیا ہے جو آئینہ ادب انارکلی،

لاہور سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

ان دونوں تراجم کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو دونوں تراجم اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں۔لیکن عبدالعزیز خالد کے ترجمے میں ذرا مشکل زبان استعمال ہوئی ہے۔ضیاء الدین برنی کا اُردو ترجمہ زیادہ آسان، سہل اور رواں ہے اور اصل متن سے زیادہ قریب تر نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر عطیہ بیگم کے نام اقبال کے لکھے گئے ایک ہی خط کے دو تراجم کا تقابلی جائزہ درج ذیل ہے۔عبدالعزیز خالد کے ترجمہ سے ایک مختصر اقتباس دیکھیے:

> نظم کی نقل کے لیے جواز وہ راہ کرم آپ نے ارسال فرمائی ہے، سراپا سپاس ہوں۔ مجھے اس کی اشد ضرورت تھی۔میں نے شعر مختصر کرنے کی کوشش کی۔لیکن بار بار کی کوشش کے باوجود نہ کر سکا۔ ۲۶

اب ضیاء الدین برنی کا کیا ہوا ترجمے کا ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:

> بہت بہت شکریہ نظم کی نقل کا جو آپ از راہ مہربانی مجھے بھیجی ہے۔مجھے اس کی سخت ضرورت تھی۔میں نے ان اشعار کو یاد کرنے کی کوشش کی مگر بار بار کی کوششوں کے باوجود میں ایسا نہ کر سکا۔ ۲۷

اسی خط کا اختتام، مترجم، عبدالعزیز:

> میرا خیال ہے مجھے اب بس کرنا چاہیے۔میں نے آپ کی کافی سمع خراشی کر لی۔اب ساڑھے بارہ بجے کا عمل ہے۔میں دن کے کام کے بعد تکان سے انتہائی نڈھال ہوں۔ اور ایک بوجھل دل کے ساتھ بستر پر دراز ہو رہا ہوں۔زجر و توبیخ کا مکرر شکریہ۔ ۲۸

مذکورہ خط کا اختتام، مترجم، ضیاء برنی:

> میرا خیال ہے کہ مجھے اب اپنا خط ختم کر دینا چاہیے۔میں نے آپ کو کافی زحمت دی ہے۔اب رات کے ساڑھے بارہ بجے ہیں اور میں دن بھر کام کرنے کے بعد اپنے آپ کو نہایت تھکا ہوا پاتا ہوں اور اداس دل کے ساتھ بستر پر آرام کرنے جا رہا ہوں۔
> آپ کی ساری جھڑکیوں کا بہت بہت شکریہ! ۲۹

عبدالعزیز خالد کی ترجمہ کی گئی کتاب میں اقبال کا عطیہ بیگم کے نام لکھا ہوا آخری خط ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ء کا ہے۔ ضیاء الدین برنی کی طرح عبدالعزیز خالد نے بھی اس کتاب کے آخر میں اقبال کے عطیہ بیگم کو لکھے جانے والے خطوط اور انھیں لکھ کر بھیجی گئی نظموں کے اصل مسودات کے عکوس شامل کیے ہیں۔

☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱۔ اقبال کے گھر کی منتظمہ وران کے بچوں جاوید اقبال اور منیرہ اقبال کی گورنس جرمن خاتون ڈورس احمد کی اقبال کے یہاں رہائش کے دوران کی یادوں گھر کے ماحول، بچوں، اپنی آمد اور پھر ڈیوٹی کے اوقات کار، اقبال کے رشتہ داروں اور دوست احباب سے متعلق یادوں پر مشتمل انگریزی کتاب "Iqbal as I Knew Him" اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ فرانسیسی مستشرق خاتون، لوس کلوڈ میتیخ کی فرانسیسی زبان میں تحریر کردہ کتاب:
"Introduction's La Pensee Dr. Iqbal" پیرس سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ عبدالمجید ڈار نے "Introduction to the Thought of Iqbal" کے عنوان سے کیا۔ اس کا اُردو ترجمہ سلیم اختر نے فکرِ اقبال کا تعارف کے عنوان سے کیا اور یہ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔

۳۔ لوس کلوڈ میتیخ، مترجم، سلیم اختر، فکر اقبال کا تعارف (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، اکتوبر ۱۹۷۹ء)، ۸۔

۴۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۶۰۔

۵۔ سلیم اختر، اقبال شخصیت، افکار و تصورات: مطالعہ کا نیا تناظر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۳۳۶۔

۶۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۶۳-۶۲۔

۷۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۶۶۔

۸۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۷۱۔

۹۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۶۹۔

۱۰۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۶۹۔

۱۱۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۷۴۔

۱۲۔ سلیم اختر، مترجم، فکرِ اقبال کا تعارف، ۷۷۔

۱۳۔ Gabrils's Wings این میری شمل کی اقبال کے دینی افکار پر مبنی کتاب ہالینڈ سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی افادیت کے پیش نظر پاکستان میں مولانا الحق عباسی نے اسے ترجمہ کر کے شہپرِ جبریل کے عنوان سے اقبال اکادمی لاہور سے ۱۹۶۳ء میں شائع کرایا۔ بعدازاں گلاب پبلشرز اُردو بازار، لاہور سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

۱۴۔ این میری شمل، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، شہپرِ جبریل (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۲۳ء)، ۶۔

۱۵۔ شمل، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، شہپرِ جبریل، ۱۱۔

۱۶۔ عطاء اللہ شیخ، مرتبہ، اقبال نامہ (حصہ اوّل، مکتوب مورخہ ۷ اپریل ۱۹۲۶ء) (لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۵ء)، ۱۴۸۔

۱۷۔ Bashir Ahmmad Daar, "A Study in Iqbal's Philosophy", ۱۹۴۴ء P.g, ۱۲۸۔Lahore.

۱۸۔ شمل، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، شہپرِ جبریل، ۱۸۹۔

۱۹۔ شمل، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، شہپرِ جبریل، ۳۶۴۔

۲۰۔ جاوید اقبال، مرتب، شذراتِ فکرِ اقبال، مترجم، افتخار احمد صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء)، ۱۰۵۔

۲۱۔ جمیلہ خاتون کی اقبال کے فلسفے پر لکھی گئی کتاب:

The Place of God,Man and Universe in the philosophic system of Iqbal

اقبال اکیڈمی لاہور سے پہلی بار ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔

۲۲۔ عطیہ بیگم کی انگریزی کتاب اقبال، ضیاء الدین برنی نے ترجمہ کر کے پہلی بار اقبال اکادمی لاہور سے ۱۹۵۶ء میں شائع کرائی۔ دوسری بار ۱۹۶۹ء اور تیسری بار ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔

۲۳۔ عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۵۶ء)، ۵۔

۲۴۔ عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ۳۵۔

۲۵۔ عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ۵۲-۵۱۔

۲۶۔ عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ۷۱-۷۰۔

۲۷۔ عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ۷۲۔

۲۸۔ عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ۷۱۔

۲۹۔ عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ۷۳۔

مولفہ و مرتبہ کتب

فکر و فن اقبال[۱]

۲۰۰۲ء کو حکومت پاکستان نے سال اقبال قرار دیا تھا۔ اس موقع پر بہت سی تصنیفات و تالیفات شائع ہوئیں۔ شگفتہ زکریا نے اس سوچ کے تحت اقبال کے فکر و فن کے بارے میں مسلمہ حیثیت کے حامل اقبال شناسوں کی تحریروں کو یکجا کر دیا ہے کہ یہ رواداری میں لکھی جانے والی حالیہ تنقیدی تحریروں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گی۔

اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اولاً عبدالسلام ندوی، سیّد وحید الدین فقیر، حمید احمد خان، سر عبدالقادر، عزیز احمد، تاثیر، صوفی تبسم، خلیفہ عبدالحکیم اور سیّد عابد علی عابد جیسے ماہرین اقبالیات کے مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے جو مسلمہ اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ اقبال سے ذاتی روابط بھی رکھتے تھے۔ دوم ان لوگوں کے مضامین شامل کیے گئے ہیں جو پہلی صف کے بعد اقبالیات کے شعبے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً یوسف ظفر، فیض احمد فیض، سیّد عبداللہ، وحید قریشی، پروفیسر محمد منور اور افتخار احمد صدیقی وغیرہ۔

تیسری صف میں عصر حاضر کے چند اقبال شناسوں کے مضامین یکجا کیے گئے ہیں جن میں فرمان فتح پوری، رفیع الدین ہاشمی، تحسین فراقی اور خواجہ محمد زکریا شامل ہیں۔

یہ کتاب اہم ناقدین کی اقبال کی شخصیت، فکر اور فن پر دائمی اہمیت کی حامل تحریروں کا ایک اہم مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں مرتبہ کے پیش ''لفظ'' اور ایک مضمون کے علاوہ دیگر اہم ناقدین کے ۱۹ مضامین شامل ہیں۔

شگفتہ زکریا نے اپنے مضمون ''حیاتِ اقبال ...... سنین کے آئینے میں'' کے ذریعے بڑی محنت سے سنین کے حوالے سے حیاتِ اقبال کا جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ جائزہ اقبالیات کے قارئین اور طلبا کے لیے بے حد مفید اور اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس سے انھیں حیاتِ اقبال کے بارے میں ہر قسم کی معلومات مل سکتی ہیں۔

حمید احمد خان نے اپنے مضمون میں اقبال کی لفظی تصویر کھینچی ہے۔ اقبال کے حلیے اور

سراپا کی لفظی تصویر کشی کی ہے اوران کی پوری ہستی کی بنیاد غور وفکر پر قائم بتائی ہے۔رُوح کی تنہائی کے باوجود اقبال کو ایک مختصر حلقے کی گفتگو اور وہاں اپنے خیالات کے اظہار میں خاص لطف آتا تھا۔اس مضمون میں حمید احمد خاں نے اقبال کی مجالس کی یادوں کو دہراتے ہوئے ان کی عادات اور معمولات پر روشنی ڈالی ہے۔اوران کی وفات کو لاہور کا شخصی نقصان قرار دیا ہے۔سیّد وحید الدین فقیر نے اپنے مضمون میں سیرت اقبال کی چند جھلکیاں پیش کی ہیں۔اس مضمون میں اقبال کی روز مرہ زندگی، مشاغل، خوراک، رہائش، لباس، کاروباری مسائل، میل ملاقات اور معیار اخلاق کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔

سر عبدالقادر نے اپنے مضمون میں اقبال کو ایک شاعر، فلسفی اور مآل اندیش کی حیثیت سے دیکھا ہے۔اقبال کی تصنیفات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ان کے فلسفۂ حیات پر بھی مختصراً طائرانہ نگاہ ڈالی گئی ہے۔اقبال قوت عمل کی تخلیق کی حمایت اور بے چارگی و بے بسی کی مذمت کرتے ہیں۔

عبدالسلام ندوی نے اپنے مضمون میں اقبال کی تصانیف کو موضوع بحث بنایا ہے۔انھوں نے اقبال کی سب سے پہلی نثری تصنیف علم الاقتصاد کے ذکر کرنے کے بعد اسرارِ خودی، پیام مشرق اور زبورِ عجم اور دیگر تصانیف جیسے جاوید نامہ اور بانگِ درا وغیرہ کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ اقبال کی کچھ ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کے لکھنے کا انھوں نے ارادہ کیا تھا مگر وہ بوجوہ لکھ نہ پائے۔

خلیفہ عبدالحکیم کا مضمون ''افکارِ اقبال''، قبال کے افکار کے تنوع اور ثروت کے بارے میں ہے۔اُن کے نزدیک اقبال نے مسلمانوں کے علمی اور روحانی خدشے کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور اس میں سے حیات افزا عناصر کو حیات کش عناصر سے الگ کیا۔انھوں نے مغربی علوم اور تہذیب وتمدن کو بھی اس نے حکیمانہ اور مجددانہ نظر سے دیکھا، اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور مسلمانوں کو ان کے حصول کی تلقین کی لیکن اس تعمیر میں جو خرابی کی صورت مضمر تھی وہ بھی ان کی چشم بصیرت سے اوجھل نہ رہی۔اقبال نے حکمت فرنگ کے میلانات کا

تجزیہ کیا اور اس کے مسموم عناصر سے گریز و پرہیز کا مشورہ دیا۔خلیفہ عبدالحکیم نے اقبال کے افکار و تاثرات کے بحر بے پایاں کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کے نظریہ حیات کے لب لباب کو ستائیس نکات کے ذریعے واضح کیا ہے۔

یوسف ظفر نے اپنے مضمون ''اقبال کا تدریجی ارتقاء'' میں اقبال کی شاعری کے حوالے سے ان کے تدریجی ارتقا کو واضح کیا ہے۔ان کے نزدیک اقبال کی عظمت یہ ہے کہ ان کے ہاتھ میں ہر خیال، ہر تصور، ہر فلسفہ ہر جذبہ ایک ایسا لازوال پیکر بن گیا ہے کہ اس کی جمالیاتی اور ادبی حیثیت صدیوں تک قائم رہے گی۔

عزیز احمد نے اپنے مضمون ''اقبال کی آفاقیت کا مسئلہ'' میں اقبال کی شاعری کی نمایاں ترین خصوصیت فکر کو قرار دیا ہے۔انھوں نے اقبال کے شعری مجموعہ بانگِ درا میں فکر کے عنصر کی کمی کی بنا پر اسے ان کی نمائندہ تصنیف قرار نہیں دیا اور اقبال کا نمائندہ ترین مجموعہ اُردو میں بالِ جبریل اور فارسی میں جاوید نامہ کو ٹھہرایا ہے۔پھر انھوں نے علیت اور فکر کے غلبے کے باعث اقبال کے کلام پر جو اثرات پیدا ہوئے، کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

ایم ڈی تاثیر کے مضمون ''میرا پیام اور ہے'' میں اقبال کے افکار کا مختصر بیان ہے۔اخوت اور حریت اقبال کے کلام کے اساسی خیالات ہیں۔وہ اس مخصوص طرز جمہوریت کے خلاف ہیں۔جس میں افراد کی گنتی تو ہوتی ہے مگر شخصیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔اقبال خودی کو کمزور کر دینے والی تعلیم کو خطرناک سمجھتے ہیں۔ان کے نزدیک صحیح تعلیم وہ ہے جو عقل اور عشق دونوں کو خودی سے محکم کر دے۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے اپنے مضمون ''دگر دانائے راز آید کہ ناید'' میں یہ بیان کیا ہے کہ اقبال کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے شاعری میں فلسفہ وحکمت کے دقیق، پیچیدہ اور خشک مسائل کو شعر کا جامہ پہنا کر اسے لطیف و پاکیزہ صورت میں پیش کیا اور اس میں فنی جذب وکشش بھر دی۔

فیض احمد فیض کے مضمون ''ہماری قومی زندگی پر اقبال کے اثرات'' میں ہمارے قومی

ذہن اور قومی زندگی پر کلام اقبال کے اثرات واضح کرتے ہوئے اقبال کو ایک وسیع سمندر قرار دیا ہے جو چاروں طرف محیط ہے اور ایسی یونیورسٹی یا جامعہ سے تعبیر کیا ہے، جس میں ہر طرح کے دبستان موجود ہیں اور ہر طرح دبستانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔

سید عبداللہ کا مضمون ''اقبال اور صوفی ....اختلاف اور اتفاق کی کہانی'' میں بہت مفید ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ اقبال تصوف کے بعض خاص رنگوں، رسموں اور طریقوں مثلاً یونانی، رہبانی اور ہند و تصوف کے مخالف تھے لیکن قرآنی یا سچے تصوف کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور گہرا اعتقاد رکھتے تھے۔

سید عابد علی عابد کا مضمون کلام اقبال میں ''لالے'' کی علامتی حیثیت کی وضاحت پر مبنی ہے۔ اقبال کے کلام میں لالہ جگر سوختگانِ عشق اور شہیدانِ محبت کی علامت ہے۔ دوسرے دور میں لالے کی یہ علامتی حیثیت نامکمل اور ناقص ہے۔ ۱۹۰۸ء کے بعد اقبال ''لالے'' کی علامتی کی توضیح کے لیے اسے ''صحرائی'' کی صفت سے متصف کر کے اس سے مراد تہذیب حجازی لیتے ہیں۔

پروفیسر محمد منور کا مضمون قائداعظم کی نظر میں اقبال کے مقام پر مشتمل ہے۔ قائداعظم نے اقبال کو اپنا رہنما قرار دیا تھا جبکہ اقبال خود کو قائداعظم کا ایک ادنیٰ سپاہی قرار دیتے تھے۔

وحید قریشی اپنے مضمون میں تفہیم اقبال کے لیے فارسی زبان کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اقبال جیسے نظریاتی مفکر کی فکر کی توانائی سے پوری طرح آشنا ہونے کے لیے فارسی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔

افتخار احمد صدیقی نے اپنے مضمون ''اقبال اور قرآن'' میں یہ بتایا ہے کہ اقبال اپنے خیالات و تصورات کو قرآن حکیم کے علم کی روشنی میں پرکھتے تھے اور جو خیال اور نظریہ انھیں قرآن سے متصادم اور اس تعلیم کے آئینے میں ناقص نظر آتا تھا، اسے ترک کر دیتے تھے۔ اقبال کے نزدیک مومن کی ساری فراست و بصیرت قرآن حکیم کی مرہون منت ہے بلکہ مومن خود سراپا قرآن ہے۔ اقبال خطبہ اوّل میں فرماتے ہیں:

اقبال شناسی میں خواتین کا کردار

قرآن مجید کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ انسان اپنے اندران گوناگوں روابط کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور پیدا کرے جو اس کے اور کائنات کے درمیان قائم ہیں۔ ۷

اقبال قرآن حکیم کو ہر عہد میں انسانی تہذیب و ارتقا اور جدت کردار کا رہنما اصول سمجھتے تھے۔ انھی خیالات کو انھوں نے اپنے اشعار میں بڑے اثر آفریں اور دلپذیر انداز میں پیش کیا ہے۔

فرمان فتح پوری کا مضمون اُردو شعر و ادب پر اقبال کے اثرات پر مبنی ہے۔ اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ اقبال نے اپنی زندگی بلکہ شاعری کے ابتدائی زمانے ہی میں دنیا کے علمی و ادبی حلقوں کو جس طرح اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس کی مثال کوئی دوسری اُردو میں نظر نہیں آتی۔ اقبال نے اُردو شعر و ادب اور فکر و فن کو ایک نیا مقام و مرتبہ عطا کیا۔

خواجہ محمد زکریا کے مضمون ''کلام اقبال میں خود احتسابی'' میں بتایا گیا ہے کہ اقبال ہر حال میں رجائیت کے پیغامبر ہیں۔ انھوں نے بار بار ملت و افراد کے طبقات کا جائزہ تنقیدی انداز میں لیا اور ان کی خرابیوں کو طشت از بام کر کے اصلاح کا پیغام دیا ہے۔ اقبال نے خود انتقادی اور خود احتسابی کو لازمہ ترقی بتایا ہے اور یہ نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ جب تک ہم اپنی خرابیوں کو تلاش نہیں کریں گے اس وقت تک اصلاح کا عمل شروع نہیں ہو سکے گا۔

رفیع الدین ہاشمی نے اپنے مضمون ''ساقی نامہ'' میں پہلے ''ساقی نامہ'' کا تعارف و پس منظر، پھر فکری جائزہ پیش کیا ہے اور پھر عالمی منظر پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اسے مسلم انحطاط کا مرثیہ قرار دیا ہے۔ ''ساقی نامہ'' کو احیائے ملت کے لیے ولولہ عزم نو قرار دیتے ہوئے اس میں موجود کائنات اور زندگی کے مشاہدے، خودی اور اس کے احکامات اور پرورش خودی کی تلقین پر تبصرہ و تنقید کی ہے۔ ''ساقی نامہ'' کا فنی تجزیہ کرتے ہوئے رفیع الدین ہاشمی نے اس کی خوبیاں روایتی انداز، ایجاز و بلاغت، روانی و تسلسل، تصویر کاری اور نئی تراکیب کا استعمال گنوائی ہیں۔ اس مضمون میں عبدالسلام ندوی، پروفیسر محمد منور،

یوسف حسین خاں اور مولوی شمس تبریز خاں کے حوالہ جات ''ساقی نامہ'' کی تعریف و توصیف کے حوالے سے دیے ہیں۔

تحسین فراقی کا مضمون ''علامہ اقبال اور مسلم نشاۃ ثانیہ'' کے عنوان کے تحت اقبال کی تہذیب اسلامی سے قلبی وابستگی کو بیان کیا گیا ہے۔

کتاب میں شامل تمام مضامین اقبال شناسی کے میدان کے نمائندوں کے ہیں۔ شگفتہ زکریا کی یہ کوشش بہت اہمیت کی حامل ہے کہ انھوں نے اقبال کے فکر و فن کے بارے میں مسلمہ حیثیت کے حامل اقبال شناسوں کی تحریروں کو یکجا کر دیا ہے، جو عرصۂ دراز سے وقت کی گرد میں دب چکی تھیں۔

خطبات اقبالیات [۳]

اس کتاب میں مرتبین کی ''ایک رسمی، دو غیر رسمی باتیں'' کے علاوہ مندرجہ ذیل ۱۸ اہل علم قلم کے مضامین شامل ہیں۔

فرمان فتح پوری، خواجہ محمد زکریا، فتح محمد ملک، معین الدین عقیل، سلیم اختر، افتخار حسین شاہ، رشید امجد، اے بی اشرف، انوار احمد، اسلم انصاری، محمد امین، شمیم حیدر ترمذی، یوسف خشک، روبینہ ترین، شگفتہ حسین، قاضی عبدالرحمٰن عابد، شازیہ عنبرین رانا اور سید عامر سہیل کے مضامین اس کتاب میں یکجا کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں شامل تمام مضامین اقبال کے فکر و فلسفہ کے کسی نہ کسی پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

روبینہ ترین اپنے مضمون ''اقبال کا تصورِ عورت شاعری اور مکاتیب کی روشنی میں'' میں اقبال کی نظموں ''محبت''، ''حقیقت حسن''، ''حسن و عشق''، ''۔۔۔ کی گود میں بلی دیکھ کر''، ''وصال''، ''عاشق ہرجائی''، وغیرہ کے حوالے سے بیان کرتی ہیں کہ ان نظموں کی فضا پر عورت اور اس کا تصور ایک تخیل، خیال افروز بلکہ کسی فیض رساں محرک کے طور پر نظر آتا ہے۔

روبینہ ترین نے اس مضمون میں فکر اقبال کی روشنی میں مشرقی مسلمان عورت کے مثالی

تصور کی وضاحت کی ہے جو عورت کے حوالے سے اقبال کی شخصیت اور فکر کی تفہیم میں مدد دیتے ہیں اور ساتھ ہی اس سے آج کی مسلم معاشرے میں تنگ نظری اور قدامت پسندی سے نبرد آزما عورت کی جد و جہد کو نئے معانی اور تقویت ملتی ہے۔

اقبال کے کلام میں ہندوستانی معاشرے اور تہذیب میں عورت کی مختلف حیثیتیں نمایاں ہوئیں۔ ضربِ کلیم، جاوید نامہ اور بالِ جبریل میں عورت کو اس کے فرائض یاد دلاتے ہوئے عورت کا اولین منصب لذت تخلیق گردانتے ہیں۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

> اقبال عورت کا شرف ''امومیت'' کو قرار دیتے ہیں، اُن کے نزدیک اسی صفت کی وجہ سے وہ تصویر کائنات میں رنگ بھرتی ہے۔ اسی کے شعلوں سے حیات کے اسرار و رموز کھلتے ہیں اور لذت تخلیق سے آشنا ہو کر ہی گوہر کو سامنے لاتی ہے۔ [۲]

اقبال ایک سوشل رفارمر کی حیثیت سے جب عورت کا مقام متعین کرتے ہیں تو اس کی تعلیم، آزادی، ترقی اور شرف کے قائل تو دکھائی دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یورپ کے آزادیٔ نسواں کو بھی ناپسند کرتے ہیں اور اسے تہذیب و معاشرت کے لیے ''مرگ'' قرار دیتے ہیں۔

مصنفہ اقبال کے خطوط جو انھوں نے ایما ویگے ناست اور عطیہ بیگم کو لکھے، سے مثالیں پیش کرتے ہوئے ان کی روشنی میں اقبال کی شخصیت اور شاعری میں تضاد کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اقبال نے جب خود کو قوم کے رہنما کی حیثیت سے قبول کیا تو ان کا مردانہ پن اس صورت میں سامنے آیا کہ عورت کے کردار کو ایثار، اصلاح، تربیت اور سماج میں مثبت پاکیزگی و طہارت کی مثال بنا دیا۔ لیکن مرد کی برتری کو پھر بھی قائم رکھا جبکہ اقبال کے اندر کا انسان اور شاعر ان کی ذات اور مکاتیب کی صورت میں زندہ رہا۔

شگفتہ حسین کا مضمون ''اقبال کی تہذیبی جد و جہد'' میں بیان کیا ہے کہ اقبال نے:

"The Reconstruction of Religiones Throught in Islam" کے

پانچویں خطبے میں مسلم ثقافت کا منبع وحی کو قرار دیا ہے۔ اقبال نے اپنے خطبے میں مسلم ثقافت کی

نمایاں اور ممتاز خصوصیات بیان کرتے ہوئے اجتہاد اور اجماع کو بھی اسلامی ثقافت کا ایک اہم عنصر قرار دیا ہے کیونکہ اقبال اجتہاد کو اصول حرکت کہتے اور اسے اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔

اقبال نے جس دور میں نظریاتی تبدیلی کے عمل سے گزرتے ہوئے جذبہ قومیت سے ملت اسلامیہ اور پھر ملت اسلامیہ سے وطنیت کی طرف مراجعت کی وہ دور ایسا تھا کہ جب پورا اسلامی بلاک یورپ کی شاطرانہ چالوں کا شکار ہو رہا تھا۔ اقبال کی یہ مراجعت دراصل ملت اسلامیہ ہی کی خدمت کا ایک انداز تھی۔

مصنفہ کے نزدیک خطبہ الٰہ آباد میں اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ اسی لیے کیا کہ پاکستان میں اسلام عربی شہنشاہیت کے اثرات سے آزاد ہو کر اس جمود کو توڑ ڈالے گا جو اس کی تہذیب وتمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہیں لیکن اقبال نے جن حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ خواب دیکھا اور ہندوستان کے مسلمانوں کی ثقافتی پہچان کا مسئلہ اٹھایا، ان خیالات میں اب تک اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے کہ ہم نے ایک آزاد ریاست ضرور حاصل کر لی ہے۔ یہاں اسلام کے اعلیٰ تخیل اور عمدہ اصولوں پر بدستور مولویوں اور نام نہاد فقیہوں کا قبضہ ہے اور تقلید کی گمراہی ہے جو اقبال کی پیش کردہ اسلامی ثقافت کی روح کے قطعی منافی ہے۔

شازیہ عنبرین کا مضمون ''اقبال اور آفتاب اقبال (حقائق کی تلاش کا سفر)'' میں ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے جسے بیان کرنے سے عموماً اجتناب برتا جاتا ہے۔ وہ موضوع اقبال کی پہلی شادی کی ناکامی اور ان کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال سے اُن کی کشیدگی ہے۔

شازیہ عنبرین رانا نے اقبال کی پہلی شادی کی ناکامی کے اسباب کم عمری کی شادی، تعلیم کے حصول کی خاطر دوری، بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی سختی و درشتی، فراہمی روزگار کے نہ ہونے کے ساتھ ساتھ بیوی (کریم بی بی) کا سسرال کو گھر نہ سمجھ سکنا اور بار بار میکے جانا گنوائے ہیں۔

اقبال کے صاحبزادے آفتاب اقبال کے دل میں بچپن سے ہی یہ بات بیٹھ چکی تھی۔ ان کے والد نے ان کی والدہ کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ چنانچہ شفقت پدری کی عدم موجودگی اور تایا کی سخت گیری کی بنا پر اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی تاہم آفتاب اقبال کو اپنی غلطیوں اور والد کی عظمت کا احساس ہو گیا اور اقبال کی زندگی ہی میں مصالحت کی کوششیں کی گئیں۔

روبینہ ترین اور انوار احمد کی یہ کاوش معاشرے میں فکر کی رو کو متحرک کرنے اور ایک نئے سلسلہ خیال کو فروزاں کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اقبال دورِ جدید کی آواز

کتاب اقبال دورِ جدید کی آواز کا تعلق اقبالیات کے اس حصے سے ہے جس میں مختلف لوگوں کے لکھے گئے مضامین منتخب و مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیے جاتے ہیں۔

اس کتاب میں کل ۱۲ مضامین شامل ہیں۔ مؤلفہ کا اپنا ایک مضمون بعنوان ''علی گڑھ تحریک میں اقبال کا حصہ'' بھی کتاب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر کرار حسین، جمیل جالبی، پروفیسر منظور حسین شور، احمد ندیم قاسمی، شان الحق حقی، پروفیسر مجتبیٰ حسین، سلیم احمد، افتخار احمد مدنی؛ جان جوزف، سعید رضا سعید اور کمال الدین احمد کے مضامین شامل ہیں۔ کتاب میں شامل مضامین کے عنوانات ''اقبال۔ سوشلزم اور اسلام''، ''خطوط اقبال کی اہمیت''، ''ڈاکٹر اقبال میری نظر میں''، ''اقبال کا نظریۂ فن''، ''غزل کا سفر سعدی سے اقبال تک''، ''اقبال کی چند اصطلاحات کی تعبیر نو''، ''اقبال کا ایک شعری کردار ابلیس''، ''وقت کی آواز''، ''پیام اقبال ایک مسیحی کی نظر میں''، ''اقبال اور حب الوطنی'' اور ''اقبال اور سرمایہ داری'' ہیں۔ تمام مضامین اقبال کے فکر وفن کے مختلف پہلوؤں کا نہایت خوبصورتی، اختصار اور جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتے ہیں۔

مؤلفہ نے اپنے مضمون ''علی گڑھ تحریک میں اقبال کا حصہ'' آغاز میں علی گڑھ

تحریک کو برصغیر کی ترقی پسند تحریک قرار دیا ہے جو رجعت پسندی اور تنگ نظری کے خلاف چلائی گئی تھی۔ مؤلفہ مثالی زندگی گزارنے کے لیے اعتدال کے راستے کو سب سے اہم گردانتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ تاریخ پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید، اقبال مصطفیٰ کمال، جمال ناصر، قائداعظم غرض جن لوگوں نے بھی کسی مسلمان قوم کو حیاتِ نو بخشی اور کوئی عظیم کارنامہ کر کے دکھایا۔ ان سب کا تعلق بلا استثنا اعتدال پسندوں سے تھا۔ ترقی کی راہ ہمیشہ روشن خیالوں نے ہی دکھائی ہے۔ رجعت پسندوں نے محض اپنی قوم کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔

اقبال ایک پڑھے لکھے اور نہایت روشن خیال انسان تھے۔ مؤلفہ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

> آج رجعت پسند عناصر انھیں غلط رنگ میں پیش کرنے کی مہم چلا رہے ہیں تاکہ نئی نسل کو اُن کا اصل چہرہ دکھانے کے بجائے خود اپنے مسخ چہرے سے متعارف کریں۔ اس مہم میں ذرائع ابلاغ بھی شامل ہیں اور اقبال کا وہ کلام جس میں انھوں نے علی گڑھ تحریک کے مخالفین کو بے نقاب کیا ہے، نہ آج کل کوئی شائع کرتا ہے، نہ ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ پر اسے پیش کیا جاتا ہے۔ ۶

اقبال شاعری، موسیقی، رقص، تصویر کشی اور سنگ تراشی سبھی کو فنونِ لطیفہ اور یکساں طور پر پاکیزہ قرار دیتے ہیں۔ مؤلفہ کا کہنا ہے کہ جدید علوم کی مخالفت کرنے والے رجعت پسند عناصر تہذیب و ثقافت کے ان پانچ بنیادی ستونوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں مگر اقبال اس تنگ نظری کے حامی نہیں ہیں۔ اقبال فرنگی کی سیاسی غلامی اور ملا، شیخ، واعظ اور پیر کی ذہنی غلامی کے بجائے من کی دنیا کو مثالی دنیا قرار دیتے ہیں اور اس دنیائے آب و گل کو بھی اپنی مثالی من کی دنیا کی مانند بنانا چاہتے ہیں۔ اقبال مسلمانوں کی زبوں حالی اور پسماندگی کا سب سے بڑا سبب پیر پرستی اور ملائیت کو گردانتے تھے اور وہ مسیحیت کی طرح اسلام میں پاپائیت کے قائل نہ تھے۔ مصنفہ لکھتی ہیں کہ:

> انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ جس علی گڑھ تحریک کو کامیاب بنانا انھوں نے اپنا مشن قرار دے لیا تھا اس

> کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان کو ملا اور پیر کی ذہنی غلامی سے آزاد کیا جائے۔ وہ اللہ اور بندے کے درمیان کسی وسیلے کو اسلام کے خلاف تصور کرتے تھے۔ ۷

مؤلفہ مضمون کے آخر میں علی گڑھ کی تحریک کی ضرورت اور اقبال کے نامکمل مشن کا ذکر کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ آئین نو سے ڈرنے اور طرزِ کہن پر اڑنے والے رجعت پسند آج بہت طاقتور ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علی گڑھ تحریک اور اقبال کے مشن یعنی روشن خیالی کی تحریک اور رجعت پسندی کے خلاف مشن کو نئے سرے سے جاری کیا جائے۔
مؤلفہ کا یہ مضمون منفرد نوعیت کا حامل مضمون ہے۔ اس مضمون سے اقبال کی علی گڑھ تحریک کی حمایت بطور ایک ترقی پسند تحریک پسندیدگی، روشن خیالات اور رجعت پسندوں و ملاؤں پر کڑی تنقید کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف لوگوں کے مضامین شامل کتاب کیے گئے ہیں۔

نگارشاتِ اقبال ۸

اقبال ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے اور شخصیت کے اظہار کے لیے انھوں نے ادب کی مختلف اصناف کو اپنایا۔ نثر میں جہاں انھوں نے ایک مستند علمی کتاب علم الاقتصاد یادگار چھوڑی ہے، وہیں مختلف النوع مضامین اور خطوط بھی تحریر کی ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ساتھ انھوں نے وقتاً فوقتاً تقاریظ اور آرا بھی تحریر کیں جو دوست واحباب کی کتب، رسائل یا ان کی کسی کاوش کے سلسلے میں رقم کی گئیں ہیں۔ انگریزی خطبات وغیرہ کا ریکارڈ رکھنے کا اقبال نے کبھی اہتمام نہیں کیا۔ ان کے بعض خطوط کی حیثیت اہم تاریخی، قومی اور ادبی دستاویزات کی ہے مگر اقبال نے ان کی نقول بھی اپنے پاس رکھنے کا تردد کبھی نہیں کیا۔ خطبہ علی گڑھ "The Muslim Community" جیسے اہم لیکچر کا متن ایک عرصہ تک ناپید رہا۔ تاہم ان کے مداحوں، عقیدت مندوں اور اقبالیات کے محققین نے اس ضمن میں خاصی مستعدی دکھائی۔ انھی کے قابل قدر کاوشوں کے نتیجے میں ملفوظاتِ اقبال، گفتارِ اقبال، انوارِ

اقبال اور حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے وغیرہ کی صورت میں اقبال کے فرمودات وملفوظات، بیانات وتقاریر کا بیشتر حصہ مرتب ہو کر محفوظ ہو چکا ہے۔

ادبی لحاظ سے اور اقبال کی شخصیت کے انعکاس کی ذیل میں ان کی اہمیت ہے یا نہیں، مگر اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ اقبال کے قلم سے نکلی ہیں اور اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ ان کی دیگر نثری تحریریں۔ یہ تقاریظ اور آرا یکجا صورت میں دستیاب نہ تھیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ انھیں اکٹھا کر کے یکجا صورت میں چھاپا جاتا تاکہ ان کی اصل افادیت اور اہمیت اجاگر ہو سکے۔ یہ تقاریظ اور آرا اِدھر اُدھر مختلف کتب ورسائل میں بکھری ہوئی تھیں۔ زیب النساء بیگم نے ان تمام بکھری ہوئی تحریروں کو نگارشاتِ اقبال کے زیرِ عنوان مرتب کر کے چھاپ دیا ہے۔

اس کتاب کا دیباچہ رفیع الدین ہاشمی نے تحریر کیا ہے۔ ''پیش گفتار'' زیب النساء کا ہے۔ ''مقدمہ'' میں اقبال کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور اقبال کی تحریروں میں سے مثالیں دی گئی ہیں۔ نگارشات کا اصل متن صفحہ نمبر ۳۵ سے صفحہ نمبر ۸۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ نگارشاتِ اقبال کا سن وار گوشوارہ ص ۸۹ سے ص ۹۹ تک محیط ہے۔ یہ گوشوارہ سات حصوں میں منقسم ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

> مرتبہ کالم نمبر ا میں تاریخ تحریر ہے، یعنی وہ تاریخ جو اقبال نے رائے تحریر کرنے کے بعد درج کی، صحیح تاریخ کا تعین نہ ہونے کی صورت میں، قریب ترین قیاسی تاریخ، تحریر کو قلابین میں درج کیا گیا ہے۔ کالم نمبر ۲ میں کتاب یا رسالہ کا نام مع مصنف اور مرتب درج ہے۔ کالم نمبر ۳ میں ان آرا کی نوعیت درج ہے کہ آیا وہ دیباچے ہیں؟ تقاریظ یا تاثرات؟ کالم نمبر ۴ میں دیباچہ یا تقاریظ کی مخالفت کا ذکر ہے۔ کالم نمبر ۵ میں آرا کی اشاعت (بالعموم اشاعت اول) کا ذکر ہے۔ کالم نمبر ۶ میں ان کی مزید اشاعتوں کا ذکر ہے۔ کالم نمبر ۷ میں دیباچوں اور آرا کی عکسی نقول کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگر عکس کہیں چھپا ہے تو اس کالم میں ''عکس'' لکھ دیا گیا ہے اور عکس دستیاب یا موجود نہ ہونے کی صورت میں کراس (x) لگا دیا گیا ہے۔ ۹

نگارشاتِ اقبال میں جن اشخاص کی تحریروں پر اقبال نے اظہار خیال کیا ہے، یا جنھیں اقبال نے خراج تحسین پیش کیا ہے ان کا مختصر حال الفبائی ترتیب سے دینے کے ساتھ ساتھ کتب وجرائد کی تفصیل اور اقبال کی تحریروں پر مشتمل اشاریہ بھی فراہم کیا گیا ہے۔

نگارشاتِ اقبال کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اوّل حصے میں کتب وجرائد پر تقاریظ، دیباچے اور آرا شامل ہیں۔ جبکہ دوسرے حصے میں متفرق تاثرات اور اسناد شامل ہیں، یوں کل انسٹھ (۵۹) نگارشات ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اور نگارشات بھی ہوں جن تک مصنفہ کی رسائی نہ ہو سکی، تاہم دستیاب ہو جانے پر انھیں آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے گا۔ دیباچے میں رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> نگارشاتِ اقبال بنیادی طور پر مختلف کتابوں پر علامہ کی تقاریظ وآرا کا مجموعہ ہے۔ یہ تحریریں بظاہر اتنی اہم نظر نہیں آتیں، بعض کو علامہ نے متروک قرار دیا تھا اور بعض رواداری میں اور از راہ وضع داری لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، مگر ان کے عقب میں اقبال کی دلچسپ، دل کش اور وضع دار شخصیت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، اور اسی طرح ہمیں ان کے بعض محسوسات، ذہنی اُفتاد اور ان کے مخصوص اندازِ فکر ونظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۰

مختلف کتابوں پر تقاریظ میں اقبال کا تبصرہ بہت جچا تلا مگر حوصلہ افزا ہے۔ بعض شخصیات کے بارے میں انھوں نے ایسی جامع رائے ظاہر کی ہے جس سے متعلقہ شخصیات کی حقیقی قابلیت اور صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا انداز متوازن اور مثبت ہے۔

زیب النساء بیگم کی مرتب کردہ اس کتاب کا دائرہ اقبال کی متفرق تحریروں یعنی دیباچوں، تقاریظ اور آرا تک محدود ہے۔ اس مجموعے میں اقبال کے اپنی نثری اور شعری کتب جیسے علم الاقتصاد، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی اور پیامِ مشرق پر لکھے گئے وقیع دیباچوں کو شامل نہیں گیا کیونکہ یہ متعلقہ کتب کے ساتھ موجود اور با آسانی دستیاب ہیں۔ اقبال نے حکیم احمد شجاع کے اشتراک سے چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور پانچویں جماعت کے لیے اُردو نصاب مرتب کیا۔ گمان غالب ہے کہ ان کتابوں پر دیباچے اقبال

ہی کے قلم سے ہیں۔ انھوں نے بہت سی کتابوں، اخبارات اور رسائل پر اپنی مختصر اور بعض صورتوں میں طویل تقاریظ لکھیں یا آرا کا اظہار کیا۔ بعض آرا اور تاثرات کی نوعیت متفرقات کی ہے، کیونکہ وہ کسی کتاب، اخبار یا رسالے کے متعلق نہیں، بلکہ کسی معتبر شخصیت کے کمالات کے اعتراف کے طور پر، یا کسی کی وضاحت پر تعزیتی بیان کی صورت میں یا کسی دوست کے دواخانے کے متعلق تحریر کی گئی ہیں۔ اس طرح ان متفرق نثر پاروں کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ یہ متفرق تحریریں مختلف کتابوں اور رسائل میں چھپ چکی ہیں۔ بیشتر تحریریں مخزن، انقلاب، مضامین، اقبال، مقالاتِ اقبال، حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں، حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے، مجلہ اقبال ریویو اور اورینٹل کالج میگزین کے ذریعے سامنے آئی ہیں۔ یہ تحریریں ان کتب و رسائل میں بکھری ہوئی صورت میں ملتی تھیں۔ انھیں اور بعض مجلات پر بعض متفرق تحریریں کسی مجموعے میں شامل نہیں تھیں، انھیں بھی یکجا کر دیا گیا ہے۔ اتنی زیادہ تعداد میں اس سے قبل اقبال کی متفرق تحریریں کبھی جمع و مرتب نہیں کی گئیں۔ اقبال کے افکار، خصوصاً ان کی نثر پر کام کرنے والے محققین اور نقادوں کو اس مجموعے کی صورت میں اقبال کے متفرق نثر پاروں سے رجوع و استفادہ آسان ہوگا۔ زیب النساء بیگم ''پیش گفتار'' میں لکھتی ہیں کہ:

> کوشش کی گئی ہے کہ اقبال کے متون اصل کے مطابق نقل کیے جائیں...... بیشتر دیباچوں کے متون اوّلین اشاعتوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری اور تیسری اشاعتوں کے متن میں بعض تصرفات راہ پا گئے ہیں۔ تقاریظ اور آرا کے ذیل میں بھی نسبتاً مستند متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ [11]

اقبال کے دیباچوں، تقاریظ اور آرا کا تنقیدی جائزہ اور ان کی اہمیت اجاگر کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ جن تحریروں کے سنین کا تعین نہیں ہو سکا، ان کا شمار سنہ ندارد کے تحت کیا گیا ہے۔

زیب النساء بیگم نے مقدمہ میں اقبال کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اور

اس ضمن میں ان کی متفرق تحریروں سے مثالیں بھی بطور نمونہ پیش کی ہیں۔ اقبال کی متفرق تحریریں اپنی گوناگوں خصوصیات کی بدولت نہایت اہم ہیں۔ اقبال کے خطوط اور مضامین کی طرح ان متفرق تحریروں سے بھی ان کے شب و روز کے معمولات، اُن کی پسند ناپسند، شخصیت کے مختلف و متنوع پہلو جیسے عشق رسولؐ، وضعداری، دوسروں کی حوصلہ افزائی، فراخدلی، علمی انکسار اور ان کے ذہنی و فکری میلانات اور نظریات پر روشنی پڑتی ہے۔

روضۂ رسولؐ کی زیارت اقبال کی اوّلین خواہش تھی۔ ان کی یہ خواہش اگرچہ بوجوہ پوری نہ ہو سکی لیکن حضورؐ سے عقیدت و محبت تا حیات قائم رہی۔ جہاں کہیں کوئی ایسی کتاب یا نظم چھپتی، جس میں حضورؐ کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا ہو تو اقبال اس پر نہایت خوشی اور شوق سے تقریظ یا رائے رقم فرماتے تھے۔ اس ضمن میں مرتبہ نے عبدالرؤف شوق کی نظم ''مرقع رحمت'' پر لکھی گئی اقبال کی تقریظ بطور نمونہ درج کی ہے۔ اس تقریظ کا ایک ایک لفظ عقیدت و محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ خاص کر اقبال کا یہ جملہ تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ''خوشا وہ دل جو عشق نبوی کا نشیمن ہو۔'' اس جملے میں در پردہ اقبال کی وہ خواہش پوشیدہ ہے، جس کی تکمیل میں انھوں نے اپنی ساری زندگی بسر کی ہے۔

اقبال کی نجی، مجلسی اور معاشرتی زندگی کے شب و روز سے پتا چلتا ہے کہ ان کا حلقۂ احباب خاصا وسیع تھا۔ ان کے مکاتیب کے مجموعے بھی شاہد ہیں کہ ہر مکتبۂ فکر کے افراد سے ان کے مخلصانہ اور دوستانہ مراسم تھے۔ اقبال نے تمام عمر اپنے تعلقات کو نہایت وضعداری سے نبھایا۔ خطوط کے علاوہ ان کی دیگر نثری تحریروں میں بھی اس وضعداری کے نقوش نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اقبال رائے یا تقریظ رقم کرنے میں نہایت فراخدل واقع ہوئے تھے۔ ان کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو وسعت نظری اور علمی بے تعصبی ہے۔ انھوں نے جن کتب و رسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں ہے۔ انھوں نے علمی و مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر بے لاگ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً انھوں نے منشی پریم چند کے افسانوں کے

مجموعہ پریم پچیسی پر بھی تقریظ لکھی تھی۔

اقبال کے تحریر کردہ دیباچوں، تقاریظ اور آرا میں ان کے ذہنی، فکری، تجزیاتی اور تنقیدی میلانات، افکار اور نظریات کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔ اقبال نے اپنی کتب علم الاقتصاد، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی اور پیغامِ مشرق پر جو دیباچے تحریر کیے ہیں وہ خاصے کی چیز ہیں۔ دیباچہ علم الاقتصاد ایک تجزیاتی و وضاحتی نوعیت کا دیباچہ ہے۔ اس میں مصنف نے علم الاقتصاد کے مقاصد، اس کی ضروریات اور اس کے دائرہ کار کی وضاحت کی ہے۔ ایک جگہ غربت و افلاس کا تحلیل و تجزیہ اور اس کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> غریبی یا یوں کہو کہ ضروریات زندگی کے کامل طور پر پورا نہ ہونے سے انسانی طرزِ عمل کہاں تک متاثر ہوتا ہے۔ غریبی قویٰ انسانی پر بہت اثر ڈالتی ہے، بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلّا آئینہ کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ [۱۲]

اسرارِ خودی کا دیباچہ باقی دیباچوں کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ اہم اس نقطہ نظر سے ہے کہ اختصار کے باعث اس دیباچے پر ملک کے طول و عرض میں خاصی تنقید ہوئی۔ اس کی مخالفت اور حق میں مضامین شائع ہوئے۔ ردِعمل کے طور پر اقبال نے بھی بعض اہم مضامین تحریر کیے۔ اس طرح ان کی اُردو نثر میں، اس دیباچے کی بدولت چند نہایت اہم مضامین کا اضافہ ہو گیا۔ پھر بوجوہ اسرارِ خودی کے دوسرے ایڈیشن میں یہ دیباچہ حذف کر دیا۔ دیباچہ رموزِ بے خودی میں ان کا انداز نسبتاً محتاط نظر آتا ہے۔ اس کا دیباچہ مختصر سا ہے۔ تاہم اس سے مثنوی کے مقاصد کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ پیامِ مشرق کا دیباچہ خاص طویل ہے۔ اقبال کے وسعتِ مطالعہ اور تجزیاتی و تنقیدی نقطۂ نظر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اس سے مثنوی کے محرک کے علاوہ ''تحریکِ مشرقی'' کے آغاز اور اس کے اثرات کا بھی علم ہوتا ہے۔ غرض یہ تمام دیباچے اقبال کی نثر میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

مصنفہ اقبال کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ نتیجہ بھی نکالتی ہیں کہ اقبال

اقبال شناسی میں خواتین کا کردار

کی متفرق تحریروں سے ان کے تعلیمی نظریات و میلانات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ قوم کی باگ ڈور آج کے بچوں، کل کے بڑوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آج جاہل اور تاریک رہ جائے تو پھر روشن اور تابناک کل کی توقع کرنا عبث و بے بنیاد ہے۔ چنانچہ بچوں کی بہتر تعلیم، بہتر دیکھ بھال اور نشو و نما کے متعلق ان کی فکر مندی کا اندازہ ۱۹۰۲ء میں تحریر کردہ مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' سے ہو جاتا ہے۔ ملک کے طول و عرض میں بچوں کے لیے چھپنے والی کتب و رسائل بھی ان کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں اور وہ وقتاً فوقتاً ان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ مثلاً محمد دین فوق نے ایک مختصر رسالہ بہ عنوان امتحان میں پاس ہونے کے گر شائع کیا تو اقبال نے اس پر اس طرح اظہارِ خیال کیا:

> یہ مختصر سا رسالہ ان ضروری ہدایات کا مجموعہ ہے، جن کا جاننا طلبا کے لیے از بس مفید ہے۔ علاوہ ان ہدایات و ارشادات کے جو امیدواران امتحانات، یونیورسٹی کے لیے ضروری ہیں، مؤلف نے اپنے رسالہ کو انگریزی مصنفین کے بعض قابلِ قدر مقولوں سے آراستہ کیا ہے، جس سے اس چھوٹی سی کتاب کی وقعت اور بھی زیادہ ہو گئی۔ میرے خیال میں اس قسم کی کتابوں کا بچوں کے ہاتھوں میں دینا اخلاقی تعلیم کی بنیاد کو بہت استحکام دے گا۔ [۱۳]

اسی طرح اقبال کے خواجہ حسن نظامی کے بچوں کے لیے مرتب کردہ قاعدہ بعنوان قرآن آسان قاعدہ پر بھی اپنی رائے تحریر کی۔

اقبال کے تعلیمی نظریات کی تفہیم میں وہ دیباچے بھی اہمیت کے حامل ہیں، جو انھوں نے چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور پانچویں جماعتوں کے جدید نصاب پر تحریر کیے تھے۔ یہ نصاب حکیم احمد شجاع کے تعاون سے مرتب کیا تھا۔ اس نصاب پر تحریر کردہ دیباچے اگرچہ مؤلفین کی جانب سے نہیں تاہم گمان غالب ہے کہ یہ دیباچے اقبال ہی نے تحریر فرمائے۔ دیباچے میں اقبال لکھتے ہیں کہ درسی کتب میں ایسے مضامین اور نظمیں شامل ہونے چاہئیں، جو سادہ، آسان اور دلچسپ ہوں تاکہ طالب علم نصاب سے اکتاہٹ محسوس کرنے کے بجائے اس میں دلچسپی لیں۔ مضامین اور نظموں کا انتخاب ایسا ہو، جس سے طالب علموں میں خود اعتمادی،

مستقل مزاجی، خودداری، ادبی ذوق اور وسعت قلب ونظر پیدا ہو۔ مناظر فطرت سے متعلق مضامین کے علاوہ علمی نوعیت کے مضامین بھی شامل ہونے چاہئیں تاکہ طالب علموں کی طبعی صلاحیتیں جلا پائیں۔ طالب علموں میں اعلیٰ اقدار کو فروغ دینے کے لیے اخلاقی مضامین اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے جذبہ وطنیت سے بھرپور نظم ونثر کا انتخاب کرنا چاہیے۔ گویا اقبال یہ چاہتے تھے کہ طلبا معیاری اور دلچسپ نصاب کے ذریعے اپنے آپ کو ایک مثالی طالب علم اور بہتر انسان بنا سکیں۔

درسی کتب کے سلسلے میں تاریخ ہند کا دیباچہ بھی اہم ہے، لیکن اس کتاب کے مشمولات اقبال کے مزاج سے قطعا میل نہیں کھاتے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقبال نے پڑھے بغیر ہی دیباچہ تحریر کر دیا ہے۔ یہ کتاب کاملاً لالہ رام پرشاد کی تحریر کردہ ہے۔ چونکہ یہ بات طے پا چکی ہے کہ تاریخ ہند کی ترتیب وتدوین میں اقبال عملاً شامل نہیں تھے لہٰذا مصنفہ نے اس کتاب کا دیباچہ اقبال کی متفرق تحریروں میں شامل نہیں کیا۔

اقبال نے خواجہ غلام الحسنین کی ہربرٹ اسپنسر کی کتاب ایجوکیشن کے انگریزی سے اُردو ترجمے پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک اچھے ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ وہ رواں اور بے تکلف ہو اور اس میں کوئی الجھاؤ نہ ہو۔

اقبال اُردو زبان کی اہمیت اور ضرورت بے بخوبی آگاہ تھے۔ انھوں نے ذاتی طور پر اُردو زبان میں گراں قدر تخلیقات کا اضافہ کیا ہے۔ مولوی عبدالحق کے نام خطوط میں اقبال نے ان کی اُردو زبان کی خدمات کو سراہا ہے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر زندگی نے وفا کی تو میں مولوی عبدالحق کے ساتھ مل کر اُردو زبان کی خدمات کروں گا۔ اقبال نے حاجی بدرالدین احمد کی کتاب فتح قسطنطنیہ مولوی فتح محمد خاں جالندھری کی تصنیف مصباح القوائد اور خواجہ عبدالمجید کی کتاب جامع اللغات پر بھی تقاریظ رقم کی ہیں۔

اقبال کے نزدیک وہ لوگ بے حد تعریف وتحسین اور احترام کے قابل ہیں جو اپنے طور پر اُردو زبان میں مفید اضافہ کر رہے تھے۔ اقبال وقتاً فوقتاً ایسی کتب پر رائے زنی کر کے اپنی

پسندیدگی کا اظہار کرتے رہے اور ایسے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ زیب النساء بیگم لکھتی ہیں:

> علامہ اقبال کی نثر میں ان دیباچوں، تقاریظ اور آراء کی اہمیت وافادیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ بلاشبہ بعض تقاریظ اور آرا ادبی نقطہ نظر سے اعلیٰ پائے کی نہیں ہیں، اور ان سے علامہ کی شخصیت اور افکار ونظریات پر کوئی واضح روشنی نہیں پڑتی، لیکن ایسی تحریروں کی اہمیت اس لیے نظر انداز نہیں کر سکتے کہ یہ علامہ کے قلم سے نکلی ہیں، اور علامہ کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اقبالیان کے لیے مقدس امانت کا درجہ رکھتا ہے۔ علامہ کی مستند سوانح عمری اور ذہنی تاریخ مرتب کرتے ہوئے ان متفرق تحریروں کو پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔ [۱۴]

نگارشاتِ اقبال صوری حسن سے بھی مزین ہے۔ کتابت خوبصورت اور چھپائی نفیس اور دلکش ہے۔ کتابت کی اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پروف خوانی خاصی دقت نظری سے کی گئی ہے۔

زیب النساء بیگم کی یہ کاوش لائق ستائش ہے۔ انھوں نے بہت محنت سے اقبال کی متفرق تحریروں پر مفصل تنقیدی تبصرہ قلمبند کیا ہے، جو بہت مفید ہے۔ پھر انھوں نے اقبال کی جگہ جگہ مختلف کتب، رسائل وجرائد میں چھپنے والی متفرق تحریروں کو یکجا کر کے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

مجموعی لحاظ سے جب نگارشاتِ اقبال پر نظر ڈالی جائے تو اس میں اقبال کی شخصیت کے چند نئے گوشے روشن تر ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان تقاریظ میں برصغیر کا عظیم شاعر اور فلسفی ایک عام انسان کی طرح چلتا پھرتا، گفتگو کرتا اور رسوم ورواج کو نبھاتا دکھائی دیتا ہے۔ اقبال کی نثر میں ان تقاریظ کی معنویت وافادیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی اور اقبال کی مستند سوانح عمری مرتب کرتے ہوئے ان سے بھی بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اقبال شناسی اور محمل [۱۵]

زیر نظر مجموعہ مضامین گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین کوپر روڈ، لاہور کے مجلّہ

محمل کے اوراق پارینہ ہیں جو کہ وحید قریشی معتمد اعزازی بزمِ اقبال کے کتابی صورت میں شائع کرنے کے عزم وارادے کے تحت مرتبہ نے ترتیب دیے ہیں۔

اس کتاب میں کل ۲۴ مضامین شامل ہیں۔ ان میں سے سیّد عبداللہ کے مضمون کے علاوہ ۱۰۵ اُردو مضامین خواتین کے لکھے گئے شامل ہیں اور ۷ انگریزی مضامین شامل ہیں۔

حصہ اُردو میں مسز زہرا معین، مسز نوید نسیم، زاہدہ پروین، مسز ریحانہ آصف، ذکیہ، مسز شاہ اور ڈوگر، ثریا بانو، مس مبارکہ انجم سراج، مس فیض بتول بخاری، مسز عظمیٰ علی، مس آمنہ عنایت، مس الطاف فاطمہ، مس محسنہ قریشی، اور خزینہ کوثر کے مضامین کے علاوہ شمیم ملک کی مرتب کردہ کتابیاتِ محمل بھی ہیں۔

حصہ انگریزی میں مس ثریا ظفر، رفعت آرا قریشی اور مسز انیس افتخار کے مضامین کے علاوہ میاں امیر الدین اور تنویر شفیق کے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں۔

زہرا معین کے مضمون ''حیاتِ اقبال (یک نظر)'' میں اقبال کی زندگی کے حالات و واقعات، خاندان، ولادت، تعلیم، شادیوں، ان کے اہم اساتذہ، مصروفیات، وفات، شعری ونثری تصانیف کا مختصر مگر جامع جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مسز نوید نعیم نے اپنے مضمون ''اقبال اور قرآن'' میں اقبال کو مجددِ عصر اور ہمارے خزاں دیدہ چمن میں قافلہ بہار کا طائر پیش رس قرار دیا ہے جس کے دل پذیر نغموں سے ملت اسلامیہ کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون دوبارہ دوڑنا شروع ہوا تھا۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ اقبال کے کلام کو قرآن کریم کی تفسیر کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ وہ اسلامی عقائد کو شاعرانہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

زاہدہ پروین کے اقبال پر لکھے گئے دو مضامین شامل ہیں۔ پہلا ''اقبال کا نظریہ وحدت الوجود'' ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اقبال ابتدائی ایام میں نظریہ وحدت الوجود کی حمایت کرتے رہے اور ان کے کلام میں یہ نظریہ پوری آب وتاب کے ساتھ نمایاں ہے۔ اقبال کا یہ نظریہ سفر یورپ سے قبل اور قیام یورپ کے دوران قائم رہا۔ وہاں انھوں نے جدید

فلسفیوں اور مفکروں کے خیالات کو جانچا اور اپنے فلسفہ خودی کی داغ بیل ڈالی۔ ان کا نظریہ خودی درحقیقت اس روایتی وجودی فلسفے کی تردید ہے۔ اب انھوں نے وحدت الوجود کو ایک غیر تسلی بخش فلسفے کی حیثیت سے مسترد کر دیا۔ کیونکہ فلسفہ وحدت الوجود فنائے ذات ہے۔ اقبال بڑے غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ قوموں کی بقا کا سبب وجود خودی ہے نہ کہ فنائے خودی۔ انھوں نے وحدت والوجود کو نظری اور عملی لحاظ سے غلط و مضر سمجھا اور ان خیالات کا سختی سے محاسبہ کیا۔ وہ قوم میں بے ہمتی، تساہل اور قناعت کے بجائے قوت، حرکت اور توانائی کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ وہ توحید قرآنی کے قائل ہیں جو فلسفیانہ اور متصوفانہ وحدت الوجود سے متمیز ہے۔

زاہدہ پروین کا دوسرا مضمون ''اقبال اور عورت'' ہے۔ جس میں مصنفہ نے اقبال کے عورت کے بارے میں نظریات کا جائزہ لیا ہے۔ اقبال عورت کے صحیح مقام، اس کی ذمہ داری اور اس کی فطری صلاحیتوں کو نہایت خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ عورت کی اجتماعی زندگی کے بارے میں اقبال نے اپنے مجموعہ کلام میں بحث کی ہے وہ مرد وعورت کی مکمل مساوات کے قائل نہ تھے کیونکہ قدرت نے دونوں کو جدا جدا خدمتیں تفویض کی ہیں۔ وہ عورت کی ایسی تعلیم کی سفارش کرتے ہیں جو اسے دین کی صحیح روح سے آشنا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آگاہ کر دے اور ایسی تعلیم کے مخالف ہیں جو عورت کو اولاد کی تربیت سے غافل، خانگی امور سے بے پروا اور مذہب سے بدظن کر دے۔ وہ عورت کو شمع انجمن کے بجائے چراغ خانہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں جلوت کے بجائے خلوت میں عورت کے جوہر زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔

مسز ریحانہ آصف کے مضمون ''اقبال کا انسان کامل'' مصنفہ نے اقبال کے تصور انسان کامل کو بیان کیا ہے جو خلافت الٰہیہ کے اسلامی تصور پر مبنی ہے۔ پھر اقبال کے انسان کامل اور نٹشے کے فوق البشر میں فرق کو واضح کیا ہے۔

اقبال کے نزدیک انسان کامل کا نصب العین یہ ہے کہ اس کی ذات میں جلالی اور جمالی

صفات کی موزوں ترکیب موجود ہو اور وہ سوز و گداز زندگی کا رمز شناس ہو۔ اقبال کا مرد مومن انسانیت کا اکمل نمونہ اور ان تمام صفات سے متصف ہے۔ جو تسخیرِ عالم کے لیے ضروری ہیں اس کے ساتھ ہی وہ فقر کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ وہ وقت کا شکار نہیں ہوتا۔ بلکہ وقت کا شکاری ہوتا ہے۔ غرض اقبال کا انسانِ کامل خدا کا نام لیوا، مذہب کا شیدائی، سوز و گداز سے آراستہ صفات انسانی سے پیراستہ بلکہ خود صفات خداوندی سے متصف ہے۔

ذکیہ کا مضمون ''اقبال کا مردِ مومن'' بھی اسی نوعیت کا ہے۔ وہ اس مختصر مضمون میں اقبال کے مردِ مومن کا نمونہ رسولؐ پاک کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود قرار دیتی ہیں اور اقبال کے مردِ مومن کی صفات حق گوئی و بے باکی، فقر، خدا کی ذات پر بھروسا، جلالی اور جمالی صفات اور جذبۂ عشق گنواتی ہیں۔

مسز تسنیم شناور ڈوگرا اپنے مضمون میں اقبال کے فلسفۂ تعلیم پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اقبال مغربی تہذیب، مغربی تعلیم اور خصوصاً فرنگی تعلیم سے سخت مایوس تھے۔ وہ اپنی قوم کے لیے ایسی تعلیم کے حق میں تھے کہ جو اہلِ دانش ہی نہیں اہلِ نظر بھی پیدا کرے کیونکہ ان کے نزدیک مغربی حکمت محض تیغ کارزاری ہے جس میں آزادیِ افکار تو ہے مگر فکر و تدبر سے عاری اور فکر و تدبر کے سلیقے کے بغیر افکار کی آزادی انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ ہے۔ اقبال تعلیم کا مقصد نگاہ شوق و ولولہ شوق پیدا کرنا سمجھتے ہیں کیونکہ جستجو اور آرزو کے بغیر علم بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

ثریا بانو کا مضمون ''اقبال کی غزل گوئی'' میں مصنفہ بیان کرتی ہے کہ اقبال نے غزلیں کم اور نظمیں کثرت سے کہی ہیں۔ ان کی غزلوں کا بہترین حصہ بالِ جبریل میں ملتا ہے اگرچہ بانگِ درا کی غزلیں بھی بلند مقام رکھتی ہیں۔ اقبال نے غزل کو وسعت دے کر یہ ثابت کیا کہ غزل میں صرف حسن و عشق کے ہی مضامین ادا نہیں ہو سکتے بلکہ سیاسی اور تہذیبی موضوعات کو بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔ ان کی شاعری میں خودی کو بلند کرنے، جدوجہد اور سعی پیہم کا سبق جگہ جگہ ملتا ہے۔

مبارکہ انجم سراج نے اپنے مضمون میں اقبال کی تمثال کاری کو موضوع بنایا ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ اقبال کے ہاں موزونیِ طبع ان کے شاعرانہ مزاج سے پوری مطابقت کے ساتھ ملتی ہے اس کا ایک روپ ان کی تمثال کاری میں ملتا ہے۔ مصنفہ نے اقبال کی تمثال کاری اور نادر تشبیہات کی ان کے کلام سے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

> یہ کہنا بجا ہوگا کہ اقبال نے تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کو ایسے خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے کہ اس تمثال کاری سے اُردو ادب کی ثروت میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔ اقبال کی نظر میں ان کی ہمہ گیری اور آفاقیت نے ان کی تمثال کاری کو صوری و معنوی اعتبار سے ہمہ گیر بنایا ہے۔ درحقیقت اقبال نے اُردو شاعری کو ایسا اسلوب و آہنگ دیا جو آج تک اُردو ادب کو کوئی شاعر نہ دے سکا۔ [۱۲]

مس فیض بتول بخاری اپنے مضمون ''رومی و اقبال'' میں بتلاتی ہیں کہ اقبال کی زندگی پر مولانا روم کی مثنوی نے گہرا اثر ڈالا، اقبال مولانا روم کی قرآنی تعلیمات سے سرشار ہو کر قدم قدم پر مولانا روم کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کرتے ہیں۔ فکرِ اقبال کے ماخذ میں رومی کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ نیز مولانا روم اور اقبال میں مشترک قدروں کو بھی مصنفہ نے گنوایا ہے۔

مس عظمیٰ علی، مس آمنہ عنایت اور مس الطاف فاطمہ نے اقبال کی تین نظموں کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان نظموں میں ''گل رنگیں''، ''ساقی نامہ'' اور ''خضر راہ'' شامل ہیں۔ ان میں مس الطاف فاطمہ کا مضمون ''خضر راہ کی ڈکشن ...... علامت اور استعارہ'' بہت اہم ہے۔

مس محسنہ قریشی نے اقبال کے کلام میں طنز و مزاح کے عنصر کو تلاش کیا ہے جبکہ خزینہ کوثر نے ''علامہ صاحب اور رنگ ظرافت'' کے عنوان سے اقبال کی شگفتگیِ طبع اور بذلہ سنجی کے چند مختصر مگر پر مزاح واقعات درج کیے ہیں۔

حصہ انگریزی مضامین میں مس ثریا ظفر کے دو مضامین بعنوان:

A Lady ......A belssing اور Iqbal's view of Holy Quran شامل ہیں۔ پہلا مضمون اقبال کے بچوں کی گورنس اور گھر کی منتظم جرمن خاتون مسز ڈورس احمد کے انٹرویو

مشتمل ہے۔ اس انٹرویو سے اقبال کے گھر اور ماحول کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ مسز ڈورس احمد بعد میں گورنمنٹ اسلامیہ کالج کوپر روڈ، لاہور میں ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر بھی فائز رہیں۔

رفعت آرا قریشی اپنے مضمون "Iqbal's Philosophy of life And death" میں اقبال کے نظریۂ موت اور زندگی پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اقبال کے نزدیک زندگی گرمائش اور حرکت کا نام ہے، زندگی مقاصد سے بھرپور ہے۔ ان کے نزدیک زندگی نہ ختم ہونے والی مسلسل جدوجہد ہے۔

مسز انیس افتخار کے دو مضامین:

"Education in Iqbal's view اور "Glim Pses of Iqbal Through Attiya Faizi"

" شامل کتاب ہیں۔

مصنفہ کا کہنا ہے کہ اب نہ تو عطیہ فیضی زندہ ہیں اور نہ اقبال باقی ہیں۔ مگر عطیہ فیضی کے نام خطوط ان دونوں کے مابین دوستی اور بے تکلفی کے غماز ہیں اور ان خطوط سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال ایک نارمل انسان تھے اور ان کا دل ہماری طرح دھڑکتا تھا۔ یہ بات ہمارے دل میں ان کے لیے زیادہ احترام اور محبت پیدا کرتی ہے۔ اپنے دوسرے مضمون میں انھوں نے اقبال کے خیالات تعلیم کے بارے میں بیان کیے ہیں۔ اقبال کے نزدیک تعلیم درست سمت میں ترقی و آگاہی کا نام ہے۔ یوں خواتین کے مضامین اقبال کے فکر و فلسفہ کی کسی نہ کسی جہت کو اُجاگر کرتے ہیں۔

اقبال [۱۷]

کتاب اقبال مرتبہ شیما مجید کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ناشر کی طرف سے ''چند باتیں'' اور پھر کتاب کی مرتبہ کے پیش لفظ درج ہیں۔

اس کتاب کا منصوبہ اور خاکہ ناشر محمد جمیل النبی کے ذہن میں تھا۔ انھوں نے فیض کے ہمدم دیرینہ اور مزاج شناس مرزا ظفر الحسن کو کراچی خط لکھا۔ انھوں نے بے حد حوصلہ افزا

جواب دیا۔ اس کتاب میں اس خط کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس جوابی خط سے نہ صرف اس کام کے ضمن میں ان کی معاونت پر آمادگی کا اظہار ہوا بلکہ بہت خوبصورت تحریر پر مبنی اس خط سے فیض سے ان کے ارتباط و تعلق خاطر کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

اقبال کے فکر و فن پر جس قدر کتابیں تصنیف و تالیف ہوئی ہیں وہ عموماً تین سلسلوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے سلسلے میں ان مصنفین کی کتابیں ہیں جنھوں نے اقبال کے فکر و فن پر بحیثیت مجموعی یا اقبال کے کسی ایک فکری یا علمی پہلو کو موضوع بنا کر کام کیا۔ دوسرے سلسلے میں وہ کتب آتی ہیں جو بعض مصنفین کے اقبال پر متفرق مضامین و مقالات پر مشتمل مجموعوں کی صورت میں شائع ہوئی ہیں۔ اقبالیات میں تیسرا سلسلہ ان کتابوں سے قائم ہوا ہے جو اُردو کے کئی ایک مرحوم نامور ادیبوں اور ناقدروں کے اقبال پر مضامین کو مرتب و مدون کر کے شائع کی گئی ہیں۔

یہ کتاب فیض احمد فیض کے ۷ مضامین، کتاب روز گـــار فـقیـــر پر لکھے گئے مقدمے، اقتباسات، دو نظموں اور دو انگریزی مضامین پر مشتمل ہے۔ فیض کے انگریزی میں لکھے گئے دو مضامین کا اُردو ترجمہ اُردو مضامین میں دے دیا گیا ہے۔ ایک مضمون کا ترجمہ سجاد باقر رضوی نے کیا ہے جو نقـوش لاہور میں شائع ہوا تھا۔ دوسرے مضمون کا ترجمہ کتاب کی مرتبہ کے کہنے پر شاہد علی نے کیا ہے۔ مرتبہ لکھتی ہیں:

> راقم الحروف یہ وضاحت ضروری خیال کرتی ہے کہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا محرک جذبہ فیض صاحب کے اقبال کے بارے میں خیالات کو یکجا دیکھنے کی خواہش کے علاوہ اقبال شناسوں کو اس ضرورت کی طرف متوجہ کرنا بھی ہے، جس کا فیض صاحب نے ان مضامین میں احساس دلایا ہے فیض صاحب کے خیال میں اقبال کے فکر و فلسفہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس باب میں اب بیشتر اعادہ و تکرار کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ فیض صاحب کے نزدیک اقبال کے فن پر کماحقہ توجہ نہیں دی گئی اور اقبال کی نظر سے اقبال کا مطالعہ (بھی) کسی نے نہیں کیا۔ [۱۸]

بظاہر اقبال اور فیض کے نظریات میں بڑا تفاوت ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ فیض اقبال کی

انقلابی قدر سے بڑے مسحور تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فیض آخر تک اقبال کی عظمتِ فکر کے قائل رہے۔ کلامِ اقبال میں دلچسپی کے علاوہ اقبال پر نقد ونظر کے باب میں جو کچھ شائع ہوتا رہا ہے وہ بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہا۔ وہ اقبال کی ذات کے ایک مکمل اور بھر پور مطالعہ کے متمنی تھے۔

فیض کے ان تمام مضامین کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کی ان بنیادی جذباتی کیفیتوں کے حوالے سے جو اقبال کے اشعار میں منعکس ہوتی تھیں، فیض نے اقبال کی ذات کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ فیض کا کہنا یہ تھا کہ اقبال مرحوم ہمارے دور کی سب سے اہم اور سب سے عظیم المرتبت ادبی شخصیت تھے۔

اس کتاب میں سیّد سبطِ حسن کے شیما مجید کے نام لکھے گئے خطوط کا عکس بھی شامل ہے۔

پہلے مضمون ''فن اور حصارِ فکر'' میں فیض اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اقبال پر جو بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں وہ قریباً سب کی سب یا تو ان کے پیام، فلسفے اور فکر سے متعلق ہیں یا ان کی ذات اور سوانح کے بارے میں ہیں۔ ایسی کوئی کتاب نہیں کہ جس میں ان کے شعر کے محاسن اور خصوصیات بیان کی گئی ہوں۔

فیض بیان کرتے ہیں کہ اقبال کے پورے کلام کے مطالعہ سے اوّلین تاثیر یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایک مسلسل سفر اور مسلسل جستجو ہے۔ اس سفر اور اس جستجو میں ان کے ذہن نے جو جو منازل طے کی ہیں انھی کی مناسبت اور انھی کے تقاضوں سے ان کے اشعار کی لغت، پیرایہ اور ان کی ہیئت بھی بدلتی رہی ہے۔

فیض دوسرے مضمون کا عنوان اقبال کے شعر سے اخذ کرتے ہوئے سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو کو اقبال کی جذباتی کیفیت کے مختلف پہلو قرار دیتے ہیں، جو اقبال کے سارے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اقبال کے فکر و نظر کی کوئی منزل اور قول و شعر کا کوئی دور اس سے خالی نہیں۔ پھر وہ کلامِ اقبال کے پہلے دور کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس دور میں سوز و ساز اور درد و داغ کی کیفیت کا بنیادی پہلو یعنی تنہائی کا احساس ہے اور اس

احساس سے بندھی ہوئی کسی ایسے ہمدم و دمساز کی آرزو ہے جو اس دکھ کا مداوا کر سکے۔ فیض اس دور میں اقبال کی سوز و ساز کی کیفیت، حزن اور تنہائی کے احساس کو صرف انھی سے مخصوص قرار نہیں دیتے بلکہ ابتدائے شباب کی ہمہ گیر داخلی کیفیت گردانتے ہیں۔

ذاتی حزن اور موہوم آرزوؤں کا یہ دور گزر جانے کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب اقبال اپنے افکار کو منظم اور اپنے نظریۂ حیات کو مرتب کر چکتے ہیں۔ فیض سوز و ساز کی اس کیفیت کے دو پہلو گنواتے ہیں ایک ذاتی اور دوسرا نظریاتی، ذاتی پہلو کا ایک عنصر تو تنہائی کا احساس ہے۔ سوز و ساز و درد و جستجو کی جو کیفیت اقبال کی پوری زندگی پر حاوی ہے اس میں ان کے شریک بہت کم ہیں، کچھ اس وجہ سے کہ حیات و کائنات کا جو نظریہ وہ مرتب کر چکے ہیں وہ ابنائے وطن کے لیے اجنبی اور نا قابلِ قبول ہے اور اس کا دوسرا پہلو آرزو و جستجو ہے، لیکن اب یہ آرزو پہلے کی طرح موہوم اور غیر معین نہیں۔ اب اس جستجو کا مقصد ایک عینی ذات، ایک مکمل لازوال اور پابندیِ خودی ہے۔

نظریاتی پہلو سے دیکھا جائے تو اقبال کے نظریۂ حیات کا پہلا کلیہ یہ ہے کہ انسانی خودی کا مستقل لامحدود ہے، ارتقا کی منزل و منتہا کوئی نہیں لہٰذا ارتقا کی ہر منزل کے بعد اگلی منزل کی جستجو لازمی ہے۔ اس لیے ہر وصال میں فراق اور ہر تکمیل میں تشنگی ہے۔ یہی مسلسل حرکت اور لازوال تشنگی، پیہم جستجو اور سوز و ساز وہ چیز ہے جو انسان کو باقی کائنات سے ممیز کرتی ہے۔ انسان کی خودی لازوال ہے لہٰذا یہ درد و داغ بھی فنا اور موت سے بے نیاز ہیں۔

تیسرے مضمون ''ہماری قومی زندگی اور ذہن پر اقبال کے اثرات'' میں سر سیّد تحریک کے دائرے کو اقبال کے افکار کی نسبت محدود قرار دیتے ہوئے فیض ہماری قومی زندگی اور ذہن پر اقبال کے اثرات کی وضاحت کرتے ہیں۔ کلامِ اقبال کے اثرات ہمارے قومی کاروبار، سیاست، اخلاقیات، مذہب اور قومی زندگی پر مرتب ہوئے ہیں۔ پھر اقبال نے لوگوں کے ذہنوں کو غلامی کے سبب پیدا ہونے والے اثرات سے ایک حد تک آزاد کرنے میں مدد دی۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں کا پیغام دیتے ہیں۔ آفاقی طریقہ سے

سوچنے کا ڈھب اور اس کی ترغیب اقبال نے ہی ہمارے ہاں پیدا کی۔ فیض اقبال کو ایک ایسا سمندر قرار دیتے ہیں جو چاروں طرف محیط ہو۔ ان کے نزدیک اقبال اپنی ذات میں ایک جامعہ ہیں۔ جن میں طرح طرح کے دبستان موجود ہیں اور طرح طرح کے دبستانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔

چوتھا مضمون فیض کے انگریزی مضمون ''Iqbal...... The Poet'' کا اُردو ترجمہ ہے جو شاہد علی نے کیا ہے۔ اس مضمون میں فیض نے اقبال کے کلام کے فنی پہلو پر گفتگو کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اقبال خود فن برائے فن کے مخالف تھے لہٰذا ان کے فن، ٹکنیک یا دوسرے شعری محاسن کو نفسِ مضمون سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اقبال کے اسٹائل کا ارتقا ان کے فکر کے ارتقا کے متوازی ہے۔ انھوں نے اپنے کلام کو سادگی سے بچانے کے لیے اسم معرفہ، سادہ لیکن غیر مانوس الفاظ، نامانوس بحروں کو اپنایا، حرف و صوت اور ہم آہنگ الفاظ کا اہتمام بھی سے قبل نظر نہیں آتا۔

اس کے علاوہ فیض کے مضامین ''اقبال اپنی نظر میں''، ''فکر اقبال کی ارتقائی منزلیں''، انگریزی مضمون کے اُردو ترجمہ ''محمد اقبال'' سیّد وحید الدین فقیر کی تصنیف پر لکھا گیا ''پیش لفظ'' اور فیض کے کچھ اقتباسات جستہ جستہ کے عنوان سے اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ یہ اقتباسات روزنامہ جنگ لاہور، نوائے وقت فیض کی تنقیدی مضامین پر مشتمل تصنیف میزان اور اُردو ڈائجسٹ سے لیے گئے ہیں۔ اقتباسات میں دو انٹرویوز، ایک عبارت اور دوسرا الطاف حسن قریشی کو دیا گیا شامل ہیں۔

مرتبہ نے فیض کی اقبال پر دو نظمیں بھی اس کتاب میں شامل کی ہیں۔ ان میں سے ایک نظم ایسی ہے جو فیض کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہے۔

علامہ اقبال (افکار و خیالات) [19]

تسنیم کوثر گیلانی اور مصباح الحق صدیقی نے اقبال کے جشن صد سالہ کے سلسلے میں اقبال پر لکھے گئے مضامین پرانے اخبارات و رسائل سے مرتب کر کے کتابی شکل میں پیش کیے

ہیں۔ اس کتاب کے مقدمہ میں خواجہ عبدالرشید لکھتے ہیں:

> مصباح الحق صدیقی اور تسنیم کوثر گیلانی کی یہ پیش کش قابلِ تحسین ہے۔ انھوں نے اقبال کے صد سالہ جشن میں اس کی اشاعت سے ایک قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ [20]

اس کتاب میں کل سترہ مضامین شامل ہیں۔ مرتبین کے دو مضامین کے علاوہ جگن ناتھ آزاد، خواجہ عبدالرشید، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، غلام جیلانی برق، قائداعظم محمد علی جناح، رشید شیدائی، حکیم محمد حسن قریشی، محمد سرور، محمد ولایت علی خان، مشفق خواجہ، ممتاز حسن، وحید قریشی اور سیّد یونس شاہ کے مضامین شامل ہیں۔

ایک مضمون ''سودیشی تحریک اور راہبران اسلام'' اقبال کا بہت نایاب مضمون ہے یہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

عرفانِ اقبال [21]

پروفیسر آل احمد سرور نے اقبال کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس کا ثبوت عرفانِ اقبال کی حامل وہ عالمانہ تحریریں ہیں جو وقتاً فوقتاً آل احمد سرور کے معجز رقم قلم سے اقبال کے فکر و فن پر نکلیں اور جواب کتابی صورت میں یکجا منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔

آل احمد سرور کی یہ نگارشات اپنی دانش و معنویت، اپنے رچے ہوئے تہذیبی اور ادبی مذاق اور اپنے پرکار اور جاندار اسلوب کی بنا پر ہمیشہ زندہ رہنے والی تحریریں ہیں۔ کتاب کی مرتبہ زہرا معین اس ضمن میں لکھتی ہیں:

> سرور صاحب کے ان مضامین کے مطالعے سے ہمیں اقبال کے پیغام کی روح تک پہنچنے، ان کی شخصیت کے خط و خال کو پرکھنے اور ان کے فن کے رمز و ایما سے آشنا ہونے میں مدد ملتی ہے اور بحیثیت مجموعی اقبال کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ [22]

مرتبہ نے کتاب کے آغاز میں آل احمد سرور کی حیات کا بیک نظر جائزہ بھی پیش کیا ہے

جس سے ان کی حیات، تعلیم، معروفیات، تصانیف اور مرتبات کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اقبال پر بہت زیادہ نہیں لکھا مگر اقبال پر ان کے ان تھوڑے سے مضامین کی مجموعی اہمیت و افادیت کسی مستقل کتاب سے کم نہیں ہے۔

دو ضمیموں کی صورت میں توضیحی حواشی کے ساتھ پروفیسر آل احمد سرور کے نام اقبال کا ایک گرامی نامہ اور اقبال کی یاد میں سرور کی ایک نظم بھی شامل کتاب کی گئی ہے۔

مرتبہ کی یہ کاوش قابل قدر کر ہے کہ اُردو کے نقاد آل احمد سرور کے اقبال پر تحریر کیے گئے تنقیدی مضامین منظر عام پر آ گئے۔ اقبال کے ضمن میں یہ مضامین ہماری معاونت کریں گے۔

اقبال بڑا اُپدیشک [۴۳]

شمیم حیات سیال نے بڑے سلیقے، قرینے اور عمدگی سے اقبال سے متعلق ایسی بہت سی نمائندہ یادوں کا ایک دلآویز مرقع پیش کیا ہے۔ جن کے حوالے سے اقبال کی شخصیت کی بہت سی اہم پرتیں کھل جاتی ہیں۔ اقبال سے محبت کرنے والے اقبال کی زندگی کے جیتے جاگتے ان لمحات سے بھی تعارف حاصل کر لیتے ہیں، جو ان بے شمار خوش قسمت افراد کے ذہنوں میں محفوظ ہیں جنھیں اس نابغہ شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

اقبال کی زندگی کی یہ لفظی تصویریں کسی فرد واحد کی قلمی کاوش کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس میں کم و بیش اقبال پر کام کرنے والے سبھی واجب الاحترام بزرگ شامل ہیں۔ اس سے کتاب کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب کے ''تعارف'' میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی مرتبہ کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> عزیزہ شمیم نے اس مجموعے کو ترتیب دیتے ہوئے رد و اختیار کا ایک کٹھن مرحلہ بڑے ہی حزم و احتیاط کے ساتھ مگر بڑی ہی کامیابی سے طے کیا ہے۔ اقبالیات کے سمندر کی غواصی اور وہ بھی ایک خاص نقطۂ نظر سے کہ صدف تلاش کر کے لایا جائے، جانکاہی کا متقاضی ہے۔ عزیزہ شمیم نے اقبال سے متعلق معنی خیز یادوں کے موتیوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہمارے سامنے لا رکھا ہے۔ اقبال بڑا اپدیشک میں اقبالیات کے افق پر یادوں کی ایک دھنک ہے جو ہماری توجہ کو بے اختیار اپنی جانب

> جذب کر رہی ہے۔ [۴۴]

کتاب کی مرتبہ نے مختلف کتب، خطوط اقبال کے مجموعوں اور مختلف رسائل و جرائد میں سے حیاتِ اقبال کے کل ۱۵۳ مرقعے منتخب کر کے اس کتاب میں جمع کر دیے ہیں۔ جو حیاتِ اقبال کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔ ان میں اقبال کی ذاتی زندگی، شخصیت و کردار، سیرت اور خیالات کی جھلکیاں بھی دستیاب ہیں اور ان کی پیغمبرانہ اور فلسفیانہ شخصیت و افکار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور بعض مرقعوں سے اقبال کی بذلہ سنجی، ظرافت اور حسِ مزاح کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

کتاب کے شروع میں یوسف حسین خاں، مولانا مودودی اور قائداعظم کی اقبال کی شخصیت کے مختلف گوشوں سے متعلق آرا درج کی گئی ہیں۔ جن سے ان کے ذہن اور زندگی کی وسعت، طبیعت کی ہمہ گیری، قرآن مجید سے بے پناہ دلچسپی اور عقیدت، تعلیمات اسلام کی پیروی اور اسلام کے اصولوں پر غیر متزلزل یقین کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

اس کتاب میں زیادہ تر خلیفہ عبدالحکیم، خالد نظیر صوفی، جاوید اقبال، عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، محمد طاہر فاروقی، خواجہ عبدالحمید، عاشق بٹالوی، عطیہ بیگم، میاں ایم اسلم، سید وحید الدین فقیر، رشید احمد صدیقی، مولانا مودودی، عبداللہ قریشی، سر عبدالقادر، حمید احمد خاں، غلام جیلانی برق اور عبدالسلام ندوی کے بیان کیے گئے مرقعے درج کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب کی مرتبہ نے اقبال کے عطیہ فیضی بیگم، غلام بھیک نیرنگ، ظفر احمد صدیقی، عبدالرب نشتر، ریاض الحسن، انشاء اللہ خاں، عباس علی اور سر راس مسعود کے نام لکھے گئے خطوط سے اقبال کی شخصیت کے دلچسپ اور فکر خیز خیالات و واقعات پر مشتمل مرقعے مختصر اقتباسات کی صورت میں منتخب کر کے اس کتاب میں جمع کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اقبال کے خطبات و تقاریر اور ملفوظات وغیرہ سے بھی اقتباسات جمع کیے گئے ہیں۔ مگر تحقیقی و تنقیدی حوالے سے اس پر شمیم سیال کا اپنا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔

جس سے ان کی حیات، تعلیم، مصروفیات، تصانیف اور مرتبات کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اقبال پر بہت زیادہ نہیں لکھا مگر اقبال پر ان کے ان تھوڑے سے مضامین کی مجموعی اہمیت و افادیت کسی مستقل کتاب سے کم نہیں ہے۔

دو ضمیموں کی صورت میں توضیحی حواشی کے ساتھ پروفیسر آل احمد سرور کے نام اقبال کا ایک گرامی نامہ اور اقبال کی یاد میں سرور کی ایک نظم بھی شامل کتاب کی گئی ہے۔

مرتبہ کی یہ کاوش قابل قدر ہے کہ اردو کے نقاد آل احمد سرور کے اقبال پر تحریر کیے گئے تنقیدی مضامین منظر عام پر آ گئے۔ اقبال کے ضمن میں یہ مضامین ہماری معاونت کریں گے۔

اقبال بڑا اُپدیشک [۲۳]

شمیم حیات سیال نے بڑے سلیقے، قرینے اور عمدگی سے اقبال سے متعلق ایسی بہت سی نمائندہ یادوں کا ایک دلآویز مرقع پیش کیا ہے۔ جن کے حوالے سے اقبال کی شخصیت کی بہت سی اہم پرتیں کھل جاتی ہیں۔ اقبال سے محبت کرنے والے اقبال کی زندگی کے جیتے جاگتے ان لمحات سے بھی تعارف حاصل کر لیتے ہیں، جو ان بے شمار خوش قسمت افراد کے ذہنوں میں محفوظ ہیں جنھیں اس نابغہ شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

اقبال کی زندگی کی یہ لفظی تصویریں کسی فرد واحد کی قلمی کاوش کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس میں کم و بیش اقبال پر کام کرنے والے سبھی واجب الاحترام بزرگ شامل ہیں۔ اس سے کتاب کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب کے ''تعارف'' میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی مرتبہ کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> عزیزہ شمیم نے اس مجموعے کو ترتیب دیتے ہوئے رد و اختیار کا ایک کٹھن مرحلہ بڑے ہی حزم و احتیاط کے ساتھ مگر بڑی ہی کامیابی سے طے کیا ہے۔ اقبالیات کے سمندر کی غواصی اور وہ بھی ایک خاص نقطہ نظر سے کہ صدف تلاش کر کے لایا جائے، جانکاہی کا متقاضی ہے۔ عزیزہ شمیم نے اقبال سے متعلق معنی خیز یادوں کے موتیوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہمارے سامنے لا رکھا ہے۔ اقبال بڑا اپدیشک میں اقبالیات کے افق پر یادوں کی ایک دھنک ہے جو ہماری توجہ کو بے اختیار اپنی جانب

جذب کر رہی ہے۔ [۲۴]

کتاب کی مرتبہ نے مختلف کتب، خطوط اقبال کے مجموعوں اور مختلف رسائل و جرائد میں سے حیات اقبال کے کل ۱۵۳ مرقعے منتخب کر کے اس کتاب میں جمع کر دیے ہیں۔ جو حیات اقبال کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔ ان میں اقبال کی ذاتی زندگی، شخصیت و کردار، سیرت اور خیالات کی جھلکیاں بھی دستیاب ہیں اور ان کی پیغمبرانہ اور فلسفیانہ شخصیت و افکار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور بعض مرقعوں سے اقبال کی بذلہ سنجی، ظرافت اور حس مزاح کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

کتاب کے شروع میں یوسف حسین خاں، مولانا مودودی اور قائد اعظم کی اقبال کی شخصیت کے مختلف گوشوں سے متعلق آرا درج کی گئی ہیں۔ جن سے ان کے ذہن اور زندگی کی وسعت، طبیعت کی ہمہ گیری، قرآن مجید سے بے پناہ دلچسپی اور عقیدت، تعلیمات اسلام کی پیروی اور اسلام کے اصولوں پر غیر متزلزل یقین کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

اس کتاب میں زیادہ تر خلیفہ عبدالحکیم، خالد نظیر صوفی، جاوید اقبال، عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، محمد طاہر فاروقی، خواجہ عبدالحمید، عاشق بٹالوی، عطیہ بیگم، میاں ایم اسلم، سید وحید الدین فقیر، رشید احمد صدیقی، مولانا مودودی، عبداللہ قریشی، سر عبدالقادر، حمید احمد خاں، غلام جیلانی برق اور عبدالسلام ندوی کے بیان کیے گئے مرقعے درج کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب کی مرتبہ نے اقبال کے عطیہ فیضی بیگم، غلام بھیک نیرنگ، ظفر احمد صدیقی، عبدالرب نشتر، ریاض الحسن، انشاء اللہ خاں، عباس علی اور سر راس مسعود کے نام لکھے گئے خطوط سے اقبال کی شخصیت کے دلچسپ اور فکر خیز خیالات و واقعات پر مشتمل مرقعے مختصر اقتباسات کی صورت میں منتخب کر کے اس کتاب میں جمع کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اقبال کے خطبات و تقاریر اور ملفوظات وغیرہ سے بھی اقتباسات جمع کیے گئے ہیں۔ مگر تحقیقی و تنقیدی حوالے سے اس پر شمیم سیال کا اپنا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔

اقبال غیر مسلموں کی نظر میں [۲۵]

یہ کتاب ان مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ جو غیر مسلموں نے اقبال کی شخصیت اور شاعری پر مختلف اوقات میں لکھے۔ اس کتاب میں جن غیر مسلموں کے اقبال پر لکھے گئے مضامین شامل ہیں۔ ان میں رام بابو سکسینہ، مالک رام، نکلسن، نرسمھے رام جوہر، سرمالکم ڈارلنگ، سردار گوربچن سنگھ، ہنس راج رتن، مہاراجہ سرکشن پرشاد، رش برک ولیمز، پروفیسر م۔ت۔ استیاس، بوسانی، رابندر ناتھ ٹیگور، تلوک چند محروم، کلدیپ کوردیپ، این میری شمل، جگن ناتھ آزاد اور سرتیج بہادر سپرو ہیں۔

اس کتاب میں کل ۲۱ مضامین شامل ہیں۔ ان میں نکلسن، بوسانی، این میری شمل اور جگن ناتھ آزاد کے مضامین نمایاں ہیں۔ اس کتاب کا اقبالیات میں اقبال شناسی کے حوالے سے کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ مرتبین نے اقبال شناسوں کی صف میں شمولیت کی خاطر کچھ ایسے نامور مصنفین کے مضامین مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کیے ہیں جو غیر مسلم ہیں۔

عکس اقبال [۲۶]

اس کتاب میں ۱۹ مقالات شامل ہیں۔ اقبال کی تقریباً تمام تصانیف نظم ونثر کا ایک مختصر سی کتاب میں تنقیدی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اقبال کی اُردو اور فارسی زبان میں شاعری کی دس کتابوں بانگِ درا، پیامِ مشرق، جاوید نامہ، ضربِ کلیم، بالِ جبریل، پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مثنوی مسافر، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، زبورِ عجم، ارمغانِ حجاز اور ان کے علاوہ اقبال کے انگریزی خطبات پر مقالات تحریر کیے ہیں۔

''پیش لفظ'' کے بعد کتاب میں ''علامہ اقبال سوانح اور پس منظر''، ''ابتدائی اُردو کلام''، ''حکیم مشرق''، ''اقبال اور اقوام مشرق''، ''عالم مشرق وغرب...... اقبال کی نظر میں''، ''دانائے راز''، ''تسخیر کائنات''، ''اسلامی روایات''، ''مشکل پسندی'' ''فلسفہ خودی''، ''فلسفہ خودی اور تصورِ ملت''، ''الٰہیت اور عبادت''، ''مذہب کیونکر ممکن ہے''، ''مذہبی تجربے کی ماہیت اور خصوصیات''، ''روحانی تجربے کا منطقی جواز''، ''انسانی شخصیت کی بے پناہ

وقوت''، ''نظریہ اجتہاد''، ''مسلم کلچر'' اور ''شاعر کا خواب'' شامل ہیں۔

تمام مضامین میں اختصار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کہیں سے بھی یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان مقالات میں سے کس قدر مصنفہ کے تحریر کردہ ہیں اور کتنے مضامین مصنف نے لکھے ہیں۔ بہر حال کتاب میں شامل تمام مضامین میں اقبال کے کسی نہ کسی پیغام یا فلسفے کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اقبال کے فلسفیانہ افکار کو آسان اور سہل زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ کتاب کے مندرجات میں وضاحت کر دی جاتی کہ فلاں مضمون مصنفہ کا اپنا تحریر کردہ ہے اور دیگر مضامین مصنف نے تحریر کیے ہیں۔ اس سے زیادہ بہتر طور پر یہ اندازہ ہو جاتا کہ مصنفہ کا اس تصنیف میں کس قدر حصہ ہے۔

خطبات اقبال [۲۷]

رضیہ بانو فرحت نے اقبال کے تمام صدارتی خطبات خطباتِ اقبال میں جمع کر دیے ہیں۔

خطباتِ اقبال اور اقبال کے خطبہ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء، آل انڈیا مسلم کانفرنس اجلاس منعقدہ لاہور ۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء اور ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ پر مشتمل ہے۔

اقبال کی ان تقاریر کا موضوع ملت اسلامیہ کی اصلاح، تعمیر وترقی اور یکجہتی سے متعلق ہے۔

رضیہ بانو فرحت کا مرتب کردہ مجموعہ خطباتِ اقبال نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اقبالیات کے ضمن میں کسی خاتون کی پہلی (مرتب کردہ) کتاب ہے۔ جس میں اقبال کے اہم صدارتی خطبات جمع کیے گئے ہیں۔

☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔ شگفتہ زکریا کی مرتب کردہ کتاب فکرو فنِ اقبال، سنگت پبلشرز، لاہور سے جنوری ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ۔۱۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اقبال شناسوں کے مضامین کے مجموعے پر مبنی ہے۔

۲۔ شگفتہ زکریا، مرتبہ، فکرو فنِ اقبال (لاہور: سنگت پبلشرز، جنوری ۲۰۰۴ء) ۳۔

۳۔ روبینہ ترین اور انوار احمد کی مرتبہ تصنیف خطباتِ اقبال جو ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، شعبہ اُردو سے جولائی ۲۰۰۳ء میں منظرِ عام پر آئی۔

۴۔ روبینہ ترین، انوار احمد، مرتبہ، خطباتِ اقبالیات (ملتان: شعبہ اُردو بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، جولائی ۲۰۰۳ء) ۱۴۰۔

۵۔ سلطانہ مہر کی تصنیف اقبال دورِ جدید کی آواز ا، ادارۂ تحریر، کراچی سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔

۶۔ سلطانہ مہر، اقبال دورِ جدید کی آواز، (کراچی: ادارۂ تحریر، ۱۹۹۷ء) ۱۳۵۔

۷۔ سلطانہ مہر، اقبال دورِ جدید کی آواز، ۱۳۷۔

۸۔ زیب النساء بیگم کی مرتب کردہ کتاب نگارشاتِ اقبال، ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔

۹۔ زیب النساء، نگارشاتِ اقبال، ۹۰-۸۹۔

۱۰۔ زیب النساء، نگارشاتِ اقبال، ۱۲-۱۱۔

۱۱۔ زیب النساء، نگارشاتِ اقبال، ۱۵-۱۴۔

۱۲۔ محمد اقبال، علم الاقتصاد (کراچی: اقبال اکادمی، جون ۱۹۶۱ء) ۲۳۔

۱۳۔ زیب النساء، نگارشاتِ اقبال، ۲۹۔

۱۴۔ زیب النساء، نگارشاتِ اقبال، ۳۱-۳۰۔

۱۵۔ شمیم ملک نے گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین کوپر روڈ، لاہور میں صدرِ شعبۂ اُردو کے عہدے پر فائز تھیں۔ اسی زمانے میں انھوں نے کالج کے مجلّہ محمل میں شائع ہونے والے اقبال پر خواتین کے مضامین کو بے حد کاوش سے اکٹھا کیا اور بزمِ اقبال میں پیش کر دیا۔ ان مضامین کو اکٹھا کرنا آسان نہ تھا۔ محمل میں چھپنے والے مضامین کی فہرست خاصی طویل تھی، مرتبہ نے حجم میں اضافے کے پیشِ نظر انتخاب کرنے کی کوشش کی ہے کہ اچھے و معیاری مضامین کو سامنے لایا جائے۔ چنانچہ بزمِ اقبال لاہور سے ۱۶۰ صفحات

پر مبنی یہ کتاب دسمبر ۱۹۸۸ء میں سامنے آئی۔

۱۶۔ شمیم ملک، مرتبہ، اقبال شناسی اور محمل، ۶۵۔

۱۷۔ شیما مجید نے فیض احمد فیض کے اقبال پر لکھے گئے مضامین کو مرتب کر کے مکتبہ عالیہ لاہور سے پہلی بار ۱۹۸۷ء میں شائع کیا۔ دوسری بار یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

۱۸۔ شیما مجید، مرتبہ، اقبال، ۱۲۔

۱۹۔ تسنیم کوثر گیلانی، مصباح الحق صدیقی کی مرتبہ کتاب، علامہ اقبال (افکار و خیالات) فرحان پبلشرز، لاہور سے ۱۹۸۳ء شائع ہوئی۔

۲۰۔ تسنیم کوثر گیلانی، مصباح الحق صدیقی، مرتبہ: علامہ اقبال (افکار و خیالات) (لاہور: فرحان پبلشرز، ۱۹۸۳ء) ۷۔

۲۱۔ پروفیسر آل احمد سرور کے مضامین کو عرفانِ اقبال کے عنوان سے زہرا معین نے مرتب کر کے تخلیق مرکز، لاہور سے ۱۹۷۷ء میں چھپوایا۔

۲۲۔ پروفیسر آل احمد سرور، مرتبہ، زہرا معین، عرفانِ اقبال، (لاہور: تخلیق مرکز، ۱۹۷۷ء) ۱۶۔

۲۳۔ شمیم حیات کی مرتبہ کتاب اقبال بڑا اُپدیشک، آئینہ ادب، لاہور سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔

۲۴۔ شمیم حیات سیال اقبال بڑا اُپدیشک (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۷ء) ۱۱

۲۵۔ شمیم حیات سیال اور اُن کے والد محمد حیات سیال نے مل کر مختلف غیر مسلم اسکالرز کے اقبال کی شخصیت اور شاعری پر لکھے گئے مضامین کو مرتب کر کے اقبال غیر مسلموں کی نظر میں کے عنوان سے لاہور مکتبہ شاہکار سے ۱۹۷۷ء میں شائع کرایا۔

۲۶۔ لطیفہ خانم صدیقی اور محمد عظیم ملک کی کتاب عکسِ اقبال، ۲۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ مکتبہ میری لائبریری لاہور سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔

۲۷۔ رضیہ بانو فرحت کی مرتبہ کتاب خطباتِ اقبال، حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی سے اپریل ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

جامعات میں خواتین کی اقبال شناسی
(مقالات کی فہرست بہ حروف تہجی)

تعارف:

ماقبل اقبال شناسی کے میدان میں خواتین کی طبع شدہ و مرتبہ تصانیف کا تعارف دیا جا چکا ہے ۔اب جامعات میں خواتین کی اقبال شناسی کے عنوان کے تحت ایم ۔اے ،ایم فل ، پی ایچ ۔ڈی اور ڈی لٹ کے مقالات کی فہرست پیش کی گئی ہے ۔اس فہرست کی تیاری میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کی کتاب جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ ایک جائزہ ،لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ،طبع اول ،۱۹۷۷ء اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی مرتبہ جامعات میں اُردو تحقیق ،مطبوعہ اسلام آباد: ہائر ایجوکیشن کمیشن ،۲۰۰۰ء سے مدد لی گئی ہے۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے اپنی کتاب میں اقبال شناسی کے حوالے سے خواتین کے مقالات کو مقالہ نگار، مضمون اور ایم ۔اے ،ایم فل ، پی ایچ ۔ڈی اور ڈی لٹ کے تحت علیحدہ علیحدہ درجوں میں درج کیا ہے ۔تمام مقالات کے مکمل حوالے درج کیے ہیں تاہم اگر کوئی مقالہ اب دستیاب نہیں یا پرائیویٹ امیدوار کے طور پر تحریر کیا گیا ہے تو حاشیے میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے ۔جبکہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اقبال شناسی کے حوالے سے تمام مقالات کا اندراج اقبالیات کے ضمن میں سوانح اقبال ، اقبال اور شخصیات ، اقبال شناس، اقبال اور تصانیف کی تحریں ، اقبالیاتی ادب جائزے اور تجزیے، حوالہ جاتی مقالات ، اقبالیاتی ادارے ، علاقائی جائزے ، اقبال کی غزل ، اقبال کا فن ، اقبالیاتی کتابوں اور جرائد کا جائزہ ، اقبال کے افکار و تصورات کے عنوانات کے تحت مختلف حصوں میں کیا ہے اور حاشیہ میں ایم ۔اے ،ایم فل ، پی ایچ ۔ڈی ، ایم لٹ ، ڈی لٹ ، ڈی فل زیر تحقیق مقالات کے لیے علامات ظاہر کی گئی ہیں ۔کہیں مقالہ نگاروں کے ناموں کی الفبائی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے اور کہیں شخصیات ، اقبال شناسوں اور اداروں کے ناموں کی الفبائی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں جو مقالات کی فہرست دی گئی ہے اسے بالترتیب ایم ۔اے ،ایم فل ، پی

ایچ ۔ڈی اور ڈی لٹ پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ہر حصے میں مقالہ نگاروں کے ناموں کی الف بائی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے ۔جو مقالات کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں حاشیے میں ان کی وضاحت کر دی ہے۔

مقالات برائے ایم ۔اے

۱۔ ابرالنساء ۔مصطلاحات "جاوید نامہ" ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۴ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر سید محمد اکرم]

۲۔ اختر سلطانہ ،سیدہ ۔مکالمات اقبال کا تجزیہ ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۰ء۔
[زیر نگرانی: سید وقار عظیم]

۳۔ افسرہ ،بلقیس جمال ۔ضرب کلیم اور ارمغان حجاز کے موضوعات کا تنقیدی تجزیہ ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۵ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر وحید قریشی]

۴۔ افسرہ ،بلقیس جمال، "Iqbal's theory of knowledge and its implications for education" ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۷ء[زیر نگرانی: ڈاکٹر ممتاز احمد بھٹی]

۵۔ امتیاز بانو ۔اقبال کا تصور دوام ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۲ء۔[زیر نگرانی: نعیم احمد]

۶۔ انور سلطانہ ۔اقبال کی فنی ترکیب ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۴ء۔[زیر نگرانی: سید وزیر الحسن عابدی]

۷۔ برجیس جہاں ۔اقبال اور ہندوستان ۔بھوپال: سیفیہ کالج ،بھوپال یونیورسٹی،۱۹۷۴ء۔
[زیر نگرانی: عبدالقوی دسنوی]

۸۔ تابندہ نذیر ۔اقبال اور تہذیب مغرب ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۱ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۹۔ تسنیم فردوس ۔اقبال اور افغانستان ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۴ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ]

۱۰۔ ثمینہ ناز ۔'اقبال ریویو' کی وضاحتی فہرست (جنوری ۱۹۶۸ء ۔اکتوبر ۱۹۷۵ء) ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۵ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۱۲۔ حذاقت آراء ۔عورت ۔ اقبال کی نظر میں ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۲ء۔

[زیرنگرانی: علاء الدین صدیقی]

۱۳۔ حریت ناصر۔اقبال کی امیجری۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۸ء۔[زیرنگرانی: سیّد وقار عظیم]

۱۴۔ حسن بانو۔اقبال کے افکار و نظریات خطوط کے آئینے میں۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۳ء ۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۱۵۔ حسینہ شیخ۔"concept of perfect man in Iqbal"۔کراچی: کراچی یونیورسٹی۔س ن۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر محمد محمود احمد]

۱۶۔ حمیدہ ملک۔اقبال کی اُردو غزل۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء۔[زیرنگرانی: سیّد وقار عظیم]

۱۷۔ حمیدہ نجم۔اقبال کے سیاسی نظریات۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء۔[زیرنگرانی: امان اللہ خاں]

۱۸۔ خالدہ انصاری۔بانگِ درا کی تلمیحات۔حیدرآباد: سندھ یونیورسٹی، ۱۹۶۵ء۔۱۹۶۶ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں]

۱۹۔ خالدہ بہار۔"Iqbal on time"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۸ء۔[زیرنگرانی: خواجہ غلام صادق]

۲۰۔ خانم، فرزانہ فہیم۔اقبال اور اجتہاد۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۸ء۔[زیرنگرانی: بشیر احمد صدیقی]

۲۱۔ خدیجہ۔اقبال کی شاعری کا فنی پہلو۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۶ء۔
[زیرنگرانی: سیّد وقار عظیم]

۲۲۔ راشدہ شیخ۔اقبال اور فرنگیت۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر عبیداللہ خاں]

۲۳۔ رفعت علی خاں۔اقبال بحیثیت شاعرِ مشرق۔حیدرآباد: سندھ یونیورسٹی، ۱۹۵۶ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں]

۲۴۔ رفعت یعقوب۔اقبال کے معاشی نظریات۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۵ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر رفیق احمد]

۲۵۔ ریحانہ نسرین دارا۔کلامِ اقبال میں تاریخی شخصیتیں۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء۔
[زیرنگرانی: سیّد وقار عظیم]

۲۶۔ زاہدہ نزہت۔ وضاحتی فہرست سہ ماہی "اقبال" (جولائی ۱۹۵۲ء۔اکتوبر ۱۹۵۹ء) لاہور:
پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء

۲۷۔ زرینہ احمد علی۔اقبال اور مناظرِ فطرت۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۴ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر سیّد عبداللہ]

۲۸۔ زہرہ رحمٰن۔اقبال اور مسلم مفکرین۔حیدرآباد: سندھ یونیورسٹی، ۱۹۶۸ء۔۱۹۶۷ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں]

۲۹۔ زرین اختر زیدی۔وضاحتی فہرست سہ ماہی "اقبال" (جنوری ۱۹۶۰ء۔اپریل ۱۹۶۷ء)۔لاہور:
پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار]

۳۰۔ سعادت سلطانہ۔اقبال کے اُردو کلام میں طنز و مزاح۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۴ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۳۱۔ سلیقہ خاتون۔اقبال کی شاعری میں فرد اور جماعت کا تصور۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی،
۱۹۶۷ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار]

۳۲۔ شائستہ خانم۔اقبال کے افکار و نظریات ملفوظات کے آئینے میں۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی،
۱۹۷۵ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۳۳۔ شکیلہ نور جہاں۔بانگِ درا کا تنقیدی تجزیہ۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۳ء۔
[زیرنگرانی: سیّد وقار عظیم]

۳۴۔ شمس النساء۔اقبال کی شاعری میں رومانیت۔جموں و کشمیر: ۱۹۶۶ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر شکیل الرحمٰن]

۳۵۔ شمیم ملک۔اقبال کی قومی شاعری۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۰ء۔[زیرنگرانی: سیّد وقار عظیم] لے

۳۶۔ شہناز ہرل۔اقبال کا تصورِ خدا۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء۔[زیرنگرانی: خواجہ غلام صادق]

۳۷۔ شیریں پروین، سیدہ۔اقبال۔بالِ جبریل کی روشنی میں۔کراچی: کراچی یونیورسٹی ۱۹۷۶ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر فرمان فتح پوری]

۳۸۔ صفورا سلطانہ۔مکاتیبِ اقبال کا فکری و فنی پہلو۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر سیّد عبداللہ]

۳۹۔ طاہرہ عطا۔مثنوی اسرارِ خودی کا تنقیدی مطالعہ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۴۰۔ طاہرہ نسیم۔ "The Metaphysical concept of Evolution in
Miskawaih, Rumi and Iqbal"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء۔
[زیرنگرانی: خواجہ غلام صادق]

۴۱۔ عاصمہ فرحت۔اقبال کے اُردو کلام میں اسلامی تلمیحات۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،

۱۹۷۰ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر عبید اللہ خاں]

۴۲۔ عائشہ ضیاء۔ "The concept of individuality in iqbal and Kierkegaard"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء۔[زیر نگرانی: نعیم احمد]

۴۳۔ عذرا سلطانہ۔اقبال کے سیاسی نظریات۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۶ء۔[زیر نگرانی: سید وقار عظیم]

۴۴۔ عذرا نسرین۔ "Iqbal's defence of religion"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۸ء۔[زیر نگرانی: خواجہ غلام صادق]

۴۵۔ عصمت افزاء۔اقبال کے نظامِ فکر میں عورت کا کردار۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۰ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر وحید قریشی]

۴۶۔ فاخرہ شیرازی۔ "A comparative study of Nietzsche's perfect man"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۷ء[زیر نگرانی: وحید اللہ وائن، عبد الخالق]

۴۷۔ فاخرہ گیلانی۔ کلامِ اقبال میں رومانی عناصر۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۵ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۴۸۔ فخر النساء۔ "Contribution of iqbal to the creation of pakistan"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۸ء۔[زیر نگرانی: شوکت علی]

۴۹۔ فرحت یاسمین۔ اُردو نظم میں اقبال کا مرتبہ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۱ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر وحید قریشی]

۵۰۔ فرخ سلطانہ۔ "A study in iqbal's Moral philosophy"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۵ء۔[زیر نگرانی: ایم۔سعید احمد شیخ]

۵۱۔ فرزانہ ناہید گیلانی۔ڈاکٹر ممتاز حسن بطورِ اقبال شناس۔لائل پور: گورنمنٹ کالج لائل پور، پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۵ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن]

۵۲۔ فریدہ مفتی۔اقبال کا ذہنی ارتقاء۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۲ء۔[زیر نگرانی: سید وقار عظیم]

۵۳۔ فصیحہ سلطان۔باقیاتِ اقبال۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۳ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر ناظر حسین زیدی]

۵۴۔ کلثوم اختر چوہدری۔ "Iqbal and Some Modern critics of Religion"۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۵ء[زیر نگرانی: ڈاکٹر محمد معروف]

۵۵۔ گیتی آراء۔اُردو مکتوب نگاری۔غالب سے اقبال تک۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۴ء۔

[زیر نگرانی: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار]

۵۶۔ شمیم افزالون۔اقبال اور شیطان۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۹ء۔[زیر نگرانی: حفیظ اختر]

۵۷۔ مہ جبیں۔اقبال اور کشمیر۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۴ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۵۸۔ میمونہ روحی۔پروفیسر حمید احمد خاں بطور اقبال شناس۔لائل پور: گورنمنٹ کالج لائل پور، پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۵ء[زیر نگرانی: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن]

۵۹۔ نیر جہاں نامی۔اقبال کی ملّی شاعری۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۴ء۔[زیر نگرانی: سید وقار عظیم]

۶۰۔ ناہید سلطانہ۔اقبال کے اُردو کلام میں اماکن۔لاہور: پنجاب،۱۹۷۴ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۶۱۔ ناہید طلعت۔'اقبال ریویو' کی وضاحتی فہرست(جنوری ۱۹۶۰ء۔اپریل ۱۹۶۷ء)۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۷ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر ناظر حسین زیدی]

۶۲۔ نبیلہ صہر۔اقبال کا نظریہء فن۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۳ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی]

۶۳۔ نسرینہ طاہرہ۔پنجاب کی سیاست میں علامہ اقبال کا کردار(۱۹۲۶ء۔۱۹۳۸ء)۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۵ء[زیر نگرانی: سید علی عباس]

۶۴۔ نسرین گل۔اقبال کی شاعری میں تصورِ ابلیس۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۹ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر وحید قریشی]

۶۵۔ نسیم اختر۔فکرِ اقبال میں فلسفہ امتزاجیت کا ایک جائزہ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۶ء۔
[زیر نگرانی: منور ابن صادق]

۶۶۔ نشاط زرین۔اقبال کی شاعری میں حب الوطنی۔اجین: مادھو کالج، وکرم یونیورسٹی، س ن۔
[زیر نگرانی: عبد القوی دسنوی]

۶۷۔ نصرت رحیم۔اقبال کا ذہنی ارتقا مکاتیب کی روشنی میں۔سندھ:۱۹۶۷ء۔۱۹۶۸ء۔
[زیر نگرانی: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں]

۶۸۔ نگہت اقبال۔اقبال کی فارسی شاعری میں انقلابی عناصر۔کراچی،۱۹۵۹ء۔

۶۹۔ یاسمین سلطانہ۔اقبال کی طویل نظموں کا تجزیہ۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۴ء۔[زیر نگرانی: سید وقار عظیم]

مقالات برائے ایم فل

۱۔ آنسہ زیب النساء۔فرمان فتحپوری کی اقبال شناسی (اقبال سب کے لیے کے حوالے سے ڈاکس)،تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔اسلام آباد،اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:مہر نور محمد]

۲۔ اختر النساء۔گفتار اقبال:متن کا تحقیقی مُطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۶ء۔ [زیرنگرانی:ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۳۔ افشاں منیر بھٹی۔بال جبریل کی شرحوں کا توضیحی و تنقیدی مُطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۵ء۔[زیرنگرانی:انور خالد محمود]

۴۔ امبرین منیر۔(اقبال)فیض ،راشد،مجید امجداور مختار صدیقی کا تقابلی مُطالعہ ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر سہیل احمد خاں]

۵۔ انجم سلطانہ۔اُردو غزل کو اقبال کی دین۔حیدرآباد:جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی،۱۹۸۵ء۔ [زیرنگرانی:سیّدہ جعفر]

۶۔ انیلہ محمود۔علامہ اقبال کا تصور توحید۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔ [زیرنگرانی:انور خالد محمود]

۷۔ انیس فاطمہ۔ڈاکٹر ابو سعید نور الدین کی تصنیف اسلامی تصوف اور اقبال کا تنقیدی و توضیحی مُطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:اورنگ زیب عالمگیر]

۸۔ انیس فاطمہ فاروقی۔اقبال کی شاعرانہ فنکاری:مختصر حیات اور اُردو کلام کا مُطالعہ۔پٹنہ: پٹنہ یونیورسٹی،۱۹۷۶ء۔[زیرنگرانی:اختر اورینوی]

۹۔ بشریٰ جبیں۔پاکستان میں فروغ اقبالیات،غیر سرکاری اداروں کا کردار۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۴ء۔[زیرنگرانی:عبدالحمید یزدانی]

۱۰۔ بشریٰ خان۔سرسید اور اقبال کے عمرانی تصورات کا تقابلی مطالعہ۔ملتان:بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی،۱۹۹۵ء۔[زیرنگرانی:عبدالرؤف شیخ]

۱۱۔ بشریٰ ناہید۔جامعہ پنجاب میں اقبالیات پر ایم اے کی سطح کے تحقیقی مقالات کا تحقیقی و تنقیدی مُطالعہ(۱۹۸۱ءتا۱۹۹۲ء)۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۰ء۔ [زیرنگرانی:ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۱۲۔ بلقیس سراج۔اُردو نظم میں اقبال کا کارنامہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔ [زیرنگرانی:مسعود حسین خاں]

۱۳۔ بنت حیدر۔اقبال کی ایران دوستی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:فرحت ناز]

۱۴۔ پروینہ حبیب۔(پروفیسر)عبدالمغنی کی اقبال شناسی :ایک مُطالعہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی:بشیر احمد نحوی]

۱۵۔ تبسم۔"Iqbal and Kantian E pistemology.A Study in Comparison"۔ سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۹۵ء۔[زیرنگرانی:محمد امین اندرابی]

۱۶۔ تسکین کوثر،سیدہ،(اقبال و) ملك الشعراء بہار(فکری و فنی جائزہ)۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، س،ن۔[زیرنگرانی:مہر نور محمد]

۱۷۔ تسنیم رضا رضوی۔اقبال کے نظام فکر میں آزادی کی اہمیت۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی:عبدالغنی]

۱۷۔ ثریا جبیں۔اقبال کا بر صغیر میں لاہور سے باہر قیام اور سرگرمیوں کا تحقیقی مُطالعہ ۔ اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۶ء۔[زیرنگرانی:رحیم بخش شاہین]

۱۸۔ ثریا مسعود۔(سید) عابد علی عابد کی اقبال شناسی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۲ء۔ [زیرنگرانی:محمود الرحمٰن]

۱۹۔ ثمرین اختر۔(سید)وقار عظیم بحیثیت اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۶ء۔ [زیرنگرانی:نثار احمد قریشی]

۲۰۔ ثمینہ کوثر۔اورینٹل کالج(لاہور) کی اقبال شناسی ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔ [زیرنگرانی:سلطان محمود حسین]

۲۱۔ ثمینہ یاسمین۔ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کی سوانح اپنا گریباں چاك کا تحقیقی و توضیحی مُطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:ریاض مجید]

۲۱۔ جہاں آرا کاملی۔میر غلام رسول نازکی شاعری پر اقبال کے اثرات۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:تسکینہ فاضل]

۲۲۔ چھیدہ میر۔"Political ideology of Iqbal"۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی:۱۹۸۶ء۔ [زیرنگرانی:آل احمد سرور / سلیم قدوائی]

۲۳۔ حفصہ خالدی۔دستاویزاتِ اقبال انگلستان میں۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔
[زیرنگرانی:محمد اکرام چغتائی]

۲۴۔ حلیمہ سعدیہ۔(مولانا) صلاح الدین احمد بطور اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،
۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر انور سدید]

۲۵۔ حمیرا خالد۔عالمِ اسلام کے زوال کے اسباب کلامِ اقبال کے تناظر میں۔اسلام آباد:اوپن
یونیورسٹی،س۔ن۔[زیرنگرانی:احسان اکبر]

۲۶۔ خالدہ سلطانہ۔حیات و شخصیتِ اقبال:خطوط کے آئینے میں۔اسلام آباد:اوپن
یونیورسٹی۲۰۰۲ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۲۷۔ خدیجہ طاہر۔اقبال کی شاعری میں عورت کا تصور۔دہلی:۱۹۸۴ء۔[زیرنگرانی:افتخار بیگم]

۲۸۔ خدیجہ یاسمین۔اقبال اور سائمن کمیشن۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۲ء۔[زیرنگرانی:احمد سعید]

۲۹۔ خدیجہ مہ جبیں۔محمد بقائی ماکان کی تشریحات و تراجم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔
اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:محمد اقبال شاہد]

۳۰۔ زاہدہ پروین۔اقبال کی شاعری میں ہئیت کے تجربات کی روایت۔اسلام آباد:اوپن
یونیورسٹی،۱۹۹۲ء۔[زیرنگرانی:انور خالد محمود]

۳۱۔ زاہدہ پروین۔غالب کا فکر و فن اور اقبال۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی۱۹۸۲ء۔
[زیرنگرانی:آل احمد سرور]

۳۲۔ زبیدہ جبیں۔(پروفیسر)محمد منور بطور اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔
[زیرنگرانی:اورنگ زیب عالمگیر]

۳۳۔زرینہ بٹ۔اقبال کی اُردو غزل کا تنقیدی مُطالعہ۔سری نگری:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۱ء۔
[زیرنگرانی:آل احمد سرور]

۳۴۔ زیب النساء۔اقبال اور بچوں کا ادب۔بنگلور:۱۹۸۲ء۔[زیرنگرانی:فہمیدہ بیگم] ی

۳۵۔ زیب النساء۔انوارِ اقبال(خطوط)ترتیب و تحشیہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۹ء۔
[زیرنگرانی:ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۳۶۔ زیب النساء ثریا۔(کلامِ اقبال میں) انبیاء کا تذکرہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔
[زیرنگرانی:وحید عشرت]

۳۷۔ زمرد کوثر۔۱۹۴۷ء تک اقبال پر مطبوعہ اہم اُردو کتب میں شخصیتِ اقبال کا تحقیقی
مُطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۵ء۔[زیرنگرانی:انور محمد خالد]

۳۸۔ زوبیہ لطیف۔حیاتِ اقبال کا اشاریہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔
[زیرنگرانی:ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۳۹۔ زینت فردوس۔غلام رسول مہر بحیثیت اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔
[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۴۰۔ رابعہ سرفراز۔اقبال کا نظریہ فن نقادوں کی نظر میں(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)۔اسلام آباد:
اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:ریاض مجید]

۴۱۔ راشدہ نورین۔علامہ اقبال اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۲ء۔
[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۴۲۔ رانی ثریا طاہرہ۔عبدالواحد معنی بطور اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۴ء۔
[زیرنگرانی:معین الدین عقیل /یونس حسنی]

۴۳۔ رخسانہ حسن۔اقبال کی اُردو شاعری میں تصورِ اخلاق۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔
[زیرنگرانی:بشیر احمد نحوی]

۴۴۔ رضیہ سلطانہ۔اقبال کی اُردو شاعری میں عورت کا مقام۔حیدرآباد:جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی،۱۹۹۱ء۔
[زیرنگرانی:انورالدین]

۴۵۔ رضیہ شیخ۔(اقبال اور)حفیظ جالندھری کی شاعری کا تقابلی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن
یونیورسٹی۔[زیرنگرانی:ہارون الرشید تبسم]

۴۶۔ رعنا مشتاق۔اسرارِ خودی کا فکری و فنی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔
[زیرنگرانی:کلثوم فاطمہ]

۴۷۔ روبینہ رشید۔اُردو نظم گوئی میں اقبال کا مقام۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔
[زیرنگرانی:معزالدین]

۴۸۔ روزینہ انجم نقوی۔(مثنوی)اسرارِ خودی:نقدِ متن،حواشی و تعلقات۔اسلام آباد:اوپن
یونیورسٹی،۱۹۹۹ء۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۴۹۔ ریحانہ کوثر۔اقبال کا جرمنی میں قیام۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۵۰۔ رئیسہ پروین۔بیسویں صدی کی اُردو شاعری پر اقبال کے اثرات۔دہلی: دہلی یونیورسٹی،۲۰۰۶ء۔ [زیرِنگرانی:عتیق اللہ]

۵۱۔ ساجدہ اکبر۔اقبالیات قومی زبان کا توضیحاتی و تجزیاتی مُطالعہ،ابتدا سے دسمبر ۱۹۷۷ء تک۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی۲۰۰۱ء۔[زیرِنگرانی: سعداللہ کلیم]

۵۲۔ ساجدہ پروین۔(پروفیسر)آل احمد سرور بطور اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔ [زیرِنگرانی:محمد اسلم ضیاء]

۵۳۔ ساجدہ پروین۔تاریخِ تصوف(از اقبال)حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔ [زیرِنگرانی:آفتاب اصغر]

۵۴۔ سحرافروز۔بالِ جبریل اسلامی تاریخ کے حوالے۔علی گڑھ:مسلم یونیورسٹی،س ن۔ [زیرِنگرانی:محمد ہاشم]

۵۵۔ سعدیہ حسن۔اقبال کو منظوم خراجِ عقیدت(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرِنگرانی:ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۵۶۔ سعدیہ نورین۔کلامِ اقبال کے منظوم پنجابی تراجم۔لاہور:پنجاب یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔ [زیرِنگرانی:فخرالحق نوری]

۵۷۔ سفیرہ بیگم۔(پروفیسر) اسلوب احمد انصاری کی اقبال شناسی :ایک جائزہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،س ن۔[زیرِنگرانی:بشیر احمد نحوی]

۵۸۔ سلمیٰ بتول۔اُردو کے نمائندہ شعرا میں عشق کی روایت اور اقبال۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔

۵۹۔ سنیتا کماری۔اقبال اور ہندو مذہب۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرِنگرانی:صدیق شبلی]

۶۰۔ شائستہ بتول۔اقبالِ کامل(عبد السلام ندوی) کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرِنگرانی: شاہد اقبال کامران]

۶۱۔ شبانہ سحر۔فارسی غزل گوئی میں اقبال کا مقام۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔ [زیرِنگرانی:ڈاکٹر معین نظامی]

۶۲۔ شاہدہ رسول۔اقبال کا تصورِ کشف(اپنے خطبات کی روشنی میں)ایک تجزیاتی مُطالعہ۔ ملتان:بہاؤالدین زکریا،س ن۔[زیرِنگرانی:ڈاکٹر انواراحمد]

۶۳۔ شاہدہ یوسف۔ (اقبال اور ٹی ایس)ایلیٹ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرِنگرانی:عبدالغنی]

۶۴۔ شاہدہ یوسف۔ (اقبال اور) وڈذورتھ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۹ء۔ [زیرِنگرانی:جیلانی کامران]

۶۵۔ شفیقہ رسول۔اقبال اور ہیومنزم۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۵ء۔[زیرِنگرانی:آل احمد سرور]

۶۶۔ شکیلہ فیض۔(اُردو اقبال شناسی کی روایت میں)عشرت حسن انور کا مقام و مرتبہ۔بہاولپور: ۲۰۰۵ء۔[زیرِنگرانی:عقیلہ شاہین]

۶۷۔ شگفتہ بانو۔(مظلوم اقبال میں شامل ۱۰۳)خطوط کی تدوین و تحشیہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرِنگرانی:شفیق احمد]

۶۸۔ شگفتہ شہناز۔اقبال کی اسرارِ خودی پر تنقیدی کتب و مضامین کا تحقیقی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۲ء۔[زیرِنگرانی:سعداللہ کلیم]

۶۹۔ شگفتہ صابر۔زبورِ عجم کا فکری و فنی تجزیہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔ [زیرِنگرانی:عبدالحمید یزدانی]

۷۰۔ شمیم اختر۔(ڈاکٹر)سید عبداللہ کی اقبال شناسی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۳ء۔ [زیرِنگرانی:محمد ریاض]

۷۱۔ شہناز اقبال قریشی۔ "iqbal 's Messege to youth (An Evaluation of some selected poems" سری نگر: کشمیر یونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔[زیرِنگرانی:تسکینہ فاضل]

۷۲۔ صابرہ سلیم صدیقی۔اقبال کا تصورِ عشق۔دہلی: جواہرلال نہرو یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرِنگرانی:انوار عالم]

۷۳۔ صالحہ نذیر "Reception of western thought in iqbal 's philosophy and poetry"، س ن۔[زیرِنگرانی:فلپ ڈاروس]

۷۴۔ صائمہ رفعت۔اقبال شناسی میں بھوپال کا حصہ۔س ن۔[زیرِنگرانی:آفاق احمد برکت اللہ]

۷۵۔ صائمہ صادق۔اسلام میں وسیع النظری(لبرل ازم) کا تصور اور علامہ اقبال۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرِنگرانی:سعیدہ اقبال]

۷۶۔ صبغہ فاروق۔اقبال اور مجلہ صوفی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرِنگرانی:ڈاکٹر سہیل احمد خاں]

۷۷۔ صغریٰ بی بی۔اسلامی معاشرے میں عورت کی حیثیت ،اقبال کی نظر میں۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۵ء۔[زیرِنگرانی: منہاج الدین]

۷۸۔ صفیہ صلاح الدین۔رموزِ بے خودی :نقدِ متن،حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد:اوپن

یونیورسٹی، س ن۔[زیرِ نگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

٧٩۔ صورت جہاں۔بانگِ درا کی منظوم نظمیں۔سری نگر، کشمیر یونیورسٹی، ١٩٩٢ء۔
[زیرِ نگرانی: محمد امین اندرابی]

٨٠۔ صوفیہ بٹ۔(اقبال اور) سیالکوٹ کی معاصر شخصیات ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٠ء۔
[زیرِ نگرانی: ڈاکٹر سلطان محمود]

٨١۔ طاہرہ ناز۔نسیم حجازی پر اقبال کے اثرات کا جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٠ء۔
[زیرِ نگرانی: شفیق احمد]

٨٢۔ ۔طاہرہ منظور۔اقبالیات کا تنقیدی جائزہ(١٩٢٥ء۔٢٠٠٠ء)۔دہلی: دہلی یونیورسٹی، س ن۔
[زیرِ نگرانی: عبدالحق]

٨٣۔ طالعہ افروز۔اقبال اور فنونِ لطیفہ۔سری نگر، کشمیر یونیورسٹی، ١٩٨٢ء۔[زیرِ نگرانی: آلِ احمد سرور]

٨٤۔ طلعت کلثوم۔شذراتِ فکر اقبال: تحقیقی و تنقیدی مُطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٤ء۔
[زیرِ نگرانی: وحید عشرت]

٨٥۔ عابدہ اقبال زیدی۔اقبال: تحریکِ پاکستان کے مورخین کی نظر میں۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرِ نگرانی: ڈاکٹر فتح محمد ملک]

٨٦۔ عابدہ خاتون۔(علامہ اقبال اور)میاں محمد بخش کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ۔
اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٣ء۔[زیرِ نگرانی: محمد اکرم طاہر]

٨٧۔ عابدہ مبشر۔علم الا قتصاد: مقدمہ، ترتیب و تحشیہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ١٩٩٦ء۔
[زیرِ نگرانی: وحید عشرت]

٨٨۔ عذرا شفیع۔اقبال کی شاعری میں طنز۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ١٩٩٤ء۔
[زیرِ نگرانی: عبدالحمید یزدانی]

٨٩۔ عارفہ پروین۔جامعہ پنجاب، آئی ای آر(انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ) میں
اقبالیات پر ایم ایڈ اور ایم اے کی سطح کے تحقیقی مقالات کا مشرح و تنقیدی
جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرِ نگرانی: محمد ابراہیم خالد]

٩٠۔ عظمت رباب۔اقبال اور رومانیت۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٣ء۔[زیرِ نگرانی: ڈاکٹر محمد خان اشرف]

٩١۔ عظمیٰ عزیز خان۔مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر: تقابلِ متن اور حواشی و

تعلیقات۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرِ نگرانی: ڈاکٹر معین نظامی]

٩٢۔ عظمیٰ گیلانی۔علی عباس جلالپوری کی اقبال کا علم کلام کا تنقیدی مُطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٣ء۔[زیرِ نگرانی: وحید عشرت]

٩٣۔ غزالہ توحید۔اقبال کا تصورِ قوت و مزاحمت۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرِ نگرانی: ایوب شاہد]

٩٤۔ غزالہ نثار۔ذکرِ اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرِ نگرانی: محمد صالح طاہر]

٩٥۔ غزالہ ہمایوں۔(اقبال اور) ابن رشد کے ذہنی روابط۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ١٩٩٥ء۔
[زیرِ نگرانی: عبدالخالق]

٩٧۔ فرحت زہرہ۔(ڈاکٹر)اکبر حسین قریشی کی اقبال شناسی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرِ نگرانی: میاں مشتاق احمد]

٩٨۔ فرحت ریاض۔(لفظیات)بالِ جبریل کا تحقیقی مُطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٣ء۔
[زیرِ نگرانی: صدیق شبلی]

٩٩۔ فرح شفیع۔سکون و حرکت اقبال کی نظر میں۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرِ نگرانی: ممتاز احمد کلیانی]

١٠٠۔ فرح عزیز خاں۔(اقبال شناسی کی روایت میں ڈاکٹر)جاوید اقبال کا مقام۔ملتان: بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ٢٠٠٤ء۔[زیرِ نگرانی: ممتاز احمد کلیانی]

١٠١۔ فرخ طاہرہ۔اقبال کا سوانحی اشاریہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ١٩٩٩ء۔
[زیرِ نگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

١٠٢۔ فردوس جہاں۔(اقبال کی امیجری)بانگِ درا کی روشنی میں۔دہلی: دہلی یونیورسٹی، ١٩٧٩ء۔
[زیرِ نگرانی: عبدالحق]

١٠٣۔ فرزانہ ماجد۔(علامہ اقبال کی فارسی)دو بیتوں/رباعیوں کا تحقیقی و تنقیدی
مُطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ١٩٩٨ء۔[زیرِ نگرانی: صدیق شبلی]

١٠٤۔ فرزانہ ہما۔اقبال اور رسالت۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٤ء۔[زیرِ نگرانی: زاہد منیر عامر]

١٠٥۔ فریدہ الٰہی۔اقبال اور تحریکِ آزادی فلسطین۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ٢٠٠٦ء۔

[زیرنگرانی: ڈاکٹر فتح محمد ملک]

۱۰۶۔ فریال ارشاد۔(اقبالیات) چودھری محمد حسین۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء۔
[زیرنگرانی: سلطان محمود حسین]

۱۰۷۔ فوزیہ بتول۔(ڈاکٹر) یوسف حسین خاں کی اقبال شناسی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر وزیر آغا]

۱۰۸۔ فوزیہ اقبال۔جاوید نامہ کا فنی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی: محمود الرحمٰن]

۱۰۹۔ فوزیہ کاظم۔ ''concept of iqbal 's ego and theory of relativity'' اسلام
آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی: نعیم احمد]

۱۱۰۔ قمر النسا۔علامہ اقبال کے نظریات کی روشنی میں قومی پالیسیوں کا جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: ظفر اقبال]

۱۱۱۔ قمر سلطانہ۔(اقبال کا تصورِ خودی اور) لائبنیز کا تصورِ موناد۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء۔[زیرنگرانی: محمد معروف]

۱۱۲۔ کشور تصدق۔علامہ اقبال اور تفہیمِ علوم۔اسلام آباد: نمل یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: آفتاب احمد]

۱۱۳۔ کلثوم سلیم۔متونِ اقبال میں رسولِ آخر الزمان حضرت محمد کا تذکرہ تحقیقی و توضیحی مُطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی: عبدالحمید یزدانی]

۱۱۴۔ کوثر اظہار۔(اقبال اور) حسرت موہانی کے لسانی و سیاسی نظریات کا تحقیقی مُطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: نثار احمد قریشی]

۱۱۵۔ گل زرینہ آفتاب۔بانگِ درا، حصہ اول، حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء
[زیرنگرانی: محمد ریاض]

۱۱۶۔ لبنیٰ کوثر۔اقبال اور قرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب کا جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: صدیق شبلی]

۱۱۷۔ مسرت شاہین۔(ڈاکٹر علامہ اقبال اور) رشید احمد صدیقی کے ذہنی و فکری روابط۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی: محمود الرحمٰن]

۱۱۸۔ مصباح شاہین۔(اقبال اور) عاکف۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: جلال سوئیدان]

۱۱۹۔ ملکہ ریحانہ۔(ڈاکٹر) افتخار احمد صدیقی بحیثیت اقبال شناس۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،

۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۱۲۰۔ مسرت امیر۔افکارِ اقبال اور غلامی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر فتح محمد ملک]

۱۲۱۔ مسرت پروین نیلم۔اُردو شعرا اور اقبال۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء۔[زیرنگرانی: محمد ریاض]

۱۲۲۔ میمونہ ناز۔حیاتِ اقبال: تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ملتان، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔
[زیرنگرانی: ڈاکٹر روبینہ ترین]

۱۲۳۔ ناہید گل۔اقبال اور وجودیت۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۶ء۔[زیرنگرانی: صدیق شبلی]

۱۲۴۔ نائلہ ارم نیازی۔چراغ حسن حسرت کی اقبال شناسی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرنگرانی: طیب منیر]

۱۲۵۔ نائلہ کوثر۔اقبال (از عطیہ بیگم) کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرنگرانی: شاہد اقبال کامران]

۱۲۶۔ نبیلہ سجاد۔غالب اور اقبال کے فکری روابط۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرنگرانی: صدیق شبلی]

۱۲۷۔ نذیرہ بیگم۔(ڈاکٹر) رحیم بخش شاہین بطور اقبال شناس۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء۔
[زیرنگرانی: صدیق شبلی]

۱۲۸۔ نجمہ پروین۔علامہ اقبال اور فنونِ لطیفہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۷ء۔
[زیرنگرانی: اسلم ضیاءالدین]

۱۲۹۔ نجمہ شاہین۔(مسلم کانفرنس کا) خطبہ صدارت (مقدمہ، حواشی و تعلیقات، خطبے کا تجزیہ)۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: صدیق شبلی]

۱۳۰۔ نجیبہ ظفر۔بالِ جبریل کی غزلیات، رباعیات، قطعات پر محققانہ حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء۔[زیرنگرانی: صدیق شبلی]

۱۳۱۔ نسیم عباس۔قرۃ العین حیدر پر علامہ اقبال کے اثرات کا جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی: اسلم انصاری]

۱۳۲۔ نسیمہ مسعود۔فقیر وحید الدین کی اقبال شناسی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء۔
[زیرنگرانی: محمود الرحمٰن]

۱۳۳۔ نصرت آرا۔(پروفیسر) آل احمد سرور کی اقبال شناسی ایک مُطالعہ۔سری نگر:

کشمیر یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:تسکینہ فاضل]

۱۳۴۔نصرت بانواندرابی۔حالی،اکبراوراقبال کی پیامی شاعری کا تقابلی جائزہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔ [زیرنگرانی:آل احمد سرور]

۱۳۵۔ نکہت پروین۔پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق مع مسافر فکری و فنی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء [زیرنگرانی:محمد اکرام]

۱۳۶۔ نیلم ملک۔چودھری رحمت علی اور علامہ اقبال کے تصور پاکستان کا تقابلی جائزہ اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:وحید عشرت]

۱۳۷۔ ہما گل۔اسلامی انقلاب کے بعد ایران میں اقبالیات کے جدید رحجانات۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی:محمد سلیم مظہر]

۱۳۸۔ یاسمین اقبال بٹ۔ کلام اقبال اُردو کے کردار:ایك تحقیقی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی:محمد آصف اعوان]

مقالات پی ایچ-ڈی

۱۔ ارشد خانم،"اقبال کے تصورات فنون لطیفہ،جنوبی ایشیا کے معاشرتی تناظر میں"،نگران،انوار احمد،ملتان، بہاؤالدین زکریا،۲۰۰۷ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر انوار احمد] ۷

۲۔ بشریٰ لطیف۔اقبال اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید(جنوبی ایشیا ھند میں ھند اسلامی فکر کا ارتقاء اور فکر اقبال کی معنویت)، کراچی:س ن۔[زیرنگرانی:یونس حسنی]

۳۔ بیگم فردوس جہاں۔اقبال کی شاعری۔دہلی:دہلی یونیورسٹی،۱۹۸۳ء۔[زیرنگرانی:عبدالحق]

۴۔ پروین فیروز حسن۔"The Political Philosophy of iqbal" لاہور:پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر منیر الدین چغتائی] ۸

۵۔ پری بانو مسز۔اقبال کی شاعری میں ارضی مقامات کی اھمیت و معنویت (اُردو کلام کی روشنی میں) ۔۱۹۹۲ء۔[زیرنگرانی:آفاق احمد]

۶۔ جمیلہ خاتون۔ "The Place of God,Man and Universe in the Philosophic system of iqbal" علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی۔[زیرنگرانی:ایم۔ایم اشرف /ایم عمر الدین] ۹

۷۔ حامدہ مسعود بیگم۔اُردو میں نظریۂ شاعری :ولی سے اقبال تك ۔علی گڑھ:علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ ۱۰

۸۔ خالدہ منیر۔"Islam as a Moral and political ideal"مُطالعہ متن و ترجمہ،حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی۔۲۰۰۳ء۔ [زیرنگرانی:ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار]

۹۔ رافعہ وانی۔(پروفیسر) جگن ناتھ آزاد کی اقبال شناسی۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،س ن۔ [زیرنگرانی:بشیر احمد نحوی]

۱۰۔ رفعت حسن۔ "An Analysis of the Philosophical Ideas and works of iqbal"، انگلستان:ڈرہم یونیورسٹی،۱۹۶۸ء۔

۱۱۔ رفعت علی خاں۔اقبال کا ذھنی ارتقاء۔حیدرآباد:سندھ یونیورسٹی۔ ۱۱

۱۲۔ شگفتہ بیگم "iqbal and Reconstruction of islmic thoght"۔لاہور:پنجاب یونیورسٹی ۲۰۰۲ء۔[زیرنگرانی:عبدالخالق]

۱۳۔ شہناز اختر۔اقبال کے فکر و فن کے سماجی اور ثقافتی رشتے۔،دہلی:دہلی یونیورسٹی،س ن۔ ۱۲

۱۴۔ شہناز اقبال قریشی۔ "The concept of time and iqbal:Astudy" ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:بشیر احمد نحوی]

۱۵۔ صورت جہاں۔اقبال بحیثیت شاعر فطرت۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔ [زیرنگرانی:محمد امین اندرابی]

۱۶۔ عابدہ مبشر۔فارسی مثنوی گوئی میں اقبال کا مقام ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔ [زیرنگرانی:عبدالحمید یزدانی]

۱۷۔ عظمیٰ قاضی۔ "The concept of freedom in Allama iqbal 's reconstruction and poetry in the context of modernity in islam in the wake of british imperialisim"، البرٹا:س ن۔[زیرنگرانی:جوناتھن ہارٹ]

۱۸۔ فردوس جہاں۔شعر اقبال کا سیاسی اور سماجی مُطالعہ۔دہلی:دہلی یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔ [زیرنگرانی:عبدالحق]

۱۹۔ فرزانہ رضوی۔اقبال کے اُردو کلام کی شرحوں کا تجزیاتی مُطالعہ۔نگران۔س ن۔ [زیرنگرانی:آفاق احمد]

۲۰۔ فرزانہ ماجد۔فارسی کے مشہور شعری اسالیب اور علامہ اقبال کا فارسی شعری اسلوب ۔ اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۰ء۔[زیرنگرانی:کلثوم راج]

۲۱۔ فہمیدہ بیگم۔اقبال کی شاعری میں ہندوستانی تصور۔کلکتہ:۱۹۸۹ء۔

۲۲۔ فریدہ بانو۔اقبال اور کشمیر۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔

۲۳۔ قمر جہاں۔اقبال پر قرآن کا اثر۔جبل پور: جبل پور یونیورسٹی۔ ۱۳

۲۴۔ مسرت پروین نیلم۔ملوکیت اقبال کی نظر میں۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۶ء۔
[زیرنگرانی: گوہر نوشاہی]

۲۵۔ ناصرہ بیگم۔مغربی تہذیب :اقبال اور اکبر کی نظر میں۔ون کیشور: س ن۔
[زیرنگرانی: رضی الدین احمد]

۲۶۔ ناہید سلطانہ۔ کلامِ اقبال میں اعلام و اماکن کی فکری اہمیت۔لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۹ء۔[زیرنگرانی: افتخار احمد صدیقی]

۲۷۔ نزہت جبین۔سندھی زبان میں اقبال شناسی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔
[زیرنگرانی: آفاق صدیقی]

۲۸۔ نصرت بانو اندرابی۔حالی ،اکبر اور اقبال کی پیامی شاعری کا تقابلی مُطالعہ۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۰ء۔[زیرنگرانی: آل احمد سرور]

۲۹۔ نور فاطمہ۔ہندوستان میں آزادی کے بعد اقبال کی تنقید۔علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی، س ن۔
[زیرنگرانی: محمد ہاشم]

مقالات ڈی لٹ

۱۔ مسز آصفہ زمانی، ڈاکٹر۔ *"Dr.sir Mohammad iqbal and his persian poetry-Acritical survey"* لکھنؤ: لکھنؤ یونیورسٹی، (فارسی)

☆☆☆

حواشی

۱ اقبال شناس خواتین کی شائع شدہ کتب میں اس کا تعارف دیا جاچکا ہے۔

۲ یہ مقالہ دستیاب نہیں ہے۔بحوالہ سید معین الرحمٰن جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مُطالعہ"

ایک جائزہ ،لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول،۱۹۷۷ء،۱۰۵۔

۳ ادارۂ تعلیم و تحقیق (I.E.R) پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں یہ مقالہ دستیاب نہیں ہے۔

۴ حاشیہ بحوالہ عبدالقوی دسنوی، اقبال ریویو ،لاہور، جولائی ۱۹۷۶ء،۱۰۶۔

۵ سندھ یونیورسٹی کے ایم۔اے کے امتحان کے لیے یہ مقالہ پرائیوٹ اُمیدوار کے طور پر تحریر کیا گیا۔بحوالہ صریرِ خامہ، مجلہ شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد، قصیدہ نمبر، ۱۹۶۷ء۔۱۹۶۸ء،۴۳۴۔

۶ یہ مقالہ بھی کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے اور اس کا تعارف دیا جاچکا ہے۔

۷ یہ مقالہ کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے اور اس کا تعارف دیا جاچکا ہے۔

۸ ڈاکٹر پروین فیروز حسن کا یہ مقالہ کتابی شکل میں بعنوان اقبال کے تصورِ سیاست۔۱۹۷۷ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز سے شائع ہو چکا ہے۔اقبال شناس خواتین کی جن تصنیفات کا تعارفی جائزہ لیا گیا، اُن میں یہ مقالہ بھی شامل ہے۔

۹ یہ مقالہ بھی کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے اور اس کا تعارف دیا جاچکا ہے۔

۱۰ ڈاکٹر معین الرحمٰن نے اپنی کتاب "جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مُطالعہ ایک جائزہ" کے صفحہ ۳۹ پر اس مقالے کے تین حوالے درج کیے ہیں۔الف۔سید فرحت حسین، کتاب نما، نئی دہلی، مئی ۱۹۷۶ء، ص،۱۰۔

ب۔ عبدالقوی دسنوی، اقبال ریویو ،لاہور، جولائی ۱۹۷۶ء،۱۰۵۔

ج۔ ڈاکٹر سید محمد حسنین، سالنامہ نوید، مجلہ شعبۂ اُردو، مگدھ یونیورسٹی، جولائی ۱۹۷۶ء،۷۶۔

۱۱ بحوالہ صریرِ خامہ قومی شاعری نمبر،۱۹۶۶ء، مجلہ شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی،۱۷۳۔

۱۲ الف۔ سید فرحت حسین، کتاب نما، نئی دہلی، مئی ۱۹۷۶ء،۱۰۔

ب۔ عبدالقوی دسنوی، اقبال ریویو ،لاہور، جولائی ۱۹۷۶ء،۱۰۵۔

۱۳ الف۔سید فرحت حسین، کتاب نما،۲۲۔

ب۔ عبدالقوی دسنوی، کتاب نما،۱۰۵۔

مجموعی جائزہ

اقبال کی شاعری اور شخصیت اور فکر و فلسفے پر ہر حوالے سے بہت کام ہو چکا ہے، تصنیف وتالیف کے تحقیقی وتنقیدی کام کا یہ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ اقبال شناسی میں خواتین کا کردار اس لیے مُنفرد اور اہم موضوع ہے کہ اس سے قبل اس پر تحقیقی اور تنقیدی کام نہیں ہو پایا۔ اس موضوع پر کام کرنے کا مقصد اقبال شناسی میں خواتین کی کاوشوں کو سراہنا ہے کہ کس طرح انھوں نے اقبال کے فکر وفن کو دیکھا سمجھا اور اقبال آگاہی کے کن کن پہلوؤں پر کام کیا۔ ان کے کام کی اہمیت وافادیت کیا ہے؟ کس قرینہ، سلیقہ مندی، تحقیقی وتنقیدی، تشریحی و توضیحی اور تفہیمی انداز سے خواتین نے اقبال کو خراجِ تحسین پیش کر کے اقبال شناسی کی دنیا میں اپنا نام اور کام رقم کروایا ہے۔

اقبال شناسی میں خواتین کا کردار کے تحت خواتین کی باآسانی دستیاب شدہ تصانیف کو مختلف عنوانات میں مُنقسم کر کے ان کی اقبالیات کے میدان میں خدمات کا علیحدہ علیحدہ تعارفی جائزہ لیا گیا ہے۔

سوانحی اقبال شناسی کے ضمن میں تین اقبال شناس خواتین کی تین تصانیف کا تعارفی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آمنہ صدیقہ کی تصنیف داستانِ اقبال نوجوان طلبا کے لیے لکھی گئی ہے۔ بے حد سادہ اور دلچسپ پیرائے میں اقبال کی حیات کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال کی کتاب اقبال اور اُن کے فرزندِ اکبر آفتاب اقبال اقبال اور آفتاب اقبال کے متعلق غلط فہمیوں کے تدارک کے ضمن میں بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ مُصنفہ نے اس کتاب میں اقبال کی نجی زندگی منظرِ عام پر لانے کے ساتھ اُن کی ازدواج کے متعلق مختلف النوع قسم کے خیالات واندازوں کے جواب دیے ہیں اور آفتاب اقبال کے حوالے سے بعض لوگوں کے لگائے گئے ہر قسم کے الزامات واعتراضات پر قابو پانے کے لیے تحقیقی حوالوں سے اصل واقعات وحقائق بیان کیے ہیں۔ فرزانہ یاسمین کی سادہ اور آسان زبان میں بچوں اور طالبعلموں کے لیے لکھی گئی کتاب اقبال کا بچپن ایک معلوماتی

کتاب ہے۔

سوانحی اقبال شناسی کے ضمن میں اس سے قبل اقبال شناس حضرات مولوی احمد دین (اقبال)، محمد طاہر فاروقی (سیرتِ اقبال)، عبدالسلام ندوی (اقبالِ کامل)، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (عروجِ اقبال)، ڈاکٹر جاوید اقبال (زندہ رُود)، سیّد نذیر نیازی (دانائے راز)، ڈاکٹر سیّد سلطان محمود (اقبال کی ابتدائی زندگی) اور ڈاکٹر سعید اختر دُرّانی (اقبال یورپ میں) کا بہت کام ملتا ہے۔ سوانحی اقبال شناسی کے حوالے سے آمنہ صدیقہ اور فرزانہ یاسمین کی کتب اختصار کے ساتھ اقبال کی حیات کے اہم پہلوؤں کی جانب اشارہ کرتی نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں بیگم رشیدہ آفتاب اقبال کا کام اقبال شناسی کے میدان میں مُنفرد اور قابلِ قدر اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان سے قبل مولانا حامد جلالی کی کتاب علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوی سامنے آئی تھی جس میں کافی معلومات فراہم کی گئی تھیں لیکن اُن کی زندگی کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے تھے، اس کے علاوہ منیر احمد سلیچ کا مضمون ''اقبال کی پہلی شادی کا افسوسناک انجام، چند وجوہات'' ایک قابلِ ستائش کاوش ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ مُصنفہ نے آفتاب اقبال کی حیات، تخلیقات، سماجی اور ثقافتی مصروفیات اور اقبال کی صحبت میں بیٹھنے والوں سے مراسلت کے ضمن میں تحقیقی انداز میں معلومات درج کی ہیں۔ اس لحاظ سے بھی اس کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ مُصنفہ اقبال کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور اُنھوں نے اپنے حافظے میں موجود اقبال کے خاندان سے متعلق نئی معلومات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے انھیں ضائع ہونے سے بچا لیا اور حیاتِ اقبال کے ایک اہم گوشے (فرزندِ اکبر آفتاب اقبال کے حالات) پر روشنی ڈالی جسے نظر انداز کیا گیا تھا۔ کتاب میں شامل کچھ تحریریں اور تصاویر پہلی مرتبہ سامنے آئی ہیں۔ ان نوادرات کی شمولیت سے بھی اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔ بلاشبہ مُصنفہ کا یہ کام اُن سے قبل کیے گئے کام کی نسبت زیادہ مکمل اور وقیع ہے۔

دوسرے حصے *تنقید بر فکر و فنِ اقبال* میں گیارہ تصانیف شامل کی گئی ہیں۔ ارشد خانم

نے پی ایچ ڈی (اُردو) کا مقالہ علامہ اقبال کے تصوراتِ فنونِ لطیفہ (ایک محاکمہ) ڈاکٹر انوار احمد کے زیر نگرانی شعبۂ اُردو بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے مکمل کیا۔ بعد ازاں ادارہ ھذا نے اسے کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ اس تصنیف میں اقبال کے تصوراتِ فنونِ لطیف کا تجزیہ پانچ ابواب میں بے حد عُمدگی کے ساتھ کرتے ہوئے اس نکتے کو اُجاگر کیا گیا ہے کہ پاکستان کی ثقافت میں دینی احساس کے جذب کے ساتھ جمالیاتی اقدار کو فروغ دیا جانا چاہیے۔

ایک اہم تصنیف کنیز فاطمہ یوسف کی اقبال اور عصری مسائل ہے جس میں مصنفہ نے اقبال کے افکار کی روشنی میں تمام اُمتِ مسلمہ بالخصوص پاکستانی مسلمانوں کو درپیش مسائل کا جائزہ لینے کے بعد اُن کے افکار کو سمجھنے اور ان کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اقبال کے افکار کی روشنی میں پاکستان کو موجودہ دور میں درپیش مسائل کے تجزیے کے حوالے سے مصنفہ کی یہ کتاب اقبالیات میں ایک اہم اضافہ ہے۔

بصیرہ عنبرین نے تضمیناتِ اقبال میں تشریحی و توضیحی انداز میں تضمیناتِ اقبال کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ اُن کی یہ کاوش اقبال شناسی کے حوالے سے ایک عُمدہ اضافہ ہے۔

شاہدہ یوسف کی کتاب اقبال کا شعری و فکری مطالعہ اقبال کی شاعری، فلسفے اور مختلف سیاسی تصورات کے حوالے سے اہم ہے۔ اس کتاب میں اقبال کی جذباتی قصیدہ خوانی نہیں کی گئی بلکہ منطقی انداز میں اُن کے فکر و فلسفے کے خدوخال اُجاگر کیے گئے ہیں۔

زیب النساء بیگم کی تصنیف اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ اقبال کی تمام اُردو نثر کے مکمل تعارف و تجزیہ کا احاطہ کرتی ہے۔ اقبال کے مضامین، کُتب اور اب تک کے شائع شدہ ۱۶ اُردو خطوط کے مجموعوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ کتابت و املا کی اغلاط کی نشاندہی کے علاوہ مصنفہ نے اقبال کے خطوط کے اصل متن اور ان مجموعوں کے متن کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے اور پھر اقبال کے خطوط کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب سے قبل اقبال کی اُردو نثر پر مختلف زاویوں سے بہت کام ہو چکا ہے مگر زیب النساء بیگم کے کیے گئے

کام کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ اُنھوں نے اپنی کتاب نگارشاتِ اقبال میں اقبال کے دیباچوں، تقارظ اور مختلف تحریروں پر دی گئی آرا کا تنقیدی جائزہ اور ان کی اہمیت اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

زیب النساء بیگم نے اپنی کتاب اقبال اور بچوں کا ادب میں اقبال شناسی کے ایک مختلف پہلو کو پانچ ابواب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی اقبال کے اس حوالے کے مضامین اور شاعری کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

عطیہ سید کی کتاب اقبال ۔ مُسلم فکر کا ارتقاء اقبال شناسی کے حوالے سے ایک نئی جہت اور تحقیقی کاوش ہے۔ یہ کتاب خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بڑی محنت اور خوبصورتی سے رواں اُردو فلسفیانہ نثر میں لکھی گئی ہے۔ تاریخی نوعیت کی اس تصنیف میں مُسلم فلسفیانہ افکار کی تاریخ کو اقبال کے حوالے سے لکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال مختلف مُسلم فلسفیانہ تحریکوں اور مفکرین کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔

منزہ ماجد کی کتاب تسہیلِ اقبال میں اقبال کی دس مشہور طویل نظموں کی تسہیل و تنقید سادہ اور سلیس زبان میں پیش کی گئی ہے تاکہ نوجوان ان نظموں میں موجود اقبال کے دقیق اور گہرے فلسفیانہ تصورات کے مفاہیم کو باآسانی سمجھ سکیں۔

بیگم ناقبہ رحیم الدین کی کتاب دائمی تحرك اور اجتہادِ فکر و عمل کا شاعر میں اقبال کی شاعری کو ہماری موجودہ سوچ اور فکر کے لیے تازیانہ قرار دیا نسرین اختر کی کتاب اقبال اور وجودِ زن میں اقبال کے اشعار و افکار کی روشنی میں عورت کی عظمت کو واضح کیا گیا ہے۔

پروین شوکت علی کی کتاب اقبال کا فلسفۂ سیاسیات میں اقبال کے سیاسی نظریات اور تصورات جیسے نظریہ ریاست اور تصورِ پاکستان پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مسز کشور اقبال کی تصنیف فکرِ اقبال کے تعلیمی تقاضے میں اقبال کے تصورِ تعلیم ،نصاب اور طریقِ تدریس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اقبال کے فکر وفن کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ مختلف مکاتیبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور اقبال شناس حضرات نے اپنی اپنی سوچ اور نقطۂ نظر کے حوالے سے فکرِ اقبال کی تفہیم وتوضیح کی کوشش کی ہے۔ اقبال شناسی کے حوالے سے جن موضوعات پر خواتین نے کام کیا ہے اُن میں سے زیادہ تر ایسے ہیں کہ جن پر پہلے اقبال شناس حضرات کام کر چکے ہیں اور اہمیت کے حامل ہیں۔ جیسے کہ خواجہ غلام السیدین اقبال کے فلسفۂ تعلیم پر کام کرنے والے اوّلین اقبال شناس ہیں۔ مسز کشور اقبال نے اسی موضوع پر کام کرتے ہوئے اقبال کے نظریۂ تعلیم کی روشنی میں موجودہ دور کے تعلیمی تقاضوں پر بھی سیر حاصل بحث کی اور پاکستان کے نظامِ تعلیم کی اصلاح وبہتری کے لیے تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ اقبال کی جمالیات اور ثقافت کے موضوع پر بھی لکھا جا چکا ہے ڈاکٹر ارشد خانم کی کتاب اس حوالے سے ایک عمدہ تصنیف ہے جس میں اقبال کے نظریاتِ فنونِ لطیفہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف کی کتاب اقبال اور عصری مسائل ایک باشعور خاتون کی دانشورانہ تصنیف ہے جو اقبال کے افکار وتعلیمات سے آگاہی رکھنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کو عہدِ حاضر میں درپیش مسائل کا حل بھی انہی افکار میں تلاش کرنے پر زور دیتی ہیں۔ ایک اچھے موضوع پر اچھا کام کیا گیا ہے۔

اقبال شناس خاتون شاہدہ یوسف کی تصنیف اقبال کا شعری و فکری مطالعہ اقبال کے ایک ذہین قاری کی ادبی تخلیق معلوم ہوتی ہے۔ مصنفہ نے جس حیرت انگیز سلیقے سے اقبال کے شعری اور فکری منظر نامے کے خدوخال اُجاگر کیے ہیں اسے دیکھتے ہوئے اس اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے کہ ہماری نئی نسل اقبال کو پڑھنے اور اسے صحیح معنوں میں سمجھنے کی بے حساب صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ کتاب ہے۔ یقیناً مصنفہ کا شمار اقبال شناسی کے میدان میں ہمیشہ ممتاز رہے گا کیونکہ وہ اظہار پر پوری قدرت رکھتی ہیں۔

اقبال کی سیاسی فکر پر لکھی جانے والی اہم کتابوں میں محمد احمد خان کی اقبال کا سیاسی کارنامہ اور رئیس احمد جعفری کی اقبال اور سیاستِ ملی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالمجید

کی اقبال بحیثیت مفکرِ پاکستان اور عاشق حسین بٹالوی کی کتاب اقبال کے آخری دو سال میں بھی اقبال کے سیاسی نظریات کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اقبال کے سیاسی نظریات کا تنظیم وترتیب کے ساتھ مذہبی اور فلسفیانہ تصورات پسندی کے ساتھ اس حد تک جائزہ نہیں لیا گیا تھا جہاں تک اس کی اہمیت کا اقتضا تھا۔ ڈاکٹر پروین شوکت علی کی یہ کتاب اس خلا کو پُر کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس تصنیف کا مدعائے نگارش یہ ہے کہ فکریاتِ اقبال میں سیاسی تصورات کے اصولی عناصر کو مقامِ تحقیق واکتشاف میں لا کر تنقیدی طور پر ان کی اہمیت کو وضاحت آشنا کیا جائے۔ مصنفہ نے اس تحقیقی تصنیف میں اقبال کے تصورِ ریاست، فرد اور ریاست کے مابین رابطہ کی نوعیت اور قانون کا ماخذ اور اس کی نوعیت پر سیر حاصل بحث کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ اقبال عملی اربابِ سیاست کی صف میں شامل نہ تھے مگر انھیں فلسفی سیاست دان کہا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ اسلامی نظریۂ سیاست کے بنیادی اصولوں کی تجدید واحیا کے لیے اقبال نے جو خدمات انجام دی ہیں، انھیں بھی منظرِ تحقیق پر لایا جائے۔ مصنفہ کے نزدیک مختلف مسائل سیاست کی رمز آشنائی میں اقبال کی استدلالی روش کا تقاضا یہ ہے کہ اُنھیں اسلام کے عظیم سیاسی فلسفیوں کی صف میں مسندِ امتیاز کا مستحق تصور کیا جائے۔ یوں یہ کتاب اقبال کے سیاسی نظریات پر لکھی جانے والی کتب میں سب سے اہم اور جامع کتاب قرار پانے کی مستحق ہے۔

اقبال کے فلسفیانہ تصورات پر علی عباس جلالپوری کی کتاب اقبال کا علم الکلام سے کئی فکری مباحث کا آغاز ہو۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے افکارِ اقبال بالخصوص تصورِ زمان کا جائزہ سائنسی انکشافات کی روشنی میں اپنی وقیع تصنیف اقبال کا تصورِ زمان اور دوسرے مضامین میں پیش کیا۔ عشرت حسن کا مقالہ اقبال کی مابعد الطبیعات ایک وقیع کام ہے۔ عطیہ سیّد نے اپنی کتاب اقبال۔ مسلم فکر کا ارتقاء میں موجود تاریخ ان بیانات کی روشنی میں مرتب کی ہے جو اقبال کی دونوں نثری تصانیف ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء اور اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیلِ نو میں ملتے ہیں۔ یہ کتاب بے حد سنجیدہ

اور مشکل موضوع پر مبنی ہونے کے باوجود بڑی محنت اور خوبصورتی سے رواں اُردو فلسفیانہ نثر میں لکھی گئی ہے، جس میں فلسفے کی اصلاحوں کا استعمال ہونے کے باوجود ایک عام قاری کے لیے مشکل فلسفیانہ مضامین کو سمجھنے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آتی۔ اس کتاب میں اقبال کے علاوہ بہت سے مسلم حکماء کا ذکر اور اقبال سے ان کا تقابل بھی موجود ہے۔ یوں یہ تصنیف مطالعۂ اقبال اور باقی مسلم و غیر مسلم حکماء کی تفہیم نظریات میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ عطیہ سید کی یہ تصنیف اقبال شناسی کے میدان میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔

اقبال کی اُردو نثر پر بہت کام ہو چکا ہے مگر زیب النساء بیگم کے کیے گئے کام کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ اُنھوں نے اپنی کتاب نگارشاتِ اقبال میں اقبال کے دیباچوں، تقارظ اور مختلف تحریروں پر دی گئی آرا کا تنقیدی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیت اُجاگر کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس سے قبل اتنی زیادہ تعداد میں اقبال کی متفرق تحریریں کبھی جمع و مرتب نہیں کی گئیں۔ زیب النساء کی یہ کاوش لائق ستائش ہے کہ اُنھوں نے بے حد محنت سے اقبال کی متفرق تحریروں پر مفصل تنقیدی تبصرہ قلمبند کیا ہے جو بہت مفید ہے۔ اقبال کے افکار خصوصاً نثر پر کام کرنے والوں کو اس مجموعے کی بدولت اقبال کے متفرق نثر پاروں سے رجوع و استفادہ آسان ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنی دوسری تصنیف اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ میں مصنفہ نے اقبال کی تمام نثری تصانیف کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اور اقبال کے نثری اسلوب پر بحث کرتے ہوئے مختلف حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال ایک صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔ اگرچہ اُنھوں نے کسی خاص ضابطے اور قلبی لگاؤ کے نثر نہیں لکھی مگر اُن کا جتنا بھی نثری سرمایہ ہے وہ مواد اور طرزِ بیان دونوں اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے اُردو کی نثری تاریخ میں نمایاں مقام دیا جائے۔ اس تصنیف کی اہمیت اقبال کے اُردو خطوط کے طبع شدہ ۱۶ مجموعوں کے مکمل تعارف اور تنقیدی تجزیہ کے ساتھ ساتھ یہ اقبال کے مضامین اور نثری کتب کے تفصیلی تعارف و تنقیدی و تحقیقی تجزیے پر مبنی ہے۔

کتاب کے تیسرے حصے کلامِ اقبال کے اشاریے میں اشاریہ کلامِ اقبال (اُردو)

مرتبہ زبیدہ بیگم، اشاریہ کلامِ اقبال (اُردو) مرتبہ یاسمین رفیق، اشاریہ اقبالیات مرتبہ اختر النساء، اشاریہ کلامِ اقبال (فارسی) مرتبہ زبیدہ بیگم، اشاریہ سہ ماہی مجلہ اقبال مرتبہ اختر النساء اور اشاریہ اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ مرتبین زمرد محمود اور محمود الحسن شامل ہیں۔ ان سے قبل اشارہ سازی کا بہت کام ہو چکا ہے مگر ان اقبال شناس خواتین کے کیے گئے کام کی خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے جدید تحقیقی انداز میں اشاریہ سازی کی ہے۔ جیسے زمرد محمود اور محمود الحسن کا اشاریہ اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ نہ صرف ملکی بلکہ غیر ملکی اور بین الاقوامی محققین اور شارحینِ اقبال کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوگا اور ناقدینِ اقبال تقابلی مطالعے اور مطالعاتی جائزہ لیتے وقت اپنی آرا اور نقد و نظر کو مزید وزنی بنانے کے ساتھ ہی مُستند حوالے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ اشاریے کی ترتیب الفبائی ہے اور سر اندراج موضوعاتی عنوان ہے۔ ہر اندراج کے اندر قوسین میں کتاب کا نام، اس کے مصنف یا مرتب کا نام، سالِ اشاعت اور صفحات کے نمبر شمار دیے گئے ہیں تاکہ مضمون کی وسعت، گہرائی اور حوالے کی صحت قائم رہے۔ اسی طرح باقی اشاریے بھی اقبال شناسی کے میدان میں خواتین کے کردار کو مزید مُستحکم بناتے ہیں۔

کتاب کے چوتھے حصے کو دیگر زبانوں کی اقبال شناس خواتین کی تصانیف کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس حصے کی پہلی کتاب جرمن خاتون ڈورس احمد (جو اقبال کے بچوں کی گورنس اور گھر کی مُنتظمہ تھیں) کی ہے جس میں اقبال کے گھریلو حالات اور اُن کی شخصیت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہ کتاب بے حد اہمیت کی حامل ہے۔

فرانسیسی خاتون مستشرق لوس کلوڈ میتخ نے اقبال کے فلسفیانہ تصورات کی توضیح میں ایک کتاب لکھی جسے اس کی بے پناہ مقبولیت کی بنا پر انگریزی اور اُردو زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ فکرِ اقبال کا تعارف (مترجم ڈاکٹر سلیم اختر) اقبالیات میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ اس کتاب میں مصنفہ نے اقبال کی فلسفیانہ شاعری اور غزلیہ شاعری کا تجزیہ کیا ہے۔ اس حوالے سے یہ ایک عُمدہ کاوش قرار پاتی ہے۔

مشرقی زبانوں، اسلام، تصوف اور اقبال سے والہانہ شغف رکھنے والی مغربی جرمنی کی نامور مستشرق این میری شمل کا شمار اولین صف کے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے مغربی دنیا کو اقبال سے رُوشناس کرانے میں بے حد اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ واحد مستشرق ہیں جنھوں نے یورپین ہوتے ہوئے جاوید نامہ کا ترکی میں ترجمہ کیا اور جرمن زبان میں اقبال کی نظم ونثر کے مختلف حصوں کے تراجم کے علاوہ فکرِ اقبال کی تشریح وتوضیح پر جو گرانقدر مقالات تحریر کیے، اُن میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ فکر کی گہرائی بھی ملتی ہے۔ شہپرِ جبریل (اُردو ترجمہ مولانا ریاض الحق عباسی) اقبال کے مذہبی افکار سے متعلق ہے مگر اقبال کی شاعری پر کام کرنے والوں کے لیے بھی اس میں مفید نکات موجود ہیں۔ گویا شمل کی یہ تصنیف فکرِ اقبال سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں اقبال کے مذہبی افکار کو اسلام کے اساسی عقائد اور ایمانِ مفصل کی ترتیب سے پیش کر کے مصنفہ نے اپنی جدّت و ندرت کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے قبل اقبال پر اس انداز کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

جمیلہ خاتون کی انگریزی کتاب **The place of God,Man and universe in the philosophic system of Iqbal** میں اقبال کے تمام تر فلسفے کی بنیاد یعنی خدا، انسان اور کائنات کے متعلق تصور پر مشتمل ہے۔ مصنفہ نے اقبال کے فلسفیانہ افکار کی روشنی میں خدا، انسان اور کائنات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر خدا اور کائنات کے متعلق علمی تصورات کے ساتھ ساتھ اقبال کے فلسفے کی مدد سے ایک تفہیم فراہم کرتی ہے۔ ڈاکٹر جمیلہ خاتون کی اقبال کے فلسفیانہ افکار پر مبنی یہ تصنیف اقبال شناسی کے میدان میں اُنھیں اولین صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔

عطیہ بیگم نے ہائیڈل برگ (جرمنی) میں قیام کے دوران اقبال کی یادوں اور ان کے خطوط کو اپنی انگریزی کتاب میں پیش کیا ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ ضیاء الدین برنی نے کیا ہے۔ یہ کتاب اقبال کی یادداشتوں پر مشتمل ایک ڈائری کی حیثیت رکھتی ہے جو عطیہ بیگم کے ذاتی تاثرات کی بنا پر ایک منفرد حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ اقبال کو محض ایک شاعر، فلسفی اور

مفکر مانا جاتا ہے مگر عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے کم وبیش بارہ خطوط، یادداشتوں اور اُن کے تاثرات سے اقبال کا انسانی پہلو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ ایک ایسے انسان نظر آتے ہیں جس کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل موجود ہے جو حُسن اور ذہانتِ نسوانی سے متاثر ہوتا ہے۔

مؤلفہ ومرتبہ کتب کی ذیل میں شگفتہ زکریا کی فکر وفنِ اقبال، روبینہ ترین اور انوار احمد کی مرتبہ خطباتِ اقبال، سلطانہ مہر کی اقبال دورِ جدید کی آواز، زیب النساء بیگم کی نگارشاتِ اقبال، شمیم ملک کی مرتبہ تصنیف اقبال شناسی اور محمل، شیما مجید کی مُرتب کردہ کتاب اقبال، تسنیم کوثر گیلانی اور مصباح الحق صدیقی کی مرتب کردہ کتاب علامہ اقبال (افکار و خیالات)، زہرہ مُعین کی مرتب کردہ تصنیف عرفانِ اقبال، شمیم حیات سیال کی اقبال ہوا اُپدیشک، شمیم حیات سیال اور محمد حیات خان سیال کی مرتب کردہ کتاب اقبال غیر مسلموں کی نظر میں، لطیفہ خانم صدیقی اور محمد عظیم ملک کی عکسِ اقبال اور رضیہ بانو فرحت کی مرتبہ کتاب خطباتِ اقبال شامل ہیں۔

اقبال شناس خواتین کی مطبوعہ تصانیف کے اس مُطالعہ کا مجموعی تاثر یہ بنتا ہے کہ اُن کے موضوعات اور مضامین میں تنوع ہے اور بیشتر کاوشیں اقبال شناسی کے میدان میں قابلِ قدر اضافہ جات کی حیثیت اختیار کرتی نظر آتی ہیں۔

جامعات میں خواتین کی اقبال شناسی کے ضمن میں اب تک خواتین کے اقبال شناسی کے حوالے سے کیے گئے غیر مطبوعہ مقالات (ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ) کی فہرست دی گئی ہے جو کہ ہنوز مکمل نہیں ہے۔ ان تمام مقالات کو اکٹھا کر کے ان کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لینے اور اقبال شناسی کے حوالے سے ان کی اہمیت متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

اس فہرست کی تیاری میں ڈاکٹر سیّد مُعین الرحمٰن کی کتاب جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ ایک جائزہ اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب جامعات میں اُردو تحقیق سے مدد لی گئی ہے۔ اس فہرست میں مقالہ نگاروں کے ناموں کی الفبائی

ترتیب کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ جو مقالات اب دستیاب نہیں یا کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں حاشیے میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ فہرست ۲۱۸ مقالات پر محیط ہے۔ اس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال شناسی کے میدان میں خواتین کا بہت کام مطبوعہ کتب کے علاوہ غیر مطبوعہ صورت میں بھی مختلف جامعات میں موجود ہے۔ جس کا جائزہ لیا جانا بے حد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مقالات میں موضوعات اور مضامین کا کتنا تنوع ہے۔

اقبال شناسی میں خواتین کا کردار ایک وسیع موضوع ہے جس پر مزید کام جاری ہے۔ آنے والے وقت میں مزید نئی آنے والی طبع شدہ کتب، مقالات اس کے علاوہ مختلف رسائل و جرائد میں شائع شدہ خواتین کے مضامین کو بھی شامل کیا جائے گا۔ یہاں اس تصنیف میں اختصار کو اس لیے مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ اس موضوع پر زیادہ وسیع پیمانے پر کام جاری ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ اس مرتبہ جو خامیاں اور کمیاں رہ گئی ہیں اگلے ایڈیشن میں انھیں دور کیا جا سکے۔

☆☆☆

کتابیات

اختر النساء، مرتبہ۔ اشاریہ سہ ماہی مجلہ اقبال۔ لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۴ء۔

اختر النساء بیگم، مرتبہ۔ اشاریۂ اقبالیات۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۸ء۔

ارشد خانم۔ علامہ اقبال کے تصوراتِ فنونِ لطیفہ (ایک محاکمہ) ملتان: شعبۂ اُردو بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء۔

آمنہ صدیقہ۔ داستانِ اقبال۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، نومبر ۲۰۰۲ء۔

بصیرہ عنبرین۔ تضمیناتِ اقبال۔ لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء۔

بیگم اختر، سیّدہ سردار۔ اخترو اقبال۔ بنگلور: زہرہ سخن اکیڈمی، نومبر ۱۹۷۴ء۔

بیگم ثاقبہ رحیم الدین۔ دائمی تحرک اور اجتہادِ فکر و عمل کا شاعر۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۹ نومبر ۱۹۸۲ء۔

بیگم رشیدہ آفتاب اقبال۔ علامہ اقبال اور ان کے فرزندِ اکبر آفتاب اقبال۔ کراچی: فیروز سنز پرنٹرز، اگست ۱۹۹۹ء۔

پروین شوکت علی، مترجم، ریاض الحق عباسی۔ اقبال کا فلسفۂ سیاسیات۔ لاہور: غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔

تسنیم کوثر، مصباح الحق صدیقی، مرتبہ۔ علامہ اقبال (افکار و خیالات)۔ لاہور: فرحان پبلشرز، ۱۹۸۳ء۔

جاوید اقبال، مرتب، مترجم، افتخار احمد صدیقی۔ شذراتِ فکرِ اقبال۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء۔

خان، یوسف حسین۔ غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات۔ ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۸۶ء۔

خان، محمد احمد۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ۔ کراچی: کاروانِ ادب، ۱۹۵۲ء۔

خاں، محمد احمد۔ اقبال اور مسئلہ تعلیم۔ شاعت اوّل، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۸۱ء۔

خاں، یوسف حسین۔ روحِ اقبال۔ لاہور: آئینۂ ادب انارکلی، ۱۹۶۳ء۔

ڈورس احمد۔ Iqbal as I Knew Him۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء۔

روبینہ ترین، انوار احمد، مرتبہ۔ خطباتِ اقبال۔ ملتان: بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، جولائی ۲۰۰۳ء۔

زبیدہ بیگم، مرتبہ، اشاریۂ کلامِ اقبال فارسی۔ لاہور: بزمِ اقبال، مئی ۱۹۹۶ء۔

زبیدہ بیگم، مرتبہ۔ اشاریۂ کلامِ اقبال۔ لاہور: الفضل کتب، اگست ۲۰۰۲ء۔

زمرد محمود اور محمود الحسن، مرتبہ۔ اشاریۂ اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ۔ اسلام آباد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء۔

زور، محی الدین قادری، مرتبہ۔ شادِ اقبال ۔ حیدرآباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، ۱۹۴۲ء ۔

زیب النساء بیگم۔ اقبال کی اُردو نثر ایک مطالعہ۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۷ء۔

زیب النساء بیگم، مرتبہ۔ نگارشاتِ اقبال۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۳ء۔

زیب النساء بیگم۔ اقبال اور بچوں کا ادب۔ نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۹۲ء۔

سرور، آل احمد، مرتبہ، زہرا معین۔ عرفان اقبال۔ لاہور: تخلیق مرکز، ۱۹۷۷ء۔

سلطانہ مہر۔ اقبال دور جدید کی آواز۔ کراچی: ادارہ تحریر، ۱۹۹۷ء۔

سلیم اختر، مرتبہ۔ اقبال ممدوح عالم۔ لاہور: بزم اقبال، نومبر ۱۹۷۸ء۔

سلیم اختر، مترجم۔ فکر اقبال کا تعارف۔ (ازلوس کلوڈ میٹج) لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، اکتوبر ۱۹۷۹ء۔

سلیم اختر۔ اقبال شخصیت، افکار و تصورات: مطالعہ کا نیا تناظر۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔

سلیم اختر۔ اقبال شخصیت، افکار و تصورات: مطالعہ کا نیا تناظر۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔

شاہدہ یوسف۔ اقبال کا شعری و فکری مطالعہ۔ لاہور: نظریہ پاکستان اکادمی، ۱۹۹۹ء ۔

شگفتہ زکریا، مرتبہ۔ فکر و فن اقبال۔ لاہور: سنگت پبلشرز، جنوری ۲۰۰۴ء۔

شمل، این میری، مترجم، ریاض الحق عباسی۔ شہپر جبریل۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۲۳ء۔

شمیم حیات۔ اقبال بڑا اُپدیشک۔ لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۷ء۔

شمیم طارق۔ فہم اقبال۔ لکھنؤ: شفاعت بکڈپو حافظ فیشن مولوی گنج، مئی ۱۹۷۶ء۔

شمیم ملک۔ اقبال شناسی اور محمل۔ لاہور: بزم اقبال لاہور، دسمبر ۱۹۸۸ء۔

شمیم ملک۔ اقبال کی قومی شاعری۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۴ء۔

عابد علی، عابد، سیّد۔ شعر اقبال۔ لاہور: بزم اقبال، ستمبر ۱۹۹۳ء۔

عبادت بریلوی۔ اقبال کی اُردو نثر۔ طبع اوّل، لاہور: مجلس ترقی ادب، نومبر ۱۹۷۷ء۔

عبدالحکیم، خلیفہ۔ فکر اقبال۔ لاہور: بزم اقبال، جون ۱۹۸۸ء۔

عبدالخالق، یوسف شیدائی۔ مسلم فلسفہ۔ لاہور: عزیز پبلشرز، ۱۹۸۸ء۔

عبدالواحد، معینی، سیّد، مرتبہ۔ مقالات اقبال۔ طبع اوّل، لاہور: شیخ محمد اشرف پریس، ۱۹۶۳ء۔

عزیز احمد۔ اقبال نئی تشکیل۔ لاہور: گلوب پبلشرز، س۔ن۔

عطاء اللہ شیخ، مرتبہ، اقبال نامہ (حصہ اوّل، مکتوب مورخہ ۷ اپریل ۱۹۲۶ء)۔ لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۵ء۔

عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی۔ اقبال۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۵۶ء۔

عطیہ سیّد۔ اقبال ـــــ مسلم فکر کا ارتقاء۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء۔

غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال ایک مطالعہ۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۷ء۔

فرحت، رضیہ بانو، مرتبہ۔ خطباتِ اقبال۔ دہلی: حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر، اپریل ۱۹۳۶ء۔

فرزانہ یاسمین۔ اقبال کا بچپن۔ لاہور: نیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۳ء۔

فرمان فتح پوری۔ اقبال سب کے لیے۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔

فقیر وحید الدین، سیّد۔ روزگار فقیر۔ جلد اوّل، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۵۰ء۔

فیض احمد فیض، مرتبہ، شیما مجید۔ اقبال۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۹ء ۔

قریشی، محمد عبداللہ، مرتبہ۔ اقبال بنام شاد ۔ لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۶ء۔

کشور اقبال۔ فکر اقبال کے تعلیمی تقاضے۔ لاہور: گلاب پبلشرز، ۱۹۷۱ء۔

کنیز فاطمہ یوسف۔ اقبال اور عصری مسائل۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۶۳ء۔

لطیفہ خانم، محمد عظیم ملک۔ عکسِ اقبال۔ لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۵ء۔

محمد اقبال، مرتبہ، صابر کلوری۔ تاریخ تصوف۔ لاہور: مکتبہ انسانیت، ۱۹۸۵ء۔

محمد ریاض، اقبال اور احترام انسانیت ۔ لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۸۹ء۔

محمد اقبال۔ علم الاقتصاد۔ کراچی: اقبال اکادمی، جون ۱۹۶۱ء۔

منزہ ماجد۔ تسہیلِ اقبال۔ راولپنڈی: صوفی تبسم اکیڈمی، ۲۱ اپریل ۱۹۹۳ء۔

ندوی، عبدالسلام۔ اقبال کامل۔ لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، دسمبر ۱۹۸۴ء۔

نذیر نیازی، سیّد۔ دانائے راز ۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۹ء۔

نسرین اختر۔ اقبال اور وُجودِ زن۔ لاہور: ادارۂ تحقیق و تصنیف، دسمبر ۱۹۷۸ء ۔

وحید عشرت۔ پاکستان میں اقبالیات کے مطالعہ۔ لاہور: بزم اقبال، ۱۹۹۲ء۔

ہاشمی، رفیع الدین، مرتبہ۔ خطوط اقبال۔ اشاعت اوّل، لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۶ء۔

ہاشمی، رفیع الدین۔ اقبالیات کے تین سال ایک جائزہ۔ لاہور: میٹرو پرنٹرز، ۱۹۹۲ء۔

یاسمین رفیق۔ اشاریہ کلام اقبال (اُردو) لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۱ء۔

Bashir Ahmmad Daar, "A Study in Iqbal's Philosophy", Lahore.1944

رسائل وجرائد

اردو، رسالہ (اقبال نمبر)۔ لاہور: انجمن ترقی ادب، ۱۹۷۷ء۔

اقبال ریویو، مجلہ۔ اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۷۶ء۔ جنوری

اقبالیات، مجلہ (اشاعت خاص)، جلد نمبر ۳۵، شمارہ نمبر ۲، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۴ء۔

اقبال، مجلہ، سہ ماہی۔ لاہور: اپریل تا جولائی ۱۹۷۷ء۔

جام نو، رسالہ (اقبال نمبر)، ۱۹۷۷ء۔

صحیفہ، رسالہ، سہ ماہی (اقبال نمبر حصہ اوّل)۔ لاہور: جولائی۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء۔

ماہ نو، رسالہ (اقبال نمبر)، جلد نمبر ۳۰، شمارہ نمبر ۵، لاہور ستمبر، ۱۹۷۷ء۔

طاہرہ صدیقہ کی یہ کتاب اقبال شناسی میں خواتین کا کردار اقبال شناسی کے ایک نئے باب کا در وا کرتی ہے کہ اس پہلو سے بھی اقبال شناسی کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ اقبال شناس خواتین کی دستیاب شدہ کتب کے انفرادی جائزے کے ساتھ ساتھ جامعات میں اقبال شناسی کے حوالے سے کیے گئے خواتین کے مقالات کی فہرست بھی فراہم کی گئی ہے۔ مصنفہ کی اس سے قبل ایک کتاب دوسری جنگِ عظیم کے اُردو ادب پر اثرات بھی شائع ہو چکی ہے۔ وہ ایم اے اور ایم فل اعزاز سے پاس کرنے کے بعد آجکل جی سی یونیورسٹی، لاہور سے ہی پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی